حقوق الطبع محفوظہ

قَالَ رَسُولُ اللّٰہ

اِنِّی تَارِکٌ فِیکُمُ الثَّقلَینِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِترَتِی اَھلَبَیتِی

شیعیانِ آلِ محمدؐ خصوصاً واعظین و مبلّغین کیلئے نادر و نایاب تحفہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلمُجَلَّدُ الخَامِسُ مِن تَفسِیرِ (۵)

انوار النجف فی اسرار المصحف

5

مُصَنِّفَہ

حجۃ الاسلام علامہ حسین بخش جاڑا بانی و سرپرست جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا

ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

پرنسپل درسگاہِ امامیہ۔ دریا خان ضلع میانوالی

ہدیہ ۶۰/- روپے

تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۶ء ـــــــ رجسٹریشن نمبر ۶۴ ـــــــ

حقوق الطبع محفوظۃ

قال رسول اللہ

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اہلبیتی

شیعیان آل محمد خصوصاً واعظین و مبلغین کیلئے نادر و نایاب تحفہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

المجلد الخامس من تفسیر (۵)

انوار النجف فی اسرار المصحف

مصنفہ

حجۃ الاسلام علامہ حسین بخش جاڑا بانی و سرپرست جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا

ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

پرنسپل درسگاہ امامیہ۔ دریا خان ضلع میانوالی

ہدیہ -/۶۰ روپے

تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۸ء —— رجسٹریشن نمبر ۶۴ ——

معذرت

کافی عرصہ سے تفسیر کی جلد پنجم ختم ہو چکی تھی۔ اور خریدار حضرات کا مسلسل اصرار تھا کہ اس کو دوبارہ جلد از جلد زیور طباعت سے آراستہ کیا جائے لیکن مالی مشکلات اور دیگر مصروفیات کے حائل ہونے کی وجہ سے تاخیر ہوتی رہی۔ لیکن دیر آید درست آید کے مضمون کے مطابق اب تفسیر کی جلد ۵ کی کتابت ونڈانگ کرائی گئی اور اعلیٰ کاغذ آفسٹ طباعت کے بعد قارئین کرام کے پیش خدمت کی جا رہی ہے اور کمر توڑ گرانی کے پیش نظر قیمت میں اضافہ ناگزیر تھا جس کی ہم معذرت چاہتے ہیں

یہ سال یعنی شمسی ۱۹۷۹ء مطابق قمری ۱۳۹۹ھ قوم شیعہ کے لئے دو تحفے لایا ہے ایک ایران میں ظالم شہنشاہیت کا خاتمہ اور آیۃ اللہ سید روح اللہ الخمینی الموسوی کی حکومت اور دوسرا پاکستان میں قوم شیعہ کا ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر علماء کی قیادت کے نیچے آ جانا۔ چنانچہ ۱۲، ۱۳ اپریل کی بھکر کنونشن کے قومی اور مثالی لاکھوں کے اجتماع میں فخر ملت علامہ مفتی جعفر حسین قبلہ مدظلہ کی قیادت پر تمام قوم نے اتفاق کیا اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے لئے آپ کو صدر منتخب کیا گیا۔ خدا کرے قوم شیعہ اتفاق و اتحاد کی کشتی پر سوار ہو کر بہت جلد ساحل مراد تک پہنچے۔ آمین۔

(مطبوعہ:۔ الغدیر پریس بلاک ۲ سرگودھا)

فہرست مضامین

نام مضمون	صفحہ
سورۂ مائدہ	۵
رکوع نمبر ۵	
وفائے عہد اور خلافتِ علی	۶
حلال جانور	۱۴
حرام جانور	۱۷
حلیت وحرمت کا معیار	۱۹
حلال حیوان کا مُردہ کیوں حرام ہے	۲۰
شرائط حلیت	۲۱
حلال وطاہر اور حرام ونجس میں فرق	۲۲
حیوان مذبوح کی طہارت	۲۴
اکمالِ دین	۲۵
فخر الدین رازی کی منطق	۲۷
حدیثِ غدیر	۲۸
خطبۂ غدیر وبیعتِ علیؑ	۳۱
فضیلت عیدِ غدیر	۳۵
اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ کی تشریح	۳۹
تمام اور کمال میں فرق	۴۰
سیکھے ہوئے کتے کا شکار	۴۱
کتا رکھنا اور پالنا	۴۴
شکار کے مسائل	۴۵
ذبح کے احکام	۴۶
طیبات کا بیان	۴۸
تفصیل حلال وحرام	۴۹
اصل حلیت	۵۰
رکوع نمبر ۶ آیتِ وضو کا بیان	۵۲
فروعی احکام میں کفار مکلف ہیں	۵۴
اذا قُمتُم کی تشریح	۵۶
اسباب وضو ودیگر احکام	۵۷
پاؤں کا مسح	۶۰
چند مسائل	۶۴
غسلِ جنابت کا بیان	۶۷
غسل کا طریقہ ومسائل	۶۹
وفائے عہد کی تاکید	۷۱
عدل وانصاف کا حکم	۷۲
رکوع نمبر ۷ بنی اسرائیل کے بارہ نقیب	۷۴
درسِ عبرت	۷۷
نور وکتاب	۸۰
صراطِ مستقیم	۸۱
رکوع نمبر ۸	۸۴
حضرت یوشع کیلئے ردّ شمس	۸۵
زمانِ رسولؐ میں ردّ شمس	۸۶
ردّ شمس بعد از جنگِ صفین	۸۷
جنگِ خندق کا ایک نکتہ	۸۹
رکوع نمبر ۹ ہابیل وقابیل کا واقعہ	۹۰
قتل کی اہمیت	۹۳
ڈاکو کی سزا	۹۵
رکوع نمبر ۱۰ وسیلہ کی تلاش	۹۷
چور کی سزا	۹۹
دورِ رسالت میں جرائم کا انسداد	۱۰۰
ہاتھ کاٹنے کی حد	۱۰۱
نصبِ امام	۱۰۵
غیبتِ امام کا فائدہ	۱۰۷
اکل سحت	۱۱۰
رکوع نمبر ۱۱	۱۱۲
قوم یہود کو تنبیہہ	۱۱۳
ربط بیان	۱۱۷
رکوع نمبر ۱۲	۱۱۸
مومن سے محبت	۱۱۹
حضرت علیؑ کی صفات	۱۲۰
یُحِبُّھُمْ کی تشریح	؍؍
مرتد کون ہوئے	۱۲۱
رازی کا تعصب	۱۲۲
آیتِ ولایت	۱۲۹
رازی کی نکتہ چینی اور اس کا جواب	۱۳۲
انگوٹھی کی حقیقت	۱۳۴
رکوع نمبر ۱۳	؍؍
ذکرِ اذان	۱۳۵
اہل کتاب کو تنبیہہ	۱۳۷
رکوع نمبر ۱۴	۱۳۹

خم غدیر کا دور	۱۴۱
اہلِ کتاب سے خطاب	۱۴۶
نصاریٰ کو تنبیہہ	۱۴۸
نہی عن المنکر نہ کرنے کی سزا رکوع نمبر ۱۵	۱۵۲
ہجرت حبشہ	۱۵۴
پارہ نمبر ۷	
رکوع نمبر ۱	۱۶۰
رکوع نمبر ۲	۱۶۱
قسم کا کفارہ	۱۶۲
شراب وجوئے کی حرمت	۱۶۳
درجاتِ ایمان وتقویٰ	۱۶۵
رکوع نمبر ۳	۱۶۶
حالت احرام میں شکار	۱۶۶
امام محمد تقیؑ کا یحییٰ بن اکثم سے مناظرہ	۱۶۹
رکوع نمبر ۴ عمر کا مشکوک لقب ہونا	۱۷۳
بے جا سوال سے منع	۱۷۴
بحیرہ وسائبہ کا معنی	״
وصیلہ وحامی کا معنی	۱۷۵
باپ دادا کی تقلید	״
وصیت کے گواہ	۱۷۶
رکوع نمبر ۵ علمِ غیب	۱۷۹
بروز محشر نبیوں سے سوال	״
مسئلہ خلق ورزق پر تنبیہہ	۱۸۱
مائدہ کا بیان	۱۸۲
رکوع نمبر ۶	۱۸۳
ولایت علیؑ کا سوال	۱۸۵
سورۂ انعام کے فضائل	۱۸۷
رکوع نمبر ۱ مسئلہ خلق	۱۸۸

مسئلہ بدا	۱۹۰
توحید	۱۹۱
رکوع نمبر ۸ صفاتِ خدا	۱۹۴
رکوع نمبر ۹	۱۹۸
قیامت کے مواقف	״
ایمان حضرت ابوطالبؑ	۲۰۰
اشعارِ ابوطالبؑ	۲۰۴
حضرت ابوطالبؑ کی تصریحات	۲۰۵
آپ کی وصیتیں	۲۰۷
علماء کی رائے	۲۰۸
آئمہ کے ارشادات	״
حضرت ابوطالب کا جنازہ	۲۰۹
حضرت ابوطالبؑ کا وصی ہونا	۲۱۱
حضرت علیؑ کا معجزہ	۲۱۲
رکوع نمبر ۱۰	۲۱۳
حیوانوں کا حشر	۲۱۶
کفارِ مکہ کو تنبیہہ	״
رکوع نمبر ۱۱	۲۱۷
نعمتوں کی زیادتی کی وجہ	۲۱۹
علمِ غیب	۲۲۰
رکوع نمبر ۱۲ اصحابِ صفہ کا ذکر	۲۲۱
رکوع نمبر ۱۳	۲۲۴
نمازِ غفیلہ	۲۲۵
رکوع نمبر ۱۴ توفی کا معنی	۲۲۶
رکوع نمبر ۱۵	۲۳۰
آذر کون تھا	۲۳۱
حضرت ابراہیمؑ کی ملکوتِ سما کی سیر	۲۳۳

فَلَمَّا جَنَّ کی تفسیر	۲۳۳
رکوع نمبر ۱۶	۲۳۶
حسنینؑ کا اولادِ رسول ہونا	״
رکوع نمبر ۱۷	۲۳۸
رسولؐ کا لقب امی کیوں ہے؟	۲۳۹
کافر پر موت کی تلخی	۲۴۰
فرادیٰ کی تفسیر	۲۴۱
رکوع نمبر ۱۸ بارہ برج	۲۴۲
ایمان مستقر وایمان مستودع	۲۴۳
رکوع نمبر ۱۹ رویتِ خدا محال ہے	۲۴۴
سب کرنا گناہ ہے	۲۴۶
پارہ نمبر ۸	۲۴۷
رکوع نمبر ۱ ہر امت میں دو گمراہ	۲۴۸
آئمہ کلمۃ اللہ ہیں	۲۴۹
حلال وحرام	۲۵۰
رکوع نمبر ۲	۲۵۱
جبر واختیار	״
رکوع نمبر ۳ قوم جن کے نبی کا نام یوسف تھا	۲۵۴
عربوں کی بدعادات	۲۵۵
لڑکیوں کو قتل کرنے کی ابتداء	۲۵۶
عبرت ونصیحت	۲۵۷
رکوع نمبر ۴ صدقہ کا حکم	۲۶۲
رکوع نمبر ۵ حلال وحرام جانور	۲۶۳
رکوع نمبر ۶ گناہانِ کبیرہ	۲۶۶
رکوع نمبر ۷ برکت کا معنی	۲۶۷
نیکی کا بدلہ دس گنا	۲۷۰

جلد ۵

تفسیر

سُوْرَۃ مَائِدَہ

یہ سورہ مدنیہ ہے سوائے ایک آیت کے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الخ کہ یہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر اتری۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے علاوہ اس سورہ کی کل آیات ایک سو بیس ہیں۔ بروایت عیاشی حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ سورۂ مجیدہ جناب رسالتمآبؐ کی وفات سے دو تین ماہ قبل نازل ہوئی۔ نیز آپ سے مروی ہے کہ قرآنی احکام میں سے بعض بعض کے ناسخ ہیں۔ لیکن اس کا ناسخ کوئی نہیں ہے (الحدیث) بنا بریں وضو کی آیت جو اسی سورۂ مبارکہ میں ہے وہ موزوں پر مسح کرنے کے حکم کی ناسخ ہے چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام سے بھی یہی مروی ہے حدیث نبوی میں ہے کہ جو شخص اس سورۂ مجیدہ کی تلاوت کرے گا۔ اس کے نامۂ اعمال میں تمام یہود و نصاریٰ کے عدد سے دس گن نیکیاں درج ہوں گی اور اسی قدر اس کی برائیاں مٹائی جائیں گی اور اسی قدر اس کے درجات میں بلندی ہوگی۔

۶ دسمبر سنہ ۶۲ء مطابق ۸ رجب سنہ ۸۲ھ بروز جمعرات ۱/۲ ۱۲ بجے دوپہر پانچویں جلد تفسیر انوار النجف کو لکھنا شروع کیا۔ وَعَلَی اللّٰہِ اَتَوَکَّلْ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ؕ اُحِلَّتۡ لَکُمۡ بَهِیۡمَةُ الۡاَنۡعَامِ

اے ایمان والو! پورے کرو عہد اپنے حلال کئے گئے تمہارے لئے چوپائے جانور مگر وہ جو تمہیں بتلائے جائیں گے

اِلَّا مَا یُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ غَیۡرَ مُحِلِّی الصَّیۡدِ وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَحۡکُمُ مَا یُرِیۡدُ ①

درحالیکہ نہ حلال جاننے والے ہو شکار کو حالتِ احرام میں۔ تحقیق اللہ حکم کرتا ہے جو چاہتا ہے

رکوع نمبر ۵

وفائے عہد اور خلافتِ علیؑ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا :- تاریخ الخلفاء و مسند احمد و دیگر کتب سے منقول ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا نازل ہوا ہے۔ حضرت علیؑ اس کے امیر و شریف ہیں اور خداوند کریم نے متعدد مرتبہ قرآن مجید میں صحابہ کو سرزنش کی ہے لیکن علیؑ کو ہر جگہ مدح و ثنا اور خیر کے ساتھ ذکر فرمایا۔ پس وہ آیاتِ قرآنیہ جن میں مومنوں کو خطاب کر کے بعد میں ان کو عتاب کیا گیا ہے ان سے حضرت علیؑ یقیناً مراد نہیں ہیں اور جن جن آیاتِ قرآنیہ کے مصداق حضرت علیؑ ہیں۔ ان کے بعد تا حضرت قائم آلِ محمدؐ تمام آئمہ یکے بعد دیگرے ان کے باطنی مصداق ہیں اور باعتبار ظاہر تمام مومنین زمانِ رسالتؐ سے لے کر تا قیامت ان خطابات میں داخل ہیں۔ تفسیر برہان میں صحیفۂ امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ قرآن میں جس جس مقام پر یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وارد ہے وہ ہمارے حق میں ہے اس کا بھی یہی مقصد ہے جو عرض کیا جا چکا ہے۔ واللہ اعلم

اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ :- تفسیر برہان میں بروایت علی بن ابراہیم امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کی خلافت کا صحابہ سے دس مقامات پر عہد لیا تھا پس خدا اس جگہ فرما رہا ہے۔ اے ایمان والو اپنے عہدوں کی وفا کرو جو حضرت علیؑ کی خلافت کے بارے میں تم سے لئے جا چکے ہیں۔ ظاہری اعتبار سے مومنین کے جس قدر بھی آپس میں یا خدا و رسولؐ کے ساتھ عہد ہوں سب کی وفا کا حکم ہے اور ولایت و خلافت کا عہد بھی ان عہدوں میں داخل ہے۔ لہذا روایت معصوم میں خلافتِ علیؑ کا اس آیت سے مراد ہونا ایک فردِ اہم اور مصداقِ اتم کی نشان دہی ہے۔

توضیح مزید

جس طرح ایک سلطانِ وقت اپنی تمام رعایا کو اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی کا حکم دے تو بالعموم یہ حکم سلطانی تمام رعایا کے افراد پر حاوی ہے لیکن افسران و عہدہ داران بالخصوص اس حکم کے مخاطب ہوں گے اور تمام افسروں و عہدہ داروں پر جو انچارج و مختارِ عام ہو گا۔ وہ جس طرح عنایتِ سلطانی کے ماتحت اس عہدۂ جلیلہ پر فائز ہو کر

تمام رعایا سے امتیازی شان کا حامل ہے اسی طرح اس حکم کے خطاب میں بھی وُہ سب سے پہلے مراد اور سلطان کا مقصود اعظم قرار دیا جائے گا۔ پس سلطان کی طرف سے فرائض کی انجام دہی کا حکم حاوی تو ہے تمام رعایا پر جس میں افسر و ماتحت اور عہدہ دار و عوام سب داخل ہیں لیکن فرائض کی تعیین ہر فرد رعایا پر اس کے شان و عہدہ کے موافق ہوگی یعنی مملکت کے انچارج و مختار عام کے فرائض میں سے ہے کہ وہ سلطان وقت کی کماحقہٗ اطاعت کرے اور ہر وقت اس کی خوشنودی کو ملحوظ رکھے اور اسی کے ماتحت اپنے ماتحت افسران و عہدہ داران کو اپنے فرائض سے متنبہ کرتا رہے اور سلطانِ وقت کی طرف سے عائد کردہ قوانین کو رعایا میں نافذ کر کے اُن کے کاروبار کی صحیح نگرانی کرے تاکہ مملکت کا صحیح نظم و نسق بحال رہے اور رعایا بھی خوشحال رہے۔ اس کے بعد افسروں اور عہدہ داروں کے فرائض میں سب سے اہم فریضہ ہے سلطانِ وقت اور اس کی طرف سے متعین انچارج کے ساتھ عہد وفاداری اور ان کے احکام کی اطاعت شعاری بعد ازیں اپنے معینہ عہدہ کی ذمہ داریوں سے ایماندارانہ عہدہ برآ ہونا وغیرہ اور رعایا کے فرائض میں سب سے پہلے سلطانِ وقت اور اس کی جانب سے متعین افسران و عہدہ داران کی اطاعت اور حتی الامکان قانون شاہی کی پاسداری کرنا۔

اس توضیح کے بعد یہ سمجھنا نہایت آسان ہوگیا کہ خداوند کریم کی جانب سے تمام ایمان والوں کو حکم ہے کہ اپنے اپنے عہدوں کی وفا کریں۔ لیکن چونکہ ذاتِ احدیت کی جانب سے تمام دنیا میں منشاء خداوندی کے ماتحت نظام مملکت کے قیام و بقاء کے لئے انچارج ہیں انبیاء و مرسلینؑ اور ان کے بعد ان کے اوصیاء طاہرینؑ اور ان کے بعد علمائے عاملین۔ پس خطابِ خداوندی میں منظرِ عطوفت ایزدی کا موردِ اوّل ہے ذاتِ رسالت مآبؐ اور اُن کے بعد حضرت شاہِ ولایت اور پھر پیچھے بعد دیگرے آئمہ طاہرینؑ علیہم السلام اور پھر تمام مومنین از اوّلین و آخرین پس نبیؐ سے جن عہدوں کی وفا کرنی ہے ان سے مُراد وُہ عہد ہیں جو اُن کے عہدۂ جلیلہ کے شایان ہیں اور ان میں سب سے پہلے ہے اطاعت مالک حقیقی اور اس کو آپ نے اس حد تک نبھایا کہ پاؤں پر وَرم پڑ گئے اور تازیست زبان سے یہ کلمہ نہ نکلا کہ میں نے کماحقہٗ اطاعت کر لی بلکہ اس معاملہ میں اپنی کوتاہی محسوس فرماتے رہے۔ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ اَوْ كَمَا قَالَ۔ اور یہ ہے مرحلۂ اُولیٰ میں اپنے پروردگار کے عہد کی وفاداری اور اس کے بعد اس کی جانب سے معیّن کردہ قوانین کا نفاذ تو انسانی فلاح و بہبود کے لئے کوئی ضابطہ و قانون ایسا نہیں جس کو آپ نے بیان نہ فرمایا ہو۔ خواہ اس کا تعلق اصلاحِ نفس سے ہو یا تدبیرِ منزل سے یا سیاست عامہ سے اور خواہ امورِ دنیاویہ سے متعلق ہو یا امورِ آخرت سے اور بایں ہمہ تازیست کسی آدمی کے زیرِ بارِ احسان ہونا گوارا نہ کیا اور نہ کسی سے مراعات کی خواہش فرمائی اور فرماتے رہے کہ میں یہ سب کچھ خوشنودی خدا کے لئے کرتا ہوں اور اس کا عوض مجھے میرا پروردگار ہی عنائت فرمائے گا۔ فریضہ رسالتؐ سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کیا کچھ تکلیفیں برداشت نہیں کیں۔ پیدل سفر کئے۔ قریبیوں و رشتہ داروں سے بائیکاٹ و قطع تعلّقی کے بوجھ سہے۔ لوگوں کے طعن و تشنیع برداشت کئے۔ بھوکے رہے پیاسے رہے۔ شعب ابی طالبؑ میں تین سال تک جلاوطن رہے

پھر جسم اطہر پر پتھر کھائے۔ ہجرت کی تکلیفیں اُٹھائیں دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ حتّٰی کہ حضورؐ کی جانب یہ الفاظ بھی منسوب ہیں کہ فرمایا۔ مَآ اُوْذِیَ نَبِیٌّ کَمَآ اُوْذِیْتُ یعنی کسی نبی کو اسقدر اذیتیں نہیں دی گئیں۔ جتنی مجھے دی گئیں اور بایں ہمہ تبلیغِ رسالتؐ میں ذرا بھر بھی کوتاہی نہیں کی اور خلقِ خدا کی خیر خواہی و اصلاح کو ہر مرحلہ میں ہی مقدم رکھا اور یہ سب کچھ اپنے پروردگار کی خوشنودی کے لئے ہی کیا اور باوجود تکلیفوں اور اذیتوں کے شکوہ نہ کیا بلکہ اس کے ذکر و شکر اور حمد و ثنا میں ہمیشہ رطب اللسان رہے۔ یہ ہے ان کی اس مرحلہ ثانیہ میں اپنے پروردگار کے عہد کی وفاداری حضرت رسالتمآبؐ کے بعد اُن کے صحیح جانشین حضرت ولائیت مآب امیرالمومنین علیہ السلام ہیں اور وُہ بھی ذاتِ پروردگار کی جانب سے عہد کی وفاداری کے لئے مامور و مخاطب ہیں۔ اور ان کے عہد میں سب سے اوّل ہے۔ اطاعتِ خالق اور اس کے بعد اطاعتِ رسولؐ اور ان کے بعد خُدا اور رسولؐ کی جانب سے عائد شدہ قوانین کا تمام امت میں انفاذ و اجراء اور نگرانی۔ اس مقام پر حضرت علیؑ کے جملہ شعبِ زندگی پر اگر تفصیلی نگاہ دوڑائی جائے تو آپ کی مقدس زندگی کا کوئی پہلو ایسا نظر نہیں آتا۔ جس میں ایک چشم زدن کے لئے بھی خوشنودئ خُدا کو پسِ پُشت ڈالا گیا ہو۔ یہ صرف حضرت امیر کی ہی شان تھی۔ کہ بڑی وسیع و عریض سلطنت کو ٹھوکر مار دی۔ لیکن خوشنودی خُدا سے قدم باہر نہ رکھا۔ تاج و راج چھوڑنا منظور کر لیا۔ لیکن دینِ خُدا کی لاج نہ چھوڑی۔ نماز میں دیکھئے ایک ہزار رکعت شبانہ روز پڑھتے ہیں اور خوفِ خدا کا یہ عالم ہے کہ شب تاریک میں ریش مبارک کو پکڑ کر اپنے عجز و انکساری کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔ شبِ ہجرت عین عالم شباب میں بستر موت پر سونا اور پھر ہر جنگ میں سرکار رسالتؐ کے بقاءِ وجود کے لئے ایسے آڑے وقتوں میں سینہ سپر ہونا جبکہ بڑے سے بڑے اطاعت کے دعویٰ کرنے والے بھی روپوش نظر آتے تھے۔ یہ علیؑ کی اطاعت گذاری و وفا شعاری کی ادنیٰ مثالیں ہیں۔ وُہ کون تھا؟ جس نے جنگِ بدر میں اپنی بے پناہ جرأت و قوّت ایمانی سے کفار کے حوصلے پست کر دیئے کون جنگِ اُحد میں رسالتمآبؐ کے لئے سینہ سپر رہا؟ کس نے جنگِ خندق میں اسلام کے پرچم کو بلند کرتے ہوئے ثقلین کی عبادت کو تلوار کی ایک جنبش میں سمو کر کلِ ایمان کی سند لی۔ وُہ کون تھا؟ جس نے میدانِ خیبر میں زبانِ وحی ترجمانِ سے خُدا و رسولؐ کی پر اخلاص محبّت کے ساتھ ساتھ کرّار و غیر فرار کا تمغہ حاصل کیا؟ تو تاریخ متفقہ طور پر یہی کہے گی کہ اس قسم کے حوصلہ شکن مراحل میں خدا و رسولؐ کی اطاعت کے لئے اپنی جان پر کھیلنے والا صرف علی ہی تھا اور اطاعت و فرض شناسی کی حد ہے کہ غلط فہمی سے اپنے عقیدہ میں افراط کرنے والا کہتا ہے کہ تو خُدا ہے اور علیؑ اُسے واجب القتل قرار دے کر اپنی عبدیت پر نازاں ہیں اور توحید پرستی کا یہ عالم ہے کہ مناجات میں عرض کرتے ہیں۔ کَفٰی بِیْ فَخْرًا اَنْ تَکُوْنَ لِیْ رَبًّا وَکَفٰی بِیْ عِزًّا اَنْ اَکُوْنَ لَکَ عَبْدًا۔ یعنی میرے فخر کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ تو میرا پروردگار ہے اور میری عزت کے لئے یہ کافی ہے کہ میں تیرا عبد ہوں۔ اور ایک مقام پر عرض کرتے ہیں:۔ اِلٰھِیْ وَجَدْتُکَ رَبًّا کَمَا اَرْتَضِیْ فَاجْعَلْنِیْ عَبْدًا کَمَا تَرْضٰی۔ اے میرے اللہ! میں نے

تجھے اپنا پروردگار اس طرح پایا ہے جس طرح میں چاہتا ہوں اور تو مجھے اپنا عبد اس طرح بنا جس طرح تو چاہتا ہے۔ اور اطاعتِ رسولؐ کا عالم یہ ہے کہ اگر کسی نے نادانستہ طور پر آپ کو رسول اللہ کہہ دیا تو فوراً اس کی زبان بندی ان الفاظ سے فرمائی۔ اَنَا عَبۡدٌ مِّنۡ عَبِیۡدِ رَسُوۡلِ اللّٰہِ۔ میں تو رسول اللہ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں۔ سامنے بیٹھ کر جی حضوری بنتے ہوئے غلامی کا دعویٰ کرنا اور ہے اور علیحدگی میں کسی کو مبالغہ آمیز تعریف سے روک کر اپنے عہدہ پر برقراری کا مظاہرہ کرنا اور ہے اور یہ بھی اسی اطاعت خدا و رسولؐ کی شان ہے کہ جہاں حکم ملا کہ آگے بڑھنا ہے تو ہزاروں لاکھوں کے مقابلہ میں جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایسے آگے بڑھے کہ شجاعانِ زمانہ کے دل ہلا دیئے اور جہاں مصلحت وقت کے ماتحت رسولؐ کی وصیت ہوئی۔ یا علیؑ خاموش رہنا تو معاملہ کچھ سے کچھ ہوگیا۔ لیکن جذبات کو کچلتے ہوئے ۲۵ سال کی طویل خاموشی اختیار کرلی اور اطاعت کے دائرے سے قدم باہر نہ نکالا۔ اربابِ تاریخ اور اصحابِ دانش پر واضح ہے کہ حضرت علیؑ کے جملہ شعوبِ زندگی میں سے کوئی شعبہ ایسا نہیں مل سکتا جس میں صرف جذباتِ نفسانیہ کا خیر مقدم کیا گیا ہو۔ بلکہ ہر مرحلہ پر اطاعتِ خدا و رسولؐ ہی آپ کا مطمحِ نظر رہی۔ یہ اُن کے ایفائے عہد کی شقِ اوّل کے متعلق مختصر سی گذارش کی گئی ہے ورنہ تفصیل مطلب کے لئے تو علمائے اعلام کی ضخیم کتابیں بھی اس کے حق بیان سے قاصر رہی ہیں۔

اب رہا ان کے عہد کے ایفا کا دوسرا پہلو جو خدا و رسولؐ کے احکام کے انفاذ سے متعلق ہے تو آپ نے باوجود انتہائی پُرفتن دَور کے نامساعد حالات میں حقیقت بین نگاہوں اور صحیح الفطرت عقلوں کے لئے زمانِ رسالتؐ کی یاد تازہ کردی۔ اس میں شک نہیں کہ دانستہ طور پر آپ کے مختصر سے زمانِ خلافت کو جنگ و جدال کے اُلجھاؤ میں ڈال کر کوشش کی گئی کہ خدا و رسولؐ کی صحیح تعلیمات کو زیرِ حجاب رہنے دیا جائے تاکہ اسلام بااقتدار طبقہ کی کٹھ پتلی بنا رہے اور بعد کی نسلیں حضرت علیؑ کے دَور سے سابق و لاحق حکومتوں پر صحیح اسلامی نقطہ نگاہ سے حرف زنی نہ کرسکیں لیکن حضرت علیؑ کی ثباتِ قدمی اور اپنے ذمہ لئے ہوئے عہدِ امامت کی پاسداری کے تقاضے نے نفسانیت و شہوانیت یا وقتی سیاست و لادینیت کے راستہ میں سنگ گراں بن کر اور ملکی سطوت و استبداد کی خطرناک اور ہمہ گیر طوفانی موجوں کے سامنے آہنی چٹان بن کر کفر و الحاد کے اُبھرتے ہوئے سیلاب کو اپنی حدود سے متجاوز نہ ہونے دیا اور باطل کا ناطقہ بند کرکے رکھ دیا حتیٰ کہ اس دَور کی دو طرفہ پالیسیوں کی چاشنی لینے والے بھی خوب تاڑ گئے تھے کہ علیؑ کس عہد پر ثابت قدم ہیں اور مقابل والے کیا چاہتے ہیں۔ صحابیٔ رسولؐ حضرت ابوہریرہؓ کی طرف منسوب ہے وہ کہا کرتے تھے کہ کھانا امیرِ شام کے دسترخوان پر خوب پُرلطف ہوتا ہے لیکن نماز حضرت علیؑ کی اقتداء میں دُرست ہوتی ہے۔ گویا دبی زبان میں یہ کلمات اس امر کا اعتراف ہیں کہ اُن کی حکومت صرف شکم پُری اور عیشِ نفسی کا پیش خیمہ ہے اور اس طرف خُدا و رسولؐ کی اطاعت اور عہدہ امامت کی پاسداری حکومت و

خلافت کا مطمحِ نظر ہے اور اسی عہد کے ہر دو پہلوؤں کی رعایت حضرت امیرؑ کے بعد حضرت امام حسنؑ نے صلح کے رنگ میں اس طرح کی جس طرح کرنے کا حق تھا۔ کیونکہ وقتی تقاضے کے ماتحت بغیر صلح کے عہدۂ امامت کے فرائض کی پاسداری نہایت مشکل تھی جیسے امام حسن علیہ السلام خود ہی سمجھ رہے تھے اور ان کے بعد حضرت امام حسینؑ نے حقوق اللہ اور حقوق رعایا کی ادائیگی کا تو وہ منظر پیش فرمایا کہ رہتی دنیا تک اس کے نقوش صحیفۂ عالم کے تاریخی اوراق پر ثبت رہیں گے اور پھر یکے بعد دیگرے ہر امام معصوم نے اس عہدہ کے فرائض کو ہر دو پہلوؤں کے لحاظ سے اس طرح نبھایا جس طرح اس کے نبھانے کا حق تھا۔

نتیجہ بحث

مثالِ سابق سے خوب واضح ہو گیا ہے کہ جس طرح مملکت ظاہریہ میں سلطانی احکام و اوامر کا خطاب اگرچہ تمام رعایا کی طرف ہوتا ہے خواہ عہدہ دار ہوں یا ماتحت رعایا لیکن عہدہ دار اور ذمہ دار افراد اسی قسم کے اوامر سے بالخصوص مراد ہوا کرتے ہیں کیونکہ ان کے فرائض اس سلسلہ میں دوہرے ہو جاتے ہیں ایک خود عمل کرنا اور دوسرے رعایا پر ان کو واضح کرنا اور ان کو عمل کی تلقین کرنا اور پھر نگرانی کرنا۔ اسی طرح خدائی اوامر میں جہاں کہیں اصلاحِ امت کے لئے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب سے تمام اہل ایمان کو خطاب کیا گیا ہے۔ وہاں اگرچہ یہ خطاب تمام امتِ اسلامیہ کے افراد پر بالعموم حاوی ہے لیکن نظام اسلامی کے قیام کے لئے جو خدائی عہدہ دار تھے۔ یہی خطاب ان کے لئے خصوصی حیثیت کا حامل تھا کیونکہ ان کی ذمہ داریاں دوہری تھیں۔ پس یہ حدیث اپنے مقام پر بالکل صحیح اور قرین واقع ہے کہ جہاں کہیں قرآن مجید میں یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وارد ہے حضرت علیؑ اس کے امیر و رئیس ہیں۔ اور آپ کے بعد بلا شک و شبہ قائم آلِ محمدؐ تک تمام آئمہ اسی حدیث کے رُو سے ان خطابات میں امیر و رئیس کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ جس طرح تعلیماتِ اسلامیہ تا قیامت ناقابلِ تنسیخ ہونے کی حیثیت سے ہر بعد والے دَور کے لئے مفید اور ضروری ہیں کیونکہ خطاباتِ قرآنیہ تا قیامت زندہ حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح رسالتمآبؐ کے حقیقی جانشین جو معلمِ قرآن و محافظ شریعت ہیں۔ انہی خطابات میں رئیس و امیر کی حیثیت رکھتے ہیں جیسا کہ اسی معنی کی معصوم کی ایک فرمائش نقل کی جا چکی ہے اور جس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس جگہ آیتِ مجیدہ میں عقود سے مراد وہ عہود ہیں جو جناب رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کی خلافت کے متعلق امت سے لئے تھے تو اس کا مطلب بھی صاف ہو گیا کہ رعایا کے لئے اوامر سلطانیہ کی اطاعت کا اس وقت کچھ وقار ہوگا۔ جب وہ سلطان کی جانب سے معینہ عہدہ داروں کی اطاعت کا عہد کریں۔ اور اس کی وفا بھی کریں اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ سلطان کی طرف سے معین کردہ عہدہ داروں و افسروں کی اطاعت سلطان کی اطاعت سمجھی جاتی ہے اور ان کی اطاعت سے گریز کرنا سلطانِ وقت کی نافرمانی متصور ہوتی ہے کوئی شخص قوانینِ مملکت کا ہزار ہی احترام کیوں نہ کرتا ہو۔ جب تک اپنے افسرانِ بالا کا اطاعت گزار و وفادار نہ ہو صرف قوانین سلطانی کا احترام

اسے سلطان کا اطاعت گذار نہیں کہلا سکتا بلکہ ایسا شخص بجائے تعریف کے مذمت کا اہل ہوتا ہے اور بجائے جزاء و انعام کے سزا و عقاب کا زیادہ مستحق قرار دیا جاتا ہے۔ اسی بنار پر آیت مجیدہ میں اگرچہ تمام عہود کی ایفار کا حکم ہے لیکن چونکہ نظامِ قرآنی کو برقرار رکھنے کے لئے خداوندکریم کی جانب سے جن لوگوں کو بطور سربراہ حکومت اسلامیہ کے نامزد کیا گیا ہے۔ ان کی اطاعت کا عہد اور اس سے وفاداری تمام اسلامیانِ عالم کا سب سے اہم اور ضروری فریضہ ہے کیونکہ باقی جملہ قوانین شرعیہ اور احکامِ اسلامیہ پر عمل درآمد اس کی فرعی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ ضروری امر ہے کہ جہاں متعدد قوانین و ضوابط کی پاسداری کا حکم ہو تو ان میں سے جن قوانین و ضوابط کو اصولی حیثیت حاصل ہوگی وُہ بہ نسبت فروعی امور کے خاص اہمیت کے ساتھ معرضِ توجہ ہوں گے بلکہ حاکم کی نگاہ بالذات اصولی نکات پر ہی ہوا کرتی ہے۔ اسی بنار پر شریعتِ اسلامیہ کے قواعد و ضوابط و جملہ عہود میں سے ولایتِ امیر علیہ السّلام اور اُن کی اطاعت کا عہد چونکہ اصولی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ جناب رسالتمآبؐ کے بعد وُہ نظامِ اسلامی کے لئے سربراہ کی حیثیت سے ہیں۔ لہٰذا ایفائے عہد کے امر میں ارشادِ خداوندی کا مقصودِ اوّلی حضرت علیؑ کے عہدِ خلافت کی وفاداری کا حکم ہے اور اس کے بعد جملہ قوانینِ اسلامیہ کی پاسداری فروعی طور پر خود بخود اس کے ضمن میں داخل ہے۔ علمائے اہلسنت مثلاً طبرانی و سیوطی و احمد بن حنبل و دیگر علماء کا یہ نقل کرنا کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا نازل ہوا ہے اس کے امیر و شریف یا رئیس و قائد حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں۔ اُن کا یہ اعتراف اس امر کی نص ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ کے بعد حضرت علیؑ ہی اُن کے صحیح جانشین اور مملکتِ اسلامیہ کے خُدا کی جانب سے سربراہ اور حاکم اعلیٰ ہیں۔ سربراہ حکومتِ الٰہیہ کے لئے جن اوصاف کا ہونا ضروری ہے اس کے متعلق تفسیر کی چوتھی جلد میں صلا۱۹۱ تا صلا۱۹۲ پر کافی لکھا جا چکا ہے جن کا جامع صرف ایک کلمہ ہے اور وہ یہ کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پاسداری میں تمام اُمت سے ممتاز ہو اور اس سلسلہ میں علیؑ اور اولاد علیؑ جو آئمہ ہیں کی سیرت کا مطالعہ کرنے والا خود ہی اپنے مقام پر فیصلہ کر سکتا ہے کہ تمام اکابرِ اُمت کو فرداً فرداً تو بجائے خود مجموعی طور پر بھی ان کی صفتِ کمالیہ کے مقابلہ کی تاب نہیں کیونکہ جن کی ایک ضربت جن و انس کی تمام عبادتوں سے افضل ہو ان کے تمام جہادوں کی شان کا کون اندازہ کر سکتا ہے جن کا ایک سجدہ جو انتہائی کرب و بے چینی کے عالم میں اطمینان و سکون اور خشوع و خضوع کا ایسا مرقع ہو کہ ارواحِ انبیاء اور ملائکہ تک اس کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکیں جس کی نیاز جبین نے تپتی ہوئی ریتی پر کفر و استبداد کے اُبھرتے ہوئے ناز توڑ دیئے اور پوری کائنات میں سجدہ اور ساجدین عبادت اور عابدین بلکہ معرفت و عارفین کے دِل ہلا دیئے اور قیامت تک کیلئے بقائے اسلام کی ضمانت لے لی۔ اس کے شؤونِ زندگی کے دوسرے شعبوں کے متعلق انسان کیا ذکر کر سکتا ہے؟ پس یہی ذواتِ مقدسہ ہیں جن کی عبادت عبادت کی لاج اور تقوےٰ تقوےٰ کا وقار ہے ان کے علاوہ اور کس کی مجال ہے کہ حکومتِ الٰہیہ کے فرائض کا بوجھ اُٹھا سکے یا اُن کی

پاسداری سے حتمی طور پر عہدہ برآ ہو سکے؟ یہ اور بات ہے کہ اقتدار کی بھوکی دُنیا نے انہیں اپنے راستہ سے ہٹانے کے لئے اُن کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا اور ان کے قدر و منزلت کو گھٹانے کی کوشش کی اور مہلت نہ دی کہ یہ اپنے عہدہ کے پیشِ نظر نظامِ خداوندی کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے کر عالم کو گہوارۂ امن وسکون بنائیں جو انسانیت کا فرضِ اولیٰ ہے پس جس طرح خدا کو خدا نہ تسلیم کرنا اس کی خدائی میں نقص کا موجب نہیں اسی طرح ان کو بھی امام وحجت نہ ماننا ان کی امامت میں مخل نہیں چونکہ دینِ خدا کی اطاعت میں جبر و اکراہ کو دخل نہیں ہے کہ فرماتا ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ تاکہ بروز قیامت سزا وجزا کا محل صحیح ہو بلکہ ہر انسان کو اختیار حاصل ہے کہ خواہ اعمالِ صالحہ سے جنّت کی راہ لے یا بداعمالی سے جہنّم کو پسند کرے اور جس طرح خدا نے فرعون و نمرود و شدّاد وغیرہ کے لئے اپنی قدرت کو استعمال نہیں فرمایا اسی طرح خدائی عہدہ داروں نے بھی تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ کا نمونہ پیش کر کے صبر وضبط سے کام لیا۔ لہٰذا جس طرح خدا اپنے مقام پر خدا ہے اسی طرح خدائی عہدہ دار بھی اپنے مقام پر عہدہ دار ہیں اور خلقِ خدا پر حجت ہیں۔ ظاہری حکومتوں میں بعض اوقات حکومت و ملک کے غدّار لوگ اقتدار حاصل کر کے سربراہِ مملکت بن جایا کرتے ہیں اور ان کے خود ساختہ قوانین وضوابط بنتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں۔ ان کی ترمیم یا تنسیخ ہوتی رہتی ہے۔ کیونکہ یہاں معیارِ حکومت ہے صرف اقتدار کا حصول لیکن حکومتِ الٰہیہ میں اللہ کی جانب سے ایک معیار مقرر ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ صرف انہی کو ہی نامزد فرماتا ہے جن کو اس نے اس کی اہلیت تفویض فرمائی ہو اور اسی معیار پر فائز ہوں پس یہ نظریہ قطعاً قابلِ قبول نہیں ہو سکتا کہ جس کے متعلق مل جل کر فیصلہ کر لیا جائے کہ فلاں شخص معیارِ حکومتِ الٰہیہ کا اہل ہے پس وہ اللہ کے نزدیک بھی اہل قرار دیا جائے اور یہ محکم اور پکی بات ہے کہ جو شخص کسی وقت بھی حکومتِ الٰہیہ کا غدّار رہا ہو وہ بعد میں کتنا ہی صالح اور نیک ہو جائے مسلمان ہوگا۔ مومن ہوگا جنّتی ہوگا لیکن ناممکن ہے کہ وہ خدا کی جانب سے عہدہ دار حکومت اسلامیہ بھی ہو جائے۔ اسی بنا پر تو جب حضرت خلیل اللہ نے اپنی اولاد کے لئے عہدہ امامت طلب کیا تھا تو جواب ملا تھا کہ ظالموں تک میرا یہ عہد نہیں پہنچ سکتا یعنی جو کسی وقت ظالم رہا ہو وہ میری طرف سے عہدۂ امامت کے ہرگز قابل نہیں ہوا کرتا۔ ہاں ہاں یہ خیال رہے کہ بن جانا اور بات ہے اور ہونا اور بات ہے۔

پس یہ بات صاف ہو گئی کہ آیتِ مجیدہ میں تمام اہلِ ایمان کو جن عہود کی ایفا کا حکم دیا گیا ہے۔ اس خطاب کے راس و رئیس حضرت علی علیہ السلام اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے آئمہ طاہرینؑ ہیں اور باقی اُمّت پر جملہ عہود کی پاسداری سے زیادہ اہم اور ضروری حضرت علیؑ اور ان کی اولاد امجاد کی اطاعت کے عہد کی پاسداری ہے۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب سے مومنوں کو تنبیہہ بھی کی گئی ہے اور سرزنش بھی۔ جس طرح ایک مقام پر فرماتا ہے۔ اے ایمان والو تم نبی کی آواز سے اپنی آواز

بلند نہ کیا کرو جس طرح آپس کے باہمی مکالمات میں کرتے رہتے ہو ورنہ تمہارے اعمال حبط ہو جائیں گے۔ درحالیکہ تم ملتفت بھی نہ ہو گے۔ ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے اے ایمان والو ایسی باتیں کیوں کرتے ہو جن پر تمہارا عمل نہیں ہوتا۔ تو اگر حضرت علیؑ اس قسم کی آیات و خطابات میں راس و رئیس ہیں تو ان تہدیدی پیغامات میں ان کی پوزیشن کیا ہو گی۔ تو اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ سلطانِ وقت کے وہ پیغامات جن میں رعایا کو قانون شکنی یا غلط کاری سے روکا جاتا ہے وہ حکومت کے فرض شناس عہدہ داروں کی طرف قطعاً متوجہ نہیں ہوا کرتے بلکہ عہدہ دارانِ حکومت اس قسم کے تہدیدی پیغامات کو رعایا تک پہنچانے کے لئے سلطانِ وقت کی طرف سے وکالت کا عہدہ انجام دیتے ہیں۔ پس محمدؐ و آلِ محمدؐ اس قسم کے قرآنی تہدیدی پیغامات میں ذاتِ واجب الوجود کی جانب سے وکلاء کی حیثیت سے ہیں اور ان کا عہدہ ہے مسلمانوں کو ان کی خلاف ورزی سے روکنا ہاں وہ خطابات جن میں خالق نے اپنی اطاعت یا دوسرے ایسے امور کی طرف دعوت دی جن کا تعلق عوام و خواص سب سے یکساں ہے تو محمدؐ و آلِ محمدؐ ان کے مقصودِ اصلی اور راس و رئیس ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مَامِنْ عَامٍ اِلَّا وَقَدْ خُصَّ علمائے اصول کے مابین ایک قاعدہ مسلمہ ہے کہ کوئی عام ایسا نہیں جس میں تخصیص نہ ہو۔ پس اگرچہ ظاہری طور پر یہاں بھی عموم ہے کہ جہاں کہیں بھی قرآن مجید میں یَآیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وارد ہے حضرت علیؑ اس کے رئیس و امیر و قائد ہیں لیکن یہ کلیہ بھی تخصیص پذیر ہے اور وہ یہ کہ تہدیدی اور سرزنش کے خطابات کے علاوہ جہاں بھی قرآن میں یہ خطاب وارد ہے حضرت علیؑ اس کے رئیس و قائد ہیں۔ چنانچہ انہی منقولہ روایات کے آخری جملے اس امر کی تائید مزید کر رہے ہیں کہ ابنِ عباس فرماتے ہیں قرآن مجید میں جس جگہ بھی یَآیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اترا ہے حضرت علیؑ اس کے شریف و امیر ہیں اور خداوندِ کریم نے جنابِ رسالتمآبؐ کے صحابہ کو کئی دفعہ جھڑکا ہے لیکن حضرت علیؑ کا جہاں بھی ذکر فرمایا ذکرِ خیر ہی فرمایا یعنی علیؑ کی مدح و ثنا ہی فرمائی۔

تیسرا جواب تہدید و سرزنش کے خطابات انہی کی طرف عائد ہوتے ہیں جو غلط کار ہوں لیکن جن سے غلط کاری کا وجود اصلاً ناپید ہو اور خطاب کرنے والا جانتا ہو کہ فلاں غلط کار نہیں تو عقل و انصاف کے منافی ہے۔ کہ وہ تہدیدی خطاب کی زد میں آئے۔ مثلاً سکول میں ایک ہی کلاس کے لڑکوں میں چند لڑکے ہنس رہے ہوں یا کھیل کود میں وقت ضائع کر رہے ہوں تو استاد پوری جماعت کو خطاب کر کے کہہ دیا کرتا ہے کہ لڑکو! خبردار ہنسو نہیں۔ وقت ضائع مت کرو۔ شرارتیں نہ کرو ورنہ میں سزا دوں گا تو ایک کھلی ہوئی واضح اور غیر مبہم حقیقت ہے کہ اس خطاب تہدیدی میں وہ لڑکے مخاطب ہیں جو آدابِ تعلیم کی خلاف ورزی کے مرتکب ہیں اگر سزا تک نوبت پہنچ جائے تو انہی تک ہی محدود رہے گی۔ لیکن جو لڑکے شریفانہ طور پر اپنے کام میں مشغول ہوں گے، نہ وہ مخاطب ہوں گے اور نہ قابلِ سزا ہوں گے۔ بشرطیکہ استاد عادل اور منصف مزاج ہو اور جن کی شرافت و محنت و دیانت کا استاد خود معترف ہو تو ناممکن ہے کہ پھر ایسے خطابات کے ساتھ ان کو تہدید کرے۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ وہ شخصیتیں ہیں۔ جن سے خطاکاری ناممکن ہے

بلکہ ہر وہ صفت جو کمالِ انسانی کے منافی ہو وُہ ان سے پاک و منزہ ہیں اور خود خلاقِ عالم نے آیتِ تطہیر بھیج کر ان کی اخلاقِ ناشائستہ و صفاتِ رذیلہ سے پاکیزگی کا غیر مبہم الفاظ میں اعلان فرما دیا ہے پھر کیسے ممکن ہے کہ ان کو غلط کاروں کے زمرہ میں داخل کر کے ان کو تہدیدی خطابات میں شامل کرے۔

حلال جانور

بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ :- تفسیر مجمع البیان سے منقول ہے کہ بہیمہ ہر چوپائے کو کہتے ہیں خواہ بری ہو یا بحری ہو۔ اور تفسیر رازی میں ہے کہ ہر وہ جانور جو عقل سے خالی ہو، اُسے بہیمہ کہتے ہیں اور انعام جمع ہے نعم کی اور یہ لفظ اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ، بکری کی جنسوں پر بولی جاتی ہے اور اس مقام پر بہیمۃ الانعام سے کیا مراد ہے اس میں علمائے اسلام کے تین قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تینوں قسموں کے مذکورہ اہلی جانور ہیں۔ ۱۔ اونٹ ۲۔ گائے، بھینس ۳۔ بھیڑ بکری۔ گویا بہیمہ اور انعام سے مراد ایک ہی چیز ہے اور ایک کی دوسرے کی طرف اضافت صرف تاکید یا بیان کے لئے ہے۔

دوسرا قول یہ کہ اس سے مراد وحشی جانور ہیں۔ یعنی ہرن، بارہ سنگا، بزکوہی، نیل گائے اور گاؤ خر وغیرہ اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وُہ بچے ہیں جو ذبح شدہ حیوان کے شکم میں سے نکلیں اور ماں کی ذبح سے اُن کی موت واقع ہوئی ہو۔ پس وُہ حلال ہیں اور اگر ماں کے شکم سے زندہ نکلیں تو پھر بغیر علیحدہ تکبیر و ذبح کے حلال نہ ہوں گے چنانچہ آئمہ اہلبیت علیہم السلام سے اسی تیسرے قول کی تائید میں احادیث بکثرت وارد ہیں، اور آیت مجیدہ کا عام معنی پر حمل کرنا بہتر ہے تاکہ ہر سہ اقوال اس میں داخل ہو جائیں۔ گویا مقصد یہ ہُوا کہ اونٹ، گائے، بھینس اور بھیڑ بکری کی ہر سہ اجناس خواہ اہلی ہوں خواہ جنگلی یہ سب حلال ہیں اور ان میں سے کسی مادہ کے پیٹ میں اسی ذباحت کے اثر سے اس کا بچہ مر جائے تو وہ بھی حلال ہے پس چوپاؤں میں سے جو حیوان ان اصناف میں داخل نہ ہو وُہ حلال نہیں چنانچہ تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے ہاتھی، ریچھ، بندر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ جانور بہیمۃ الانعام میں داخل نہیں جن کا گوشت حلال ہے تو معلوم ہوا کہ جو چوپائے مذکورہ بالا صنفوں میں داخل نہیں وُہ تو قطعی طور پر حرام ہیں۔ لیکن جو چوپائے ان میں داخل ہیں۔ ان میں سے بھی بعض افراد حرام ہیں جو بعد میں بیان ہوں گے جن کے متعلق ارشاد فرما رہا ہے کہ:-

اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ :- یعنی سوائے ان کے جو تم پر بیان کئے جائیں گے اور وہ ہیں موقوذہ متردیہ نطیحہ اور درندے کی پھاڑی ہوئی اور بتوں کی نذر ہوئی اور اللہ کے نام لئے بغیر ذبح کی ہوئی وغیرہ۔ پس ان بیان کردہ حرام صورتوں کے علاوہ چوپائے ہر سہ قسم کے تم پر حلال ہیں۔ خواہ اہلی ہوں یا وحشی اس کے بعد ایک قید اور بڑھا دی۔

غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ :- یعنی حالتِ احرام خواہ حج کا ہو یا عمرہ کا اسمیں شکار کرنا حرام ہے پس ہر قسم کے حلال حیوانوں میں سے حالتِ احرام کا شکار شدہ جانور بھی خارج ہے۔ ان مسائل کی تفصیل تفسیر کی تیسری

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ
اے ایمان والو! نہ حد شکنی کرو شعائر اللہ کی اور نہ حرمت والے مہینے کی
وَلَا الْهَدْیَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ
اور نہ قربانی کی اور نہ قلادہ ڈالے ہوئے جانوروں کی اور نہ بیت الحرام کے قاصدین کی جو چاہتے ہوں

جلد میں قدرے بیان کی جاچکی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ :۔ چونکہ بعض کج مزاج ہر بات پر کیوں کرنے کے عادی ہوتے ہیں اس مقام پر وہ کہتے کہ فلاں جانور کیوں حلال اور کیوں حرام، اس کیوں کیوں کا تفصیلی حل اور حقائق و دقائق پر سیر حاصل تبصرہ چونکہ وقت طلب بلکہ متوسط عقول کی سطح سے بلند تھا اس لئے اس چون وچرا کا ناطقہ یہی نقرہ کہہ کر بند کردیا کہ اللہ جو چاہتا ہے سو حکم دیتا ہے اور چونکہ وہ وہی کچھ چاہتا ہے جو مطابق مصلحت ہوتا ہے پس اس کا حکم خالی از مصلحت نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ جن جن حیوانوں کو اُس نے حلال بتایا اسمیں مصلحت حلیت کی تھی اور جن کو حرام قرار دیا اسمیں مصلحت حرمت موجود تھی

شَعَآئِرَ اللّٰهِ :۔ مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ یہ شعیرہ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے علامتیں۔ مراد یہ ہے کہ خداوند کریم نے اپنے دین مبین اور شرع متین کے جو نشان و علائم قائم فرمائے ہیں ان کو قائم رکھو۔ بعض علماء نے شعائر اللہ سے اس مقام پر صرف مناسک حج مراد لئے ہیں اور بعض اس کو تمام شؤون اسلامیہ پر مشتمل جانتے ہیں اور شعائر اللہ کے بعد شہر حرام اور ھدی و قلائد وغیرہ کا ذکر تخصیص بعد تعمیم ہے یعنی بعض افراد کو عمومی حکم کے بعد خصوصیت سے بیان کیا جاتا ہے تاکہ ماموربہ کے باقی افراد میں سے ان کی اہمیت ذہن نشین کرائی جائے۔ پس یہاں بھی ایسا کیا گیا ہے اور شعائر کی اللہ کی طرف نسبت ہی تمام علائم اسلامیہ خواہ از قبیل اوامر ہوں یا از قبیل نواہی ہوں۔ کی عظمت پر دلالت کے لئے کافی ہے کیونکہ حاکم جس چیز کی نسبت اپنی طرف دے دے تو رعایا کے ذہن میں فطرتاً ہی اس چیز کی اہمیت جگہ کر لیا کرتی ہے۔ اس مقام پر لَا تُحِلُّوْا سے مراد ہے ان کی خلاف ورزی نہ کرو اور حد شکنی نہ کرو یعنی اگر وہ باتیں از قبیل اوامر ہیں تو ان کو ترک نہ کرو اور اگر از قبیل نواہی ہیں تو ان کا ارتکاب نہ کرو۔

وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ :۔ یعنی حرمت والا مہینہ الف و لام کو جنس یا استغراق کا قرار دیا جائے تاکہ چاروں حرمت والے مہینے اس میں داخل ہوجائیں اور وہ یہ ہیں۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ محرم اور رجب اور الف و لام کو عہد کا قرار دیا جائے تو مراد ماہ ذوالحجہ ہوگا لیکن عموم پر حمل کرنا زیادہ موزوں ہے واللہ اعلم۔ یعنی حرمت والے مہینوں کی حرمت ضائع نہ کرو۔

وَلَا الْهَدْیَ :۔ ھدی سے مراد وہ قربانی ہے جو حاجی لوگ بیت اللہ کی طرف اپنے ساتھ لے چلیں اور

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۚ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۚ

فضل اپنے پروردگار سے اور خوشنودی اور جب احرام کھولو تو شکار کرو

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اور نہ آمادہ کرے تم کو دشمنی ایک قوم کی جنہوں نے روکا تمہیں مسجد الحرام سے کہ تم بھی حد سے

أَنْ تَعْتَدُوا ۘ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى

تجاوز کرو اور ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور پرہیزگاری پر اور نہ ایک دوسرے کی مدد کرو

الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾

کارِ بد اور سرکشی پر اور اللہ سے ڈرو تحقیق اللہ سخت سزا دینے والا ہے

قلائد جمع ہے قلادہ کی اس کا معنی ہے وہ چیز جو قربانی کے گلے میں ڈالی جائے تاکہ دیکھنے والا سمجھ لے کہ یہ جانور بیت اللہ کی طرف قربانی کے لئے لے جایا جارہا ہے لیکن یہاں وہی جانور مراد ہیں جن کے گلے میں قلادہ ڈالا گیا ہو۔ مقصد یہ ہے کہ حج کی ہر قربانی خواہ ان کی گردن میں قلادہ ہو یا نہ ہو ان کو حلال نہ سمجھو یعنی ان کے بارے میں قانونِ خداوندی کی حد شکنی نہ کرو۔

وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الخ أَمَّ يَؤُمُّ ۔ کے باب سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے یعنی بیت اللہ کا قصد کرنے والے جو مناسکِ حج ادا کرکے اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کرنے کے لئے جاتے ہیں ان کو حلال نہ سمجھو یعنی ان کو اذیت نہ دو اور ان کا مال و متاع غصب نہ کرو۔ لوامع التنزیل میں ابنِ عباس سے مروی ہے کہ مشرکین بھی حج کیا کرتے تھے اور مشاعر کی پوری تعظیم کرتے تھے۔ اب مسلمانوں نے چاہا کہ ان پر حملہ کرکے ان کا مال لوٹ لیں تو خداوند کریم نے اس آیتِ مجیدہ کے ذریعہ سے ان کو منع فرمایا۔

وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۔ حج کا طواف باندھ لینے کے بعد بہت سی چیزیں حاجی پر حرام ہو جاتی ہیں۔ جو تفسیر کی تیسری جلد میں مفصلاً بیان کی جا چکی ہیں۔ ان میں ایک بری جانور کا شکار بھی ہے۔ اب اسی کے متعلق فرماتا ہے۔ کہ جب مناسک حج پورے ہو جائیں اور احرام ختم ہو جائے تو بے شک اب تم کو شکار کی اجازت ہے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ :۔ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر چونکہ کفارِ قریش نے مسلمانوں کو بیت الحرام تک پہنچنے سے روک دیا تھا۔ اب جو مسلمانوں نے مکہ فتح کر لیا تو ان کے دل میں سابق کینہ کی بنا پر یہ بات تھی کہ مشرکین سے سال گزشتہ کا انتقام لیا جائے پس خداوند کریم نے ان کو اس فعلِ قبیح سے روک دیا کہ وہ قوم جنہوں نے تم کو حدیبیہ کے سال مسجد الحرام سے

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ

تم پر حرام کیا گیا مُردہ اور خون اور سور کا گوشت اور وہ (جانور) کہ نام لیا گیا

لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ

اللہ کے غیر کا اس پر اور جس کا گلہ گھونٹا جائے اور جو کسی صدمہ سے مر جائے اور جو اوپر سے گر کر مر جائے۔

روکا تھا ان کی دُشمنی تم کو اس امر پر آمادہ نہ کرے کہ تم بھی حد سے تجاوز کرنے لگو۔ مروی ہے کہ فتح مکہ کے سال حاجی مسلمانوں کی ایک جماعت نے ایک مومن کو قتل کر ڈالا۔ جو کہ ابوسفیان کا حلیف تھا اور وجہ یہ بیان کی کہ ابوسفیان نے حضرت رسالتمآبؐ کے حلیفوں کو قتل کیا ہوا ہے۔ جب حضورؐ کو علم ہوا تو فرمایا خدا کی لعنت اُس شخص پر جو زمانِ جاہلیت کے کینہ کے پیشِ نظر اب انتقام لے اور فرمایا کہ زمانِ جاہلیت کا ہر خون و مال میرے قدموں کے نیچے ہے یعنی اس کا بدلہ نہیں لیا جا سکتا اور زمانِ جاہلیت کا معیارِ شرف بھی میرے قدموں کے نیچے ہے سوائے تولیتِ کعبہ اور حاجیوں کی سقایت کے کہ یہ دونوں شرف اب بھی رہیں گے۔

حرام جانور حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ :- پہلے ارشاد فرمایا کہ تم پر چوپائے حیوان حلال ہیں اور چونکہ انہی حلال جانوروں میں بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں وہ حرام ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے وہاں فرمایا تھا کہ چوپائے تم پر حلال ہیں۔ لیکن بعض صورتوں میں حرام ہو جاتے ہیں جو بعد میں بیان کی جائیں گی۔ پس اس کا مقصد یہ ہوا کہ جس جانور کو بہیمۃ الانعام نہیں کہا جاتا۔ وہ تو سب کے سب حرام ہیں اور اس میں کتا اور سور اور جملہ درندے اور حرام جانور سب داخل ہیں۔ جیسے ایک روایت میں گذرا ہے کہ ہاتھی، ریچھ اور بندر کے متعلق حضرت امیرؑ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ جانور بہیمۃ الانعام میں داخل نہیں ہیں۔ پس حرام ہیں اور جو اس لفظ میں داخل ہیں وہ تین قسم کے ہیں۔ اونٹ، گائے، بھینس اور بھیڑ بکری خواہ اہلی ہوں یا جنگلی پس شتر مرغ، نیل گائے، گورخر، ہرن، بارا سنگا، پہاڑی مینڈھا بکرا وغیرہ سب داخل ہیں اور یہ سب کے سب حلال ہیں۔ سوائے بعض صورتوں کے ایک تو حالتِ احرام میں ان جنگلی جانوروں کا شکار وقتی طور پر حرام ہوتا ہے اور اس حالت میں محرم کے ہاتھ کا ہر شکاری جانور کا ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے نہ وُہ اس کے لئے حلال اور نہ کسی اور کے لئے حلال ہوتا ہے۔ اس مقام پر ان صورتوں کی تفصیل ہے۔ جن میں وہی حلال جانور حرام ہو جاتے ہیں۔

(۱) میتہ یعنی جو حیوان از خود مر جائے (۲) دم یعنی خون ہر جانور کا حرام ہے اس کا گوشت حرام ہو یا نہ ہو (۳) سور کا گوشت۔ یہ شق بہیمۃ الانعام میں داخل نہیں۔ لہٰذا اس کی حرمت ہر اس جانور کی طرح ہے جو اس لفظ سے باہر ہیں۔ لیکن چونکہ بعض قوموں میں ان کے کھانے کا عام رواج تھا اور ان کو کھانے کے لئے پالا کرتے تھے پس اس مقام پر

وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۖ وَمَا ذُبِحَ عَلَى

اور جسے دوسرا جانور سینگ یا ٹکر مارے اور مر جائے اور جسے درندے کھا جائیں ہاں مگر ان میں سے جس کا تزکیہ

النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۚ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ۗ

کرلو اور جو بتوں کے لئے ذبح کیا جائے اور یہ کہ جوئے کے تیروں سے تقسیم کرو۔ یہ فسق ہے

اس کو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرما دیا تاکہ کوئی اس کی حلیت کا شبہ تک پیدا نہ کر سکے اور یہی وجہ ہے کہ سور کے گوشت کا ذکر فرمایا اور کتے کا ذکر نہ کیا ورنہ بلفظ بہیمۃ الانعام سے دونوں خارج اور باقی درندوں کی طرح دونوں حرام ہیں۔ (۴) وہ جانور جس کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا جائے بلکہ کسی اور کے نام سے اسے ذبح کیا جائے۔ (۵) وہ جانور جس کا گلہ گھونٹنے سے اس کی موت واقع ہو خواہ اس کا سبب کوئی بھی ہو آلۂ شکار کی وجہ سے یا کہیں پھنس جانے سے یا مالک کی بداحتیاطی سے ہو۔ ہر صورت میں اس کا گوشت کھانا حرام ہو جاتا ہے (۶) جس حیوان کو مارا جائے اور وہ اس کی تاب نہ لا کر جان توڑ دے پس وہ حرام ہو جاتا ہے (۷) متردیہ، جو جانور کسی اونچی جگہ سے گر کر مر جائے (۸) ایک حیوان دوسرے حیوان کو سینگ یا ٹکر بار بار کر یا اپنے پاؤں میں روند کر اسے ختم کر دے وہ بھی حرام ہے اور نطیحہ سے یہی مراد ہے (۹) جس حیوان کو درندے کھا جائیں لیکن اگر حیوان کی موت واقع ہونے سے قبل اسے صحیح طور پر ذبح کیا جائے تو اس کا کھانا حلال ہوگا (۱۰) وہ حیوان جو نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا جائے لوامع التنزیل میں ابن جریج سے منقول ہے کہ کعبہ کے اردگرد تین سو ساٹھ پتھر نصب تھے اور مشرکین مکہ کا دستور تھا کہ ان میں سے ایک پتھر کے سامنے حیوان کو ذبح کر کے اس پتھر پر اس کا خون مل دیتے تھے اور گوشت کو اسی پتھر پر خشک کرتے تھے اور اسے باعث برکت سمجھتے تھے۔ جب اسلام کا دور آیا تو مسلمانوں نے حضرت رسالتمآبؐ سے درخواست کی کہ ہمیں اجازت ہو تو حیوان کو ذبح کر کے کعبہ کی دیواروں پر اس کا خون مل دیں حضورؐ خاموش ہو گئے پس آیت اتری۔ لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ الخ کہ ان قربانیوں کے خون اور گوشت اللہ کو نہیں پہنچتے بلکہ وہاں تک رسائی تمہارے تقویٰ کے لئے ہی ہے (۱۱) تفسیر برہان میں امام رضا علیہ السلام سے ایک طویل روایت کے ذیل میں مروی ہے کہ زمانِ جاہلیت کا دستور ہے کہ دس آدمی مل کر ایک اونٹ خرید لیتے تھے اور ان کے پاس جوئے کے دس تیر تھے جن میں سے سات تیر سعد اور تین تیر نحس شمار کئے جاتے تھے۔ وہ سات تیر جو سعد تھے ان کے نام یہ تھے۔ فذ۔ توام۔ نافس۔ حلس۔ مسبل۔ معلی۔ رقیب اور تین نحس تیروں کے نام یہ تھے۔ سفیح، منیح وغد۔ پس ایک امین کے ذریعہ سے یہ دس تیر ان دس حصہ داروں میں تقسیم ہوتے تھے اور جن تین آدمیوں کے نام تین نحس تیر نکلتے تھے پورے اونٹ کی قیمت انہیں کو ادا کرنی پڑتی تھی اور اونٹ کا گوشت باقی سات حصہ داروں پر تقسیم ہوتا تھا۔ جن کے نام سعد تیر نکلتے تھے اور یہ جوئے کی ایک قسم تھی۔

خداوندکریم اس طریق پر حاصل کردہ گوشت کو حرام فرمارہا ہے۔ تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت میں منقول ہے کہ مجوسی لوگ ذبح شدہ جانور نہیں کھاتے تھے بلکہ جب گوشت کھانے کو دل چاہتا تھا تو ایک حیوان کو پکڑ کر اس کا گلہ دبا دیتے تھے یا اسے باندھ کر پتھروں اور لاٹھیوں سے مارتے تھے یا اس کی آنکھیں باندھ کر کسی بلند مقام سے اس کو گراتے تھے اور ان طریقوں سے جب حیوان مرجاتا تھا تو اس کا گوشت کھاتے تھے۔ نیز یہ طریقہ بھی تھا کہ دو حیوانوں کو لڑا دیتے تھے جب ان میں سے کمزور حیوان مرجاتا تھا تو اس کا گوشت کھاتے تھے۔ اسی طرح درندوں کا قتل شدہ حیوان بھی کھالیا کرتے تھے اور ان سب صورتوں کو خدا نے حرام قرار دیا ہے۔

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ :۔ یعنی مجوسی لوگ اپنے آتش کدوں کے لئے ذبح کرتے تھے اور قریش جو درختوں اور پتھروں کے پجاری تھے وہ ان کے لئے ذبح کرتے تھے پس خدا نے اس قسم کے ذبائح کو حرام قرار دیا۔ الحدیث۔ اور امام محمد باقر علیہ السلام سے اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ کی تفسیر میں منقول ہے کہ اس استثنار سے پہلے جو چیزیں مذکور ہوئی۔ اگر ان میں زندگی موجود ہو مثلاً آنکھ یا پاؤں یا دم حرکت کر رہے ہوں۔ پس تکبیر پڑھ کے صحیح طور پر اسے ذبح کیا جائے تو وہ جانور حلال ہے۔ بشرطیکہ ذبح ہونے سے پہلے مر نہ چکا ہو اور اسی طرح اگر صحیح حیوان کو ذبح کیا جائے پھر کوئی صدمہ اسے پہنچے یا اونچی جگہ سے گرے تو وہ حرام نہ ہوگا۔

حلّیت و حرمت کا معیار

چونکہ عام اذہانِ اشیار کی لِم و علّت کے متلاشی ہوتے ہیں اس لئے یہاں ایک عقلی معیار بیان کیا جاتا ہے تاکہ کلیہ حرام و حلال کا معلوم ہو جائے لوامع التنزیل میں فخرالدین رازی سے منقول ہے کہ غذا چونکہ غذا کھانے والے کے مزاج و جوہر کی جزو بنتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ کھانے والے کے اخلاق و صفات میں غذا کی جنس کے اخلاق و صفات رُونما ہوں اور خنزیر کے مزاج میں چونکہ شہوات کی طرف حد درجہ کی رغبت و میلان ہوتا ہے اس لئے انسان کے لئے اس کا گوشت کھانا حرام قرار دیا گیا ہے تاکہ وہ کیفیت اس کے اندر پیدا نہ ہو جائے اور بکری ایک سلیم الطبع حیوان ہے اور بدعادات سے تقریباً مبرا ہے پس اس کا گوشت حلال کیا گیا ہے کیونکہ اس سے مزاج بگڑنے کا کوئی اندیشہ نہیں اور نہ احوالِ انسانی سے جداگانہ کسی اجنبی کیفیت کے رونما ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ تفسیر برہان میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بعض صحابہ نے دریافت کیا کہ خدا نے مُردہ خون اور سور کا گوشت کیوں حرام کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ خدا نے بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام اس لئے نہیں کیا کہ حرام چیزیں اس کو محبوب تھیں پس انسانوں کی زد سے انہیں بچا لیا اور حلال چیزیں غیر محبوب تھیں پس ان کو انسانوں کی خوراک بنا دیا۔ بات یہ ہے کہ خدا نے مخلوق کو زیورِ وجود سے آراستہ کیا تو وہ خود ہی جانتا ہے کہ کون کون سی چیز ان کے ابدان کے لئے ضروری اور فائدہ مند ہے لہذا اپنے فضل و کرم سے ان چیزوں کو ان کیلئے مباح و حلال قرار دے دیا۔ اور وُہ خود ہی جانتا ہے کہ کون کونسی چیز ان کے لئے مضر اور نقصان دہ ہے۔ لہٰذا وہ

چیزیں ان کے لئے حرام قرار دے دیں۔ ہاں بعض اضطراری حالتوں میں اس حرام میں سے صرف اسی قدر اجازت دی کہ جان بچ سکے۔ مردار کو اس لئے حرام کیا ہے کہ مردار کھانے سے جسم کمزور۔ بدن لاغر، قوت ختم اور نسل منقطع ہوجاتی ہے اور مردار کھانے والے کی موت اچانک ہی واقع ہوگی اور خون کو اس لئے حرام کیا ہے کہ یہ سخت دلی اور بے رحمی کا موجب ہوتا ہے۔ خون خوار انسان سے عین متوقع ہے کہ کسی وقت وہ اپنے بچوں یا والدین یا کسی رشتہ دار یا مخلص دوست کو قتل کردے۔ حرمتِ خنزیر اس لئے ہے کہ خداوندکریم نے کئی قوموں کو کئی شکلوں میں مسخ کیا مثلاً سور، بندر اور ریچھ یا دوسری مسخ شدہ چیزیں پس اسی قسم کی چیزوں کے کھانے سے منع فرمایا تاکہ ان سے نفع مند ہوکر ان کے عذاب کو حقیر نہ سمجھ لے اور شراب کو حرام کیا کیونکہ یہ عقل کو فاسد کرتا ہے اور فرمایا کہ شراب خور مثل بت پرست کے ہے اور یہ ارتعاش بے رونقی اور بے مردی کا موجب ہوتا ہے اور انسان کو خونریزی اور زناکاری کی دعوت دیتا ہے اور شراب خوار سے بعید نہیں کہ وہ حالتِ نشہ اور عالمِ بے شعوری میں اپنی ماں بہن سے زنا کا مرتکب ہوجائے اور شراب اپنے پینے والے کو ہر قسم کی برائی کی دعوت دیتا ہے

اقول ہے معصوم نے بطورِ مثال کے یہ اسباب بیان فرمائے ہیں۔ بہرکیف خداوندکریم نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کی حرمت میں مصلحت ہے خواہ ہم سمجھ سکیں یا نہ سمجھیں اور جن چیزوں کو اس نے حلال قرار دیا ہے اس کی حلیت میں مصلحت ہے اور ہماری عقول کا بعض چیزوں کے مصالح و مفاسد تک رسائی حاصل نہ کرسکنا اس امر کی دلیل نہیں بن سکتا کہ اس میں مصلحت ہی نہیں ہے۔

حلال حیوان کا مُردہ کیوں حرام ہے

اب رہا یہ سوال کہ یہ حلال جانور خود بخود مرجائیں تو حرام اور انسان خود ان کو ذبح کرے اور مرجائیں تو حلال یعنی خدا مارے تو حرام اور بندہ مارے تو حلال تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ ذبح کرنے میں چند شرطیں ہیں ۱۔ ذبح کرنے والا مسلمان عاقل ہو۔ ۲۔ ذبح کرنے والا اور مذبوح جانور قبلہ رُخ ہوں ۳۔ مقامِ مخصوص سے ذبح کرے یعنی باقی حیوانوں کی چار رگیں کاٹے اور اونٹ کو مخصوص طریقہ سے نحر کرے ۴۔ بوقتِ ذبح خدا کا نام لے۔ اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط عمداً ترک ہوگی تو ذبح شدہ جانور پھر بھی حرام ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ جس طرح اپنی موت مرنے سے جانور مردار اور حرام ہوجاتا ہے۔ شرائط مذکور کے بغیر انسان کے ہاتھوں مرجانے والا جانور بھی مردار اور حرام ہوجایا کرتا ہے لہذا خدا کی ماری ہوئی اور بندے کی ماری ہوئی کے درمیان فرق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ ہر حلال کے استعمال کے لئے بعض شرائط اسی کی اپنی مناسبت سے ہوا کرتی ہیں اور ان شرطوں کے بغیر وہ حلال اگرچہ حلال کہلاتا ہے لیکن استعمال حرام ہوجاتا ہے۔ مثلاً مرد عورتوں پہ حلال لیکن کیا ہر مرد و عورت ایک دوسرے پہ حلال ہیں؟ تو ایسا ہرگز نہیں بلکہ بعض شرائط کا وجود ضروری ہے جن کے ماتحت مرد و عورت ایک دوسرے پہ حلال ہوتے ہیں اور پھر حلال ہونے کے بعد ایک دوسرے کے استعمال کی اجازت

اس وقت ہوا کرتی ہے جب طریق خاص سے صیغہ ایجاب و قبول جاری ہو اور میاں بیوی بن جائیں۔ بلکہ میاں بیوی بننے کے بعد بھی بعض اوقات مرد پر عورت کا مخصوص استعمال ناجائز ہو جاتا ہے جب کہ وہ حالت حیض یا نفاس میں ہو۔ نیز عورت کا استعمال عمومی طور پر بھی درست نہیں بلکہ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ کے مفہوم کے مطابق عورت کی مقاربت اسی مقام سے کی جائے جو کھیتی کا مقام ہے۔ اسی بنا پر دبر سے عورت کی وطی کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ خلاف فطرت ہے اور تفسیر ہذا کی تیسری جلد میں اسی فقرہ کی لفظی تشریح میں بھی ہم نے لکھا ہے کہ مکروہ ہے یعنی ناپسندیدۂ خدا ہے اور جسے خدا پسند نہ کرے وہ خلاف مصلحت ہی ہوا کرتا ہے جس کا ارتکاب مبغوض و مذموم ہوا کرتا ہے اور ہر وہ فعل جو مبغوض خدا ہو مومن کی شان سے بعید ہے اور اس سے بچنا ضروری ہے اسی طرح گندم کھانا حلال ہے لیکن کیا جہاں اور جس مقام پر گندم دیکھے وہی اس پر حلال ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ اس کے لیے بھی شرائط ہیں اسی طرح کپڑا پہننا جائز ہے اور اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جہاں بھی کوئی کپڑا دیکھے اٹھا کر پہن لے بلکہ اس کا پہننا بھی شرائط کے بعد صحیح ہوگا پس کوئی دنیا کا حلال ایسا نہیں جس کے استعمال کے لئے شرائط نہ ہوں تو اس مقام پر خداوند کریم نے جن جانوروں کو حلال قرار دیا ہے ان کے استعمال کے لئے بھی شرائط ہیں۔

شرط اوّل:- ذبح کرنے والا مسلمان ہو۔ چونکہ یہ ایک عقلی قاعدہ ہے کہ کسی ظاہری سلطنت میں کوئی عہدہ دار اس وقت تک عہدہ دار رہ سکتا ہے جب تک اپنے سے مافوق یعنی افسر اعلیٰ کا احترام اس کے دل میں ہو یعنی وہ اپنے ماتحت پر اس وقت تک حاکم رہ سکتا ہے ———— جب تک مافوق کی محکومی کو تسلیم کرتا رہے اور کسی کا مافوق کی محکومی تسلیم کئے بغیر اپنے عہدہ پر برقرار رہنا اور ماتحت پر حکومت کرنا ناممکن ہے حکومت الٰہیہ میں بعینہٖ یہی عقلی قانون رائج ہے کہ نظام حکومت خداوندی میں بنی نوع انسان کو تمام باقی مخلوقات پر افسر و حاکم بنایا گیا ہے۔ اور انبیاء و آئمہ کو عام انسانوں پر حق حکومت عنایت کیا گیا ہے پس انسان اپنے سے ماتحت مخلوق پر اس وقت حکومت کرنے کا حق رکھتا ہے جب اپنے سے مافوق کی اطاعت کرتا ہو اگر اپنے مافوق یعنی خدا اور اس کے انبیاء کا انکاری ہو تو اسے قانون عقل کے لحاظ سے قطعاً اپنی ماتحت مخلوق سے غلامی و نوکری لینے کا حق حاصل نہیں پس اس کا زمین پر چلنا حرام، بیٹھنا حرام، سونا حرام اسی طرح کھانا پینا حرام بلکہ کائنات عالم میں اس کے جملہ تصرفات ناجائز اور حرام ہوں گے۔ اگر نظام عالم کی باگ ڈور خدائی عہدہ داروں کے ہاتھ میں ہو تو ایسے لوگوں کو صفحۂ دنیا سے مٹا دیا جائے۔ جیسے قرآن مجید کا صاف ارشاد ہے کہ مشرکین کو جہاں بھی پاؤ قتل کر دو۔ پس جب اسلام لائے بغیر ان کا روئے زمین پر چلنا پھرنا خدا کو گوارا نہیں۔ تو ان کو یہ حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے کہ اس کی مخلوق کی رگ حیات کاٹ دیں جو اسی کا دیا ہوا رزق کھاتی ہے اور اسی کی خلق کردہ زمین پر بود و باش رکھتی ہے اور خداوند کریم نے قرآن مجید میں ناخدا شناس انسانوں کو چوپاؤں کی مثل یا ان سے بھی بدتر کہا ہے تو جو خود چوپاؤں کی مثل یا ان سے بھی پست مرتبہ رکھتے ہوں وہ اپنے جیسے یا اپنے سے بہتر

یعنی چوپاؤں کی رگِ حیات کاٹنے اوران کے ذبح کرنے کا کیا حق رکھتے ہیں؟ بلکہ وُہ تو خود مثل چوپاؤں کے انسانوں کے غلام اور مملوک بننے کے قابل ہیں اور ان کے جملہ اموال بھی ان انسانوں کے لئے ہونے چاہئیں جو اپنے سے بالا خدا اور انبیاء کو افسر وحاکم تسلیم کرکے ان کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں۔ اسی بناء پر جہاد کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ پس خدا کے نزدیک نہ کفار کے قتل کی باز پرس ہوگی نہ ان کے غلامی میں لئے جانے کی باز پرس ہوگی اوران کے جمیع اموال پر مسلمانوں کو حقِ تصرف حاصل ہے جسے غنیمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پس ذبح ہونے کی پہلی شرط اسلام ہونا واضح ہوگیا۔

دوسری شرط ہے کہ خدا کے نام سے ذبح کرے۔ وُہ انسان جو خُدا و رسولؐ کی اطاعت کے بعد باقی مخلوقاتِ عالم پر حق حکومت رکھتا ہے۔ اس کے لئے یہ تو جائز ہے کہ خدا کی جانب سے حلال کردہ حیوانات کو ذبح کرکے کھائے کیونکہ اس کو بجا طور پر اپنے ماتحت پر حق حکومت حاصل ہے حتٰی کہ وُہ اپنے ماتحت ذی روح جانوروں کو حقِ زندگی سے بھی محروم کرسکتا ہے اگر اس میں اس کو ذاتی فائدہ حاصل ہوسکتا ہو یا کوئی ضرر دفع ہوسکتا ہو اور حلال جانوروں کا ذبح یا موذی جانوروں کا قتل اسی بناء پر ہے۔ تو جب انسان کھانے کے لئے کسی حلال گوشت جانور کی گردن پر چُھری پھیرنا چاہتا ہے تو ممکن تھا کہ دل میں تکبیر اور اپنی برتری کا خیال پیدا ہوا کہ میں چونکہ بڑا ہوں اور یہ جانور کمزور ہے اسی لئے اس کو ذبح کر رہا ہوں۔ پس اس موقعہ پر خدا کا نام اور اس کی کبریائی وعظمت کا ذکر ضروری کردیا گیا تاکہ انسان یہ محسوس کرے کہ میں بذاتِ خود ان پر کسی فوقیت کا حقدار نہیں ہوں بلکہ اپنے مافوق کی غلامی نے مجھے اس اہل قرار دیا ہے کہ اپنے ماتحت پر حکومت کروں اوران ماتحت حیوانات کے رشتۂ حیات کا منقطع کرنا بھی اپنی طاقت وتشدّد کے بل بوتہ پر نہیں بلکہ اسی بادشاہ کے اذن کی بناء پر ہے جو جسم وجان کا مالک اور بدن وروح کا خالق ہے۔

تیسری شرط ذابح ومذبوح کا قبلہ رُخ ہونا۔ یہ بھی اظہارِ عبدیت کے لئے ہے۔ چونکہ خداوندکریم نے انسان کی اشرف عبادت نماز کے لئے کعبہ کو قبلہ قرار دیا ہے۔ پس اس اہم مقام پر جب کہ ایک مخلوق دوسری مخلوق کو حقِ زندگی سے محروم کررہی ہے۔ دونوں کے قبلہ رُخ ہونے کا حکم دیا کہ غالب کے دل میں نقشِ عبدیت ثابت رہے اور اسے اپنا غلبہ وطاقت تکبر ورعونت کی دعوت نہ دے بلکہ ذبح کرنے والا سمجھے کہ اس حیوان کے ذبح کرنے میں میں اپنے مالک اور اس حیوان کے مالک کے عطاکردہ اختیارات کو ہی استعمال کررہا ہوں اور اسی کو ہی معبودِ حقیقی مانتا ہوں اور میرا یہ اختیار بھی اس کی ذات کا ایک انعامِ خاص ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ مذبوح حیوان کے چار رگیں کاٹی جائیں اور اونٹ کو مخصوص طریقہ سے نحر کیا جائے ان سے مقصد یہ ہے کہ ایک طرف تو مذبوح حیوان کو زیادہ تکلیف نہ ہو بلکہ جلدی مرجائے اور دوسرے اس کے جسم سے زیادہ سے زیادہ خون نکل جائے۔ کیونکہ خون کا کھانا حرام ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اونٹ کو نحر کرنے سے اور حیوان کو مخصوص طریقہ پر ذبح کرنے سے ان کی موت نہایت سہولت سے واقع ہوتی ہے اور پورے

جسم کا خون بھی اسی طریقہ سے زیادہ مقدار میں خارج ہوسکتا ہے

حلال وطاہر اور حرام ونجس میں فرق

ہمارے عوام میں بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں جو حلال اور طاہر کو ایک سمجھتے ہیں اگر کسی شے کے متعلق کہا جائے کہ وہ پاک وطاہر ہے تو وہ اس کا معنی حلال وطیب سمجھتے ہیں۔ اسی طرح حرام ونجس میں بھی فرق نہیں کرتے اگر کسی شے کے متعلق کہا جائے کہ وہ حرام ہے تو وہ اسے نجس بھی سمجھ لیتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں بلکہ ہوسکتا ہے کہ ایک چیز طاہر بھی ہو اور حرام بھی ہو گویا طاہر کے لئے حلال ہونا ضروری نہیں اور حرام کے لئے نجس ہونا لازمی نہیں لیکن دوسری طرف یہ ضروری ہے کہ جو چیز حلال ہوگی وہ طاہر ضرور ہوگی اور جو نجس ہوگی وہ حرام ضرور ہوگی۔ پس طاہر حلال سے عام ہے اور حرام نجس سے عام ہے پس جن چیزوں کو نجس قرار دیا گیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان ان کے چھونے تک سے گریز کرے اور کسی وقت نہ ان کو قریب آنے دے اور نہ خود ان کے قریب جائے۔ یعنی پورے طور پر ان سے اظہار نفرت کرے لیکن اس کمال نفرت کی وجہ کیا ہے؟ تو اس کے متعلق سب سے بڑی وجہ تو یہ ہی بتلائی جائے گی کہ چونکہ حکم شریعت ہے پس وہ نجس اور واجب الاجتناب ہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو ہر نجس چیز میں بعض مفاسد ایسے ہیں جن کی بدولت وہ انتہائی تنفر کے سزاوار ہیں مثلاً فضلات انسانیہ میں قذارت وکراہت کے علاوہ بعض ایسے مواد ردیئہ یا جراثیم موذیہ موجود ہونے کا امکان ہوتا ہے جو صحت انسانی پر برے طریقہ سے اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسی طرح خون نیز مادہ منویہ کی قذارت بھی ظاہر ہے کہ طبیعت انسانی خود بخود اس سے متنفر ہوتی ہے۔ کتے میں صفت درندگی ہے اور باوجود درندہ ہونے کے چونکہ اس کو انسانوں سے بہت قرب حاصل ہے اس کو حرام کیا گیا تاکہ اس کے گوشت کھانے سے درندگی کی صفت انسانوں میں نہ پیدا ہو جائے اور سور کو حرام کیا گیا تاکہ اس کی شہوت پرستی کی صفت انسانوں میں نہ آجائے اور چونکہ یہ دونو جانور انسانوں کے زیادہ سے زیادہ قریب تھے اس لئے ان کو نجس بھی قرار دیا گیا تاکہ انسانوں کو ان سے پوری نفرت ہو جائے اور کبھی ان کے گوشت کھانے کا تصور بھی نہ کرنے پائیں اور شراب بھی اسی لئے نجس قرار دیا گیا ہے تاکہ انسان اس سے پوری طرح متنفر ہو کر کبھی اس کے پینے کی جرأت نہ کرے اور عقل جیسی انمول نعمت سے ایک لمحہ تک کے لئے بھی محروم نہ ہو وعلیٰ ہذا القیاس۔ کافر ومشرک کو نجس قرار دیا گیا تاکہ اس سے اجتناب کر کے اس کے عقیدہ فاسدہ کی نجس چھینٹوں سے بچا رہے۔ جسم حیوانی جو روح کی وجہ سے ایک اعلیٰ درجہ پر کمال نوعی کا حامل ہوتا ہے اور بذات خود وہ مختلف امزجہ جزئیہ اور مواد واخلاط متضادہ کا مجموعہ مرکب ہوتا ہے۔ روح کے خروج کی وجہ سے جب اس کے اجزاء مضرہ کو کنٹرول کرنے والے اجزاء مصلحہ کا عمل باطل ہو جاتا ہے بلکہ صلاحیت کا پہلو قطعاً مضمحل ہو جاتا ہے تو فسادی اجزاء بلا مقابلہ معرض ظہور میں آنے لگتے ہیں اور اپنی پوری طاقت اختیار کر لینے کے بعد حدود جسم کو پھاند کر فضا میں منتشر ہونے لگتے ہیں۔ جن کے اثرات مہلکہ وباء ہمہ گیر کا پیش خیمہ بنتے ہیں اسی بناء پر عقلائے زمانہ

نے مُردہ حیوانوں کے اثرات فاسدہ کے انتشار سے بچنے کے لئے بعض اوقات ان کے جلا دینے کو ضروری قرار دیا ہے اور بعض اوقات ان کو دریا برد یا زمین میں دفن کرنے کا پہلو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ مُردہ انسانی کے متعلق بھی یہی صورتیں اختیار کی جاتی ہیں اور اسلام نے انسانی وقار کے پیشِ نظر اس کو دفن کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے اور مردہ کو نجس قرار دینے کی بھی غالباً یہی مصلحت ہے کہ انسان اس سے تنفر کرے اور اس کے بعد اس کے حلال ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عالمِ وجود میں چونکہ انسان کو تاجِ کرامت ووقار عطا ہوا ہے اور انسان کے مُردہ سے تنفر اس کے وقار کے منافی تھا اس لئے موت واقع ہونے کے بعد سدر وکافور و خالص پانی سے اس کو تین غسل دینے کا حکم دیا تاکہ فوری طور پر اس سے اُبھرنے والے مواد موذیہ کا سدِّباب ہو جائے اور جراثیم مہلکہ کے معرضِ ظہور میں آنے کا انسداد ہو جائے پس قبل غسل مَس کرنے والے پر غسل کرنا واجب کر دیا گیا تاکہ توہماتِ فاسدہ اور خیالات وہمیہ آگے نہ بڑھیں اور میّت کو فوراً دفن کر دینے کا حکم دیا گیا تاکہ جسمِ میّت کے فاسد اثرات کو پھیلنے کا زیادہ موقع نہ ملے۔

حیوان مذبوح کی طہارت

چونکہ ذبح کرنے کے لئے ایسے مقامات تجویز کئے گئے ہیں جن کی بدولت حیوان کے پورے جسم سے خون خارج ہو جاتا ہے اور اسی کے ذریعہ سے موادِ فاسدہ کا بھی اخراج ہو جاتا ہے اور یہ صورت خود مرنے والے حیوان میں نہیں آسکتی۔ اور اللہ کا نام لے کر چونکہ خدا کی حاکمیّت اور ملکیت کے زیرِ اثر اس کے رشتۂ حیات کو ختم کر دیا جاتا ہے اور قبلہ رُخ ہو کر ہر دو ذابح و مذبوح کی غلامی کا ضمنی اعتراف بھی ہوتا ہے تو گویا اس حیوان کی موت اپنے سے اعلیٰ و برتر کے مفاد و خوشنودی کی خاطر واقع ہوتی ہے۔ گویا وہ اپنے حاکم کی خوشنودی کی خاطر فدیہ بن رہا ہوتا ہے تو اس کو معنوی طور پر یہ شرف عطا ہوا ہے کہ اس کے جسم کو پاک وطاہر اور حلال وطیّب قرار دیا گیا اور یہ مقام اپنی موت مرنے والے جانور کو نصیب نہیں ہوتا۔

اور غالباً انسان کی عام موت اور شہادت کی موت میں بھی یہی فرق نمایاں طور پر موجود ہے کہ اپنی موت مرنے والا انسان نجس ہوتا ہے اور طہارت کے لئے محتاجِ غسل ہوا کرتا ہے لیکن شہید ہو کر مرنے والا انسان چونکہ اپنی جان کو اپنے مافوق یعنی خدا کی رضامندی کے لئے قربان کرتا ہے۔ پس اس کو یہ معنوی شرف عطا ہوتا ہے کہ اس کا میّت پاک و طاہر ہوتا ہے اور اس کو غسل کا محتاج نہیں قرار دیا جاتا۔ پس معلوم ہوا کہ جو حیوان حلال ہے وہ پاک بھی ہے لیکن اپنی موت چونکہ اس کے جسم کو نجس بنا دیتی ہے۔ لہٰذا اس کا گوشت حرام ہو جاتا ہے اور اگر ذبح کیا جائے شرائط کے ساتھ تو اس کو موت نجس نہیں کر سکتی بلکہ پاک وطاہر ہی رہتا ہے تو حلال بھی ہے اور طاہر بھی ہے لہٰذا اس کا کھانا جائز ہے
اس بحث کا میں نے کسی کتاب سے استفادہ نہیں کیا بلکہ عین موقعہ پر ذہن پر مطالب کا ورود ہوا۔ پس زبانِ قلم سے نکلتے گئے اور صفحۂ کاغذ پر ثبت ہو گئے۔ واللہ اعلم بالحقائق۔

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ

آج (بروز غدیر) مایوس ہوگئے وہ جو کافر ہیں تمہارے دینِ اسلام کے مٹانے (م) سے پس ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ

آج میں نے کامل کر دیا تمہارے لئے تمہارا دین (ساتھ اعلان ولایتِ علی کے) اور تمام کردی تم پر اپنی نعمت

وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ

اور راضی ہوا میں تمہارے لئے اسلام پر دین کے لحاظ سے (کہ یہ تمام دینوں سے افضل ہے) پس جو مضطر ہو حالتِ

غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۳

سختی (گرسنگی) میں کہ نہ مائل ہو گناہ کے لئے تو تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

آیتِ اکمالِ دین

اَلْيَوْمَ يَئِسَ ۔ آیتِ مجیدہ میں ربطِ الفاظ اور تسلسل معنی کا تقاضا تو یہ تھا فَمَنِ اضْطُرَّ الخ پہلے مذکور ہوتا اور اَلْيَوْمَ يَئِسَ الخ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کے بعد نئی آیت کا عنوان ہوتا کیوں کہ اس سے پہلے یہی بیان ہوا ہے کہ تمہارے اُوپر مردار، خون، خنزیر کا گوشت اللہ کے نام کے بغیر ذبح شدہ منخنقہ، موقوذہ، متردیہ، نطیحہ، درندوں کی پھاڑی ہوئی جس کا تزکیہ نہ ہو سکا۔ بتوں کے لئے ذبح کی ہوئی اور جوئے کے ذریعہ حاصل شدہ کُل گیارہ چیزیں حرام ہیں اور ان کا کھانا فسق ہے اب یہاں اس استثنا کا مقام تھا کہ البتہ جو شخص حالتِ گرسنگی اور سختی میں مجبور و مضطر ہو کر بلا رغبت گناہ ان چیزوں میں سے اس قدر کھالے کہ اس کی جان بچ جائے تو خداوند کریم اس کے اس اضطراری فعل کو بخشے گا کیونکہ وہ بخشنے والا اور مہربان ہے اور غفورٌ رحیم کے لفظوں کا مطلب یہ ہے کہ مجبوری کی حالت میں جس حرام کو استعمال کیا گیا ہے۔ وُہ حلال نہیں ہو جاتا۔ یعنی مجبوری حرام کو حلال نہیں کر دیا کرتی بلکہ حرام تو حرام ہی رہتا ہے البتہ خُدا کی مغفرت و رحمت کے تقاضے سے اس کی سزا نہ ہوگی۔ اب اس حکم کے بیان ہو جانے کے بعد دوسری بات کا آغاز ہوتا ہے کہ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ یعنی کفار لوگ جو تمہارے دینِ اسلام کے مٹانے کے درپے تھے اور وہ اس کو ختم کر دینا چاہتے تھے۔ اب وُہ اس سے مایوس ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اب ان کی مکاریوں اور فتنہ بازیوں سے خوف نہ کرو بلکہ مجھ سے ہی ڈرو۔ الخ۔ اگر اس طرح ہوتا تو اسلوبِ بیان اور نظمِ مطالب میں کوئی سکتہ نہ آتا۔ جو دشمنانِ اسلام کی نکتہ چینی کا بڑا حربہ ہے۔

لیکن یہ بات ذہن نشین کر لینے کے بعد کہ اس قسم کا قرآنی آیات میں تقدم و تاخر حضرت جامع قرآن کی قرآنی

مطالب سے بے بہرگی کا نتیجہ ہے ورنہ خود قرآن اس قسم کی لغزشوں سے پاک و منزہ ہے تو پھر کوئی اشکال نہیں رہتا۔ چونکہ آیۃ مجیدہ کے یہ الفاظ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ۔ حضرت علی کے اعلانِ خلافت اور بیعتِ غدیر کے بعد نازل ہوئے ۔ جن کا شانِ نزول کے لحاظ سے مقصد یہ ہے کہ آج یعنی ولایتِ علی بن ابی طالب کے بعد ہی تمہارا دین کامل ہوا ۔ اور تم پر نعمت تمام ہوئی اور میں نے تمہارے لئے اس دین اسلام کو پسند کیا ۔ تو موجودہ برسرِ اقتدار طبقہ کو کیسے گوارا ہوتا کہ قرآن مجید کے جمع و تالیف کے وقت ان الفاظ کو اپنا اصلی مقام دیا جائے جو آنے والی نسلوں کے لئے سابقہ خلافتوں کے عدمِ جواز کا ببانگِ دہل اعلان کرنے والے ہوں پس ان الفاظ کو ایسے مقام پر گھسیٹر دیا گیا جس سے یہ الفاظ قطعاً بے ربط اور بے لگاؤ ہیں ۔ معمولی پڑھا لکھا انسان بھی جب آیتِ مجیدہ کے ترجمہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کو حیرت انگیز تعجب لاحق ہوتا ہے کہ کجا کلامِ خالق اور کجا یہ بے ربطی ؟ ہاں ان کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کے نظم و ضبط پر انگشت نمائی ہو تو بے شک ہو لیکن ادوارِ سابقہ کی دھاندلی کی قلعی کہیں نہ کھلنے پائے ۔ یہ اس صورت میں ہے کہ اگر دانستہ طور پر یہ اقدام کیا گیا ہو ورنہ اگر یہ کہا جائے کہ نادانستہ طور پر ایسا ہوا تو یہ جامع قرآن کی قرآن نافہمی اور لاعلمی کا بدترین مظاہرہ ہے ۔ جو مسندِ خلافت پر جلوہ گر ہونے کے قطعاً منافی ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے حسبِ ترتیب قرآن کو جمع کیا تھا لیکن بارگاہِ خلافت میں اس کو مقبولیت حاصل نہ ہوئی اور غالباً یہی وجہ تھی کہ اس میں مطالبِ قرآنیہ کا جوڑ توڑ تو تھا نہیں بلکہ حقائق کی تصویر کشی اپنے محل و موقع کی موافقت سے تھی اور اس کا تمام مسلمانوں میں رواج موجودہ اقتدار کے لئے چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا ۔ اس لئے زید بن ثابت کی خدمات حاصل کر لی گئیں اور حضرت علیؑ سے استفادہ نہ کیا گیا حالانکہ تمام مسلمانوں کو معلوم تھا اور جنابِ رسالتمآبؐ بارہا فرما چکے تھے کہ علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور ابن عباس کی تصریح موجود ہے کہ میرا اور تمام صحابۂ رسولؐ کا علم علیؑ کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا کہ سات سمندروں کے مقابلہ میں پانی کا ایک قطرہ ۔ نیز حدیثِ ثقلین جو متواتر ہے تمام صحابہ اس کو خوب جانتے تھے ۔ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا سب نے اپنے کانوں جناب رسالتمآبؐ سے سنا تھا ۔ ہم مقدمہ تفسیر میں ان مطالب کو زیادہ وضاحت سے بیان کر چکے ہیں ۔ اب حیرت ہوتی ہے کہ جب علیؑ جیسی قرآن دان شخصیت موجود ہو تو پھر جمع قرآن کے لئے زید بن ثابت اور چند دیگر آدمیوں کی کونسل بلانے کی کیا ضرورت تھی اور اگر ایسا ہی کرنا تھا تو کم از کم حضرت علیؑ کو بھی اس میں شریک کر لیا جاتا اور یہ بھی نہیں تو کم از کم اس بارہ میں حضرت علیؑ سے کچھ استفادہ یا مشورہ بھی لے لیا ہوتا ۔ لیکن باوجود اس یقین کے کہ علیؑ ہی سب صحابہ سے زیادہ ماہرِ قرآن ہیں ان کو نظر انداز کر کے بعض غیر معروف لوگوں سے یہ خدمت لینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ نیت بخیر نہ تھی ۔ بلکہ دال میں کالا کالا ضرور تھا ۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنے دورِ خلافت میں اپنے جمع شدہ قرآن کو کیوں نہ رواج دیا تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے مختصر سے دورِ خلافت کو فضاءِ زمانہ کے تکدر میں اس طرح الجھا دیا گیا کہ ایک پل و لمحہ کے لئے بھی خارجہ مشکلات سے رہائی نہ مل سکی اور یہ سب سابقہ حکومتوں کی چاشنی

لینے والے بعض اقتدار کے پیاسے حضرات کا دانستہ منصوبہ تھا۔ جس سے حضرت علیؑ کو نبرد آزما ہونا پڑا۔ سب سے پہلے جنگِ جمل کی ایک حرمِ رسولؐ نے ابتدا کر دی بہانہ تھا خونِ خلیفہ ثالث کا انتقام۔ اندازہ فرمائیے۔ قتل کرنے والے مصری یا بعض صحابۂ رسولؐ کی اولاد جو مدینہ میں تھی اور انتقامی کاروائی بصرہ والوں سے ہو رہی ہے اور حرمِ رسولؐ کو معلوم تھا کہ خلیفہ کے خون میں حضرت علیؑ کا ہاتھ نہیں اور جن جن لوگوں کا ہاتھ تھا وہ انہیں خوب جانتی تھیں لیکن مقصد تھا صرف حضرت علیؑ کو الجھانا اور لوگوں کو ان سے متنفر کرنا۔ جب ان کو اس مقصد میں کامیابی نہ ہوئی تو امیرِ شام نے علمِ بغاوت بلند کر دیا کہ میں خلیفہ ثالث کے خون کا انتقام لوں گا بہرکیف یہ لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت علیؑ کی ذات اس سے مبرا ہے لیکن مقصد یہ تھا کہ اس قسم کی ہنگامہ آرائیوں سے حضرت علیؑ کو نظامِ اسلام کی ترویج کا موقعہ نہ دیا جائے۔ ورنہ لوگ سابقہ حکومتوں کے متعلق بدگمان ہو جائیں گے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ کا جمع شدہ قرآن بھی ترویج نہ پا سکا۔ لیکن سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ دیکھ چکے تھے کہ جناب رسالتمآبؐ کے بعد سے اقتدار کے ہاتھ اپنی من مانی چیزوں کو تعلیماتِ اسلام میں بلاجھجک داخل کر رہے ہیں اور اپنی طبیعت کی ناپسندیدہ چیزوں کو اسلامی تعلیمات سے خارج کر رہے ہیں اور جب اسلامی تعلیمات تحریف و تصحیف کا شکار ہو چکی ہیں تو اس فضا میں اگر اپنا جمع شدہ قرآن نافذ کر دیا جائے تو یقیناً حزبِ مخالف اس کے مقابلہ میں خلیفہ ثالث کے جمع شدہ قرآن کو ہی اپنائے گا اور آج ہی سے دو قرآن ہو جائیں گے اور پھر صاحبانِ اقتدار کو ایک بہانہ ہاتھ آ جائے گا اور وہ اس قرآن میں موقعہ و محل کے لحاظ سے رد و بدل کی کوشش کرتے رہیں گے پھر قرآن کی حیثیت یقیناً کتب سماویہ سابقہ کی سی رہ جائے گی۔ اسی بنا پر آپ نے قرآن کے متعلق صرف اتنا فرما دیا کہ یہی قرآن جو دفتین کے درمیان موجود ہے کتابِ خدا ہے اور اپنا جمع شدہ قرآن پیش نہ کیا تاکہ کتاب اللہ کا وقار ختم نہ ہو جائے اور اسلامی تعلیمات کا اصلی ماخذ تحریف و تصحیف کا کھلونا نہ بن جائے

فخر الدین رازی کی منطق

امام اہلسنت فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اس آیتِ مجیدہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت رافضیوں کے قول کو باطل کرتی ہے۔ کیوں کہ خدا فرماتا ہے۔ کہ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ۔ یعنی کافر لوگ اب دینِ اسلام میں رخنہ اندازی اور فتنہ انگیزی سے مایوس ہو چکے ہیں اور وہ سمجھ چکے ہیں کہ دینِ اسلام اس قدر مضبوط و مستحکم ہو گیا ہے کہ اس کی تخریب اب ہمارے بس کا روگ نہیں اور شیعہ کہتے ہیں حضرت علیؑ کی امامت و خلافت خدا و رسولؐ کی طرف سے منصوص تھی۔ ایک طرف خدا فرماتا ہے کہ کافر لوگ اسلام میں تخریبی کارروائیوں سے مایوس ہو چکے ہیں۔ ان سے کسی کا خطرہ نہ کرو۔ اور دوسری طرف شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی امامت منصوص تھی اور اسلام میں تخریبی کارروائی کی گئی اور حضرت علیؑ کو پیچھے ہٹایا گیا۔ پس آیتِ مجیدہ نے فیصلہ کر دیا کہ حضرت علیؑ کی امامت قطعاً منصوص نہیں تھی ورنہ اس میں تخریبی کارروائی نہ کی جا سکتی کیونکہ ان کی مایوسی کی خدا خود شہادت دیتا ہے۔

جواب: حضرت علیؑ کی امامت وخلافت پر لاکھ پردہ ڈالا جائے۔ یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے کہ اسے باطل کی کوششیں اور سازشیں کبھی معرضِ خفا میں نہیں لاسکتیں۔ رازی بچارے نے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ کے شانِ نزول کو چھپانے کے لئے پیش بندی کے طور پر شیعوں پر ایک اعتراض کر دیا کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ کی روائتی پوزیشن سے چپکے چپکے جان چھڑا کر آگے نکل جاؤں پس قارئین کے سامنے ایک معمہ رکھ دیا اور اپنا علمی مظاہرہ کرتے ہوئے آگے کو سرک گئے بے شک بڑی ہوشیاری کا مظاہرہ فرمایا اور بڑی صفائی کے ساتھ عناداً وعمداً منطقی طرزِ عمل سے ایک تمویہ کا غبار اڑا کر حق و حقیقت کی طرف سے نظریں پھیرنے کی کوشش کی اور غلط بیان کو علمی لبادہ اڑھا کر حق پوشی کا متعصبانہ فریضہ ادا کرتے ہوئے اپنے ہم نواؤں سے خراج داد و تحسین بھی پالیا۔ لیکن سورج پر گرد اڑانے سے سُورج کو کوئی خسارہ نہیں ہوتا۔ وُہ گرد اپنے مُنہ پر ہی پڑا کرتی ہے۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ حضورؐ فرمایئے مسئلہ خلافت دین میں داخل ہے یا اس کا دین سے کوئی واسطہ نہیں اگر مسئلہ خلافت دین میں داخل ہے تو حضرت علیؑ کی نہ سہی کیا کسی اور کی خلافت پر نص وارد ہے! اگر نہیں تو پھر دین کامل کیسے ہو گیا جب کہ ایک اہم مسئلہ کو بیان ہی نہیں کیا گیا اور اگر کسی کی خلافت پر نص ہے تو پیش کیجئے ورنہ حضرت علیؑ کے متعلق نصوص متواترہ خصوصاً حدیث غدیر جس کے فوراً بعد یہ آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ نازل ہوئی اسے تسلیم کیجئے اور اگر یہ مسئلہ دین میں سرے سے داخل ہی نہیں تو صحابہ کرام نے جنازہ رسولؐ کو مؤخر کر کے اس کی طرف پہل کیوں کی اور بے دینی کی چیز کو کیوں رواج دیا؟ اور پھر کسی کو خلیفہ نہ ماننے والوں کو آپ رافضی کے لفظ سے کیوں تعبیر فرماتے ہیں؟ نیز یہ خطاب مسلمانوں کو ہو رہا ہے کہ تمہارا دین کامل ہو گیا اور تم پر نعمتیں تمام ہوئیں اور کافر لوگ تمہارے دین کے استحکام سے اس قدر مرعوب ہو گئے ہیں کہ اب وہ اُبھر نہیں سکتے بلکہ وُہ اپنے مقام پر مایوس ہیں۔ شیعہ یہ کب کہتے ہیں کہ کافر اور مشرک لوگوں نے دین سے نبرد آزمائی کی بلکہ شیعہ تو کہتے ہیں کہ وہ لوگ جن کو کامل دین عطا کیا گیا اور جن پر نعماتِ الٰہیہ تمام کی گئیں انہوں نے اپنی ناقدری کا مظاہرہ کیا اور خود انہوں نے ہی دینی عمارت میں رخنہ اندازی کر کے اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کیا اور ارشادِ خداوندی میں بھی یہی اشارہ ہے کہ اب تمہارا دین اس قدر مضبوط ہے کہ اغیار اس کو کمزور نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ان سے نہ ڈرو لیکن خبردار کہیں تم لوگ خود اس دین کی تخریب کے درپے نہ ہو جانا۔ اس لئے فرمایا فَلَا تَخْشَوْهُمْ یعنی کافروں سے خطرہ نہ کرو وَاخْشَوْنِ اور مجھ سے ڈرو یعنی تم خود دین کو بگاڑنے کے درپے نہ ہو جانا۔ اور حضرت کے منصب خلافت و امامت پر کفار و مشرکین نے کب دست درازی کی۔ یہ تو سب کچھ انہی لوگوں نے کیا جن کو ارشاد ہو رہا ہے کہ کافر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ لہٰذا تم میرا لحاظ کرتے ہوئے خود نہ بگڑ جانا۔

حدیث غدیر

شانِ نزول آیتِ مجیدہ: بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت بروز جمعہ عرفات پر حجۃ الوداع کے موقعہ پر نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ بمقام جحفہ نازل ہوئی اور بعضوں نے مقام

کرا ع النعیم اس آیت کا محلِ نزول بتلایا ہے اور ان سب اقوال سے صحیح اور قوی قول یہ ہے کہ یہ آیت بمقام غدیر نازل ہوئی جب آیت مجیدہ یَآ یُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ الخ کے اترنے کے بعد پالانوں کے انبوکھے منبر پر حضرت رسالتمآبؐ حضرت علیؑ کی ولایت وخلافت کا اعلان فرما چکے پس اس کے فوراً بعد یہ آیت اتری۔ چنانچہ اسی پر اہلبیت اطہارؑ کا اتفاق ہے اور منصف طبع علمائے اسلام نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ معتبر کتب سیر و تاریخ میں اس کی صراحت موجود ہے اور تفسیر لوامع التنزیل میں کتبِ معتبرہ سے عبارات بھی نقل کی گئی ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔

(۱) لَمَّا کَانَ یَوْمَ غَدِیْرِ خُمٍّ وَھُوَ یَوْمُ ثَمَانِیْ عَشْرَۃَ مِنْ ذِی الْحِجَّۃِ قَالَ النَّبِیُّ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الخ

جب غدیر خُم کا دن ہوا اور وہ ماہِ ذی الحجہ کی ۱۸؍ تاریخ تھی تو حضرت نبی علیہ السلام نے فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ پس خدا نے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ الخ کی آیت نازل فرمائی (تفسیر درمنشور)

(۲) نیز تفسیر درمنشور میں علامہ سیوطی نے حضرت سعید خدری سے اس طرح نقل کیا ہے۔

لَمَّا نَصَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیًّا یَوْمَ غَدِیْرِ خُمٍّ فَنَادٰی لَہٗ بِالْوِلَایَۃِ ھَبَطَ جِبْرِیْلُ بِھٰذِہٖ الْاٰیَۃِ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ الخ

جب حضرت رسولِ خدا نے حضرت علیؑ کو کھڑا کیا اور ان کی ولایت کا اعلان کیا تو جبریل اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ کی آیت لے کر اترے۔

(۳) تفسیر ثعلبی۔ اسنی المطالب اور مناقب مغازلی شافعی وغیرہ میں سعید خدری سے اس طرح مروی ہے کہ

اِنَّ النَّبِیَّ دَعَا النَّاسَ اِلٰی عَلِیٍّ فِیْ غَدِیْرِ خُمٍّ وَ اَمَرَ بِمَا تَحْتَ الشَّجَرَۃِ مِنَ الشَّوْکِ فَقُمَّ فَدَعَا علیا فاخذ بِضَبعیہ فرفعھما حتی نظر النّاس الی بیاض ابطی رسول اللہ و علی ثم لم یتفرقوا حتی نزلت ھٰذِہٖ الاٰیۃ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ فَقَالَ رسولُ اللہ اللّٰہُ اکبر علی اکمال الدین و اتمام النعمۃ و رضاء الرب برسالتی والولایۃ لعلی بن ابی طالب بعدی ثم قَالَ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ وَ انْصُرْ مَنْ نَصَرَہٗ وَ اَخْذُلْ مَنْ خَذَلَہٗ۔ انتھی

تحقیق حضرت رسالتمآبؐ نے غدیر خم میں لوگوں کو حضرت علیؑ کی بیعت کی طرف بلایا اور درختوں کے نیچے سے خار وخس کے دُور کرنے کے لئے جھاڑو کا حکم دیا پس علیؑ کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسقدر بلند کیا کہ لوگوں نے حضرت نبیؐ و علیؑ کی بغلوں کی سفیدی کو دیکھا۔ پھر لوگ ابھی متفرق نہ ہوئے تھے کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ کی آیت اتری تو حضورؐ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ دین کامل ہوا نعمت تمام ہوئی اور میری رسالتؐ اور علیؑ کی ولایت پر پروردگار راضی ہوا۔ پھر فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ اے پروردگار! تو اس کو دوست رکھ۔ جو اسے دوست رکھے اور تو اسکی مدد کر، جو اسکی مدد کرے اور تو اسکو چھوڑ دے، جو اسکو چھوڑ دے۔

(۴) امام ابوالقاسم حسکانی سے شواہد التنزیل میں بھی اسی معنی کی روایت منقول ہے اور نیز موفق بن احمد مکی خوارزمی نے فضائل میں اور حموینی نے فرائد السمطین میں اور نطنزی نے خصائص میں اور دیگر علماء مثلاً ابونعیم اور سیوطی وغیرہ نے بھی مضمون سابق کی ایک روایت نقل کی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ پس حسان بن ثابت نے خدمت نبویؐ میں عرض کی کہ مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں کچھ شعر کہوں تو حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ کی برکت سے کہو تو حسان نے کھڑے ہو کر کہا اے بزرگانِ قریش! میری بات سنو کہ جناب رسالتمآبؐ بھی اس کے شاہد ہیں۔

يُنَادِيهِمْ يَوْمَ الْغَدِيرِ نَبِيُّهُمْ
بِخُمٍّ وَاَسْمِعْ بِالنَّبِيِّ مُنَادِيًا
بِاَنِّيْ مَوْلَاكُمْ نَعَمْ وَ وَلِيُّكُمْ
فَقَالُوْا وَلَمْ يُبْدُوْا هُنَاكَ التَّعَادِيَا
اِلٰهُكَ مَوْلَانَا وَ اَنْتَ وَلِيُّنَا
وَلَنْ تَجِدَنْ مِنَّا لَكَ الْيَوْمَ عَاصِيَا
فَقَالَ لَهٗ قُمْ يَا عَلِيُّ فَاِنَّنِيْ
رَضِيْتُكَ مِنْ بَعْدِيْ اِمَامًا وَهَادِيًا
فَمَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا وَلِيُّهٗ
فَكُوْنُوْا لَهٗ اَنْصَارَ صِدْقٍ مُوَالِيَا
هُنَاكَ دَعَا اَللّٰهُمَّ وَالِ وَلِيَّهٗ
وَكُنْ لِلَّذِيْ عَادٰى عَلِيًّا مُعَادِيَا

غدیر کے روز حضرت رسالتمآبؐ بلند آواز سے فرما رہے تھے مقام خم میں اور حضورؐ کی آواز تمام لوگوں کو خوب سنائی دیتی تھی۔ کہ میں تمہارا مولا اور دین و دنیا میں تمہارے تمام امور کا مختار ہوں تو سب نے بغیر اظہار کراہت کے یک زبان جواب دیا کہ تیرا خدا ہمارا مولا ہے اور آپ تمام امور میں ہمارے ولی و حاکم ہیں اور اس معاملہ میں ہمارا کوئی فرد آپ کا نافرمان نہ ہوگا۔ پس حضرت علیؑ سے فرمایا کہ اٹھو۔ کیونکہ میں اپنے بعد تجھے امامت و ہدایت کے لئے نصب کرتا ہوں۔ پس جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ ولی ہے۔ پس تم لوگ اس کے دوست اور سچے مددگار بن جاؤ پس دعا کی کہ اے خدا تو اس کو دوست رکھ جو اسے دوست رکھے اور تو علیؑ کے دشمن کا دشمن ہو۔

(۵) مناقب فاخرہ میں اس طرح منقول ہے کہ جب آیت بَلِّغْ مَا اتری اور حفاظت کا وعدہ ہو گیا تو حجۃ الوداع سے واپسی پر آپ نے لوگوں کو بلایا پس جب تمام لوگ جمع ہو گئے تو۔

فقال النبیؐ من اولی منکم بانفسکم فضجّوا باجمعھم وقالوا اللہ ورسولہ فاخذ بید علی وقال من کنت مولاہ فعلی مولاہ اَللّٰھُمَّ وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ لانہ منی وانا منہ وھو منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی الا انہ

حضورؐ نے فرمایا کہ کون ہے جو تمہارے نفسوں سے اولیٰ ہے تو سب نے باآواز بلند کہا کہ خدا اور رسولؐ۔ پس علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ اے اللہ اس کے دوست کو دوست اور اس کے دشمن کو دشمن رکھ اس کے ناصر کی نصرت کر اور ذلیل کر اس کو جو علیؑ کو ذلیل کرے کیوں کہ وہ مجھ سے اور میں اس سے ہوں اور اس

لا نبی بعدی وکانت اٰخر فریضۃ فرضھا اللہ علی محمد ثم انزل اللہ الیوم اکملت لکم دینکم الخ

کی مجھ سے مثال ہارون و موسٰی جیسی ہے البتہ میرے بعد نبی کوئی نہ ہوگا اور یہی آخری فریضہ ہے جو حضورؐ پہ نازل ہوا پھر خدا نے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ نازل فرمایا۔

اور تذکرہ خواص الامۃ میں ہے کہ حضور کے ہمراہ صحابہ کرام و دیہاتی عربوں اور مکہ کے گرد و نواح کے لوگوں کا کل مجمع ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد پر مشتمل تھا اور یہ سب وہ لوگ تھے جنہوں نے حضور کے ہمراہ حجۃ الوداع کے مناسک ادا کئے اور اپنے کانوں حضور سے یہ الفاظ سنے۔

(۶) اخطب خوارزمی نے مناقب میں حذیفہ یمانی اور ابوذر غفاری سے روایت کی ہے کہ جب پیغمبر نے غدیر خم میں حضرت علیؑ کی ولایت کا اعلان فرمایا تو حکم دیا کہ سلّموا علی علی بامرۃ المومنین یعنی علیؑ کو حکومت و خلافتِ مومنین کا سلام کرو۔ اس کے بعد اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ والی آیت نازل ہوئی۔

بہر کیف شیعہ و سنّی کتب میں یہ حدیث تواتر سے منقول ہے علمائے امامیہ نے اس حدیث کی سند اور راویانِ حدیث کے موضوع پر بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھ ڈالیں۔ چنانچہ تفسیر برہان میں شہر آشوب سے مروی ہے کہ میں نے ابوالمعالی جوینی کو حالتِ تعجب میں دیکھا کہ کہہ رہا تھا۔ میں نے بغداد میں ایک کاتب کے ہاتھ میں ایک کتاب دیکھی جس میں حدیثِ غدیر کے موضوع کی روایات درج تھیں اور کتاب کے سرورق پر لکھا تھا کہ یہ اٹھائیسویں جلد ہے حدیث مَنْ کنت مولاہ کے سلسلہ اسناد کے موضوع پر اور اس کے بعد اسی موضوع پر انتیسویں جلد لکھی جائے گی نیز آج کل اسی موضوع پر ایران کے ایک بزرگ علامہ عبدالحسین امینی مدظلہٗ ایک مبسوط کتاب لکھ رہے ہیں۔ جس کا نام اُنہوں نے الغدیر ہی رکھا ہے۔ اور اس کتاب کی گیارہ جلدیں اس وقت چھپ چکی ہیں۔

خطبۂ غدیر و بیعت علیؑ

(۷) تفسیر برہان میں روضۃ الواعظین سے ایک طویل روایت منقول ہے۔ جس کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے کہ جب حضرت رسالتمآبؐ اسلام کے تمام احکام سوائے حج اور ولایت کے پہنچا چکے تو جبریل کا نزول ہوا اور عرض کی کہ خداوند کریم بعد تحفہ سلام کے فرماتا ہے کہ میں کسی نبیؑ و رسولؐ کی قبض رُوح نہیں کرتا جب تک تکمیل دین نہ ہو جائے۔ اب آپ پر دو فریضے رہ گئے ہیں ایک حج اور دوسرا ولایت پس آپ ان دونوں فریضوں کی ادائیگی کریں، نماز و روزہ کی طرح حج کے مناسک خود ادا کرکے ان کو سکھائیں چنانچہ تمام لوگوں میں حضور کی حج کا اعلان کر دیا گیا تو ستر ہزار یا اس سے زیادہ لوگ حضورؐ کے ہمراہ فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ میں حاضر ہوئے۔ جس طرح کہ حضرت ہارون کی بیعت کے وقت بنی اسرائیل کی بھی یہی تعداد تھی اور جس طرح انہوں نے سامری اور گوسالہ کی اطاعت کرکے حضرت ہارون کو چھوڑ دیا تھا اسی طرح ان لوگوں نے بھی حضرت علیؑ کو چھوڑ کر اوروں کو آگے کر دیا (ترمذی اور بخاری وغیرہ میں حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ تم لوگ

یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر چلو گے جو باتیں ان لوگوں میں تھیں تم میں انہی جیسی باتوں کا ظہور ہوگا اور ہم تفسیر کی دوسری جلد میں قدرے تفصیل سے اس مسئلہ کو ذکر کر چکے ہیں) حضرت رسالتمآبؐ جب موقف پر کھڑے ہوئے تو جبرئیل نے پیغام پروردگار پہنچایا کہ علوم انبیاء و اسرار خاصہ اپنے وصی و خلیفہ علی بن ابی طالب کے سپرد فرمائیے۔ نیز تبرکات انبیاء بھی ان کے حوالہ کیجئے اور لوگوں میں اعلان کر کے ان کے لئے بیعت و خلافت کا عہد بھی لے لیجئے کیوں کہ اس کا اطاعت گذار میرا اطاعت گذار اور اس کا نافرمان میرا نافرمان ہوگا۔ اس کا عارف مومن اور اس کا منکر کافر ہوگا۔ بروز محشر جس کے پاس اس کی ولایت ہوگی وہ جنتی ہوگا اور اس کا دشمن جہنمی ہوگا۔ حضرت رسالتمآبؐ منافق لوگوں کے حالات جانتے تھے۔ اب سوچا کہ اگر حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان کیا جائے تو یہ لوگ اعلانیہ دشمن ہو کر درپے ایذا ہو جائیں گے۔ لہذا اس اعلان میں تاخیر کر دی۔ چنانچہ دوبارہ مسجد خیف میں وہی حکم لائے پھر سہ بارہ کراع الغمیم پر جبرئیل وہی حکم لائے حتیٰ کہ جب حضور مقام غدیر خم پر پہنچے تو طلوع آفتاب سے پانچ گھنٹے بعد یعنی تقریباً ۱۱ بجے کے وقت جبرئیل پھر وہی حکم لائے اور لوگوں کے شر و فساد سے عصمت کا وعدہ بھی خدا کی جانب سے پیش کیا۔ پس حضورؐ نے قیام فرمایا۔ آگے جانے والوں کو واپس بلایا گیا اور پیچھے آنے والوں کی انتظار کی گئی آپ راستہ چھوڑ کر دائیں جانب مسجد غدیر میں ٹھہرے اور نماز کی ادائیگی کا اعلان فرمایا اور درختوں کے نیچے جھاڑو دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ صحابہ نے عمل کیا پھر ایک جگہ پتھروں کو جمع کرنے کا حکم دیا تاکہ منبر بن جائے۔ پس آپ منبر پر تشریف لائے اور خطبہ شروع فرمایا جس میں توحید و تقدیس ذات پروردگار بیان فرمائی اور اس کے بعد آیۃ مجیدہ یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا الخ۔ پڑھ کر سنائی اور فرمایا کہ یہ حکم جبرئیل تین دفعہ لے کر پہنچا ہے کہ میں ہر سیاہ و سفید کو بتا دوں کہ حضرت علیؑ بن ابی طالب میرا بھائی وصی اور خلیفہ اور امت کا امام ہے۔ اے لوگو! خدا نے اس کو مہاجرین و انصار۔ شہری و دیہاتی، عجمی و عربی۔ غلام و آزاد خورد و کلاں اور سیاہ و سفید تمام کا ولی و امام واجب الاطاعت مقرر کیا ہے۔ اس کا تابعدار مرحوم اور اس کا مخالف ملعون ہوگا اور پھر امامت میری ذریت میں اسی کی ہی صلب سے ہوگی اور میں نے اپنے علوم علیؑ کو سونپ دیئے ہیں اور وہ امام مبین ہے۔ اس کی ولایت سے جی نہ چرانا کیونکہ یہ حق پر عمل کرتا ہے اور اسی کی طرف ہدایت کرتا ہے اس کی ولایت کے منکر کی توبہ قبول نہ ہوگی اور اس کے حق کے انکار والوں کی مغفرت نہ ہوگی۔

یاد رکھو میں زمینوں اور آسمانوں کی تمام مخلوق پر حجت خدا ہوں اور اس میں شک کرنے والا کافر اور مجھے یہ فضیلت خدا نے ہی عطا فرمائی ہے۔

میرے بعد تمام لوگوں سے حضرت علیؑ افضل ہیں۔ ہماری بدولت رزق نازل ہوتا ہے اور ہماری وجہ سے مخلوق باقی ہے اور جو میری اس بات کو ٹھکرائے گا وہ ملعون ہوگا اور اس پر غضب نازل ہوگا اور مجھے جبرئیل نے خبر دی ہے کہ جو علیؑ سے دشمنی رکھے گا اور اس کی ولا سے کنارہ کرے گا۔ اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہوگی۔

اے لوگو! قرآن میں تدبّر کرو اور اس کی آیات کو سمجھنے کی کوشش کرو لیکن اس کی تفسیر کوئی بھی نہ کر سکے گا مگر وُہ جس کو میں اٹھا رہا ہوں۔ یہی جنب اللہ ہے جس کے متعلق ہے۔ یَا حَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُ فِیْ جَنْبِ اللّٰہِ یہ اور اس کی اولاد طاہرین قرآن کے ساتھ دوسرا ثقل ہیں۔ یہ ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر پہنچیں گے۔ ہاں یاد رکھو کہ میرے اس بھائی کے علاوہ دوسرا کوئی بھی امیرالمومنین نہیں ہو سکتا اور میرے بعد سوائے اس کے کسی دوسرے کو امیرالمومنین کہنا جائز نہیں ہے۔ پس علیؑ کے بازو کو پکڑا اور اس قدر بلند کیا کہ حضرت علیؑ کے پیر مبارک جناب رسول خدا کے گھٹنوں کے برابر ہوگئے اور فرمایا۔

اے لوگو! یہ علیؑ میرا بھائی، وصی، میرے علم کا خزانہ اور میری امّت پر میرا خلیفہ ہے۔ یہ قرآن کا مفسّر اور اس کا داعی و عامل ہے۔ یہ خلیفۂ رسولؐ امیرالمومنین اور امام ہادی ہے اور اللہ کے حکم سے ناکثین، قاسطین اور مارقین کو قتل کرنے والا ہے۔ خدا نے اپنے دین کو اس کی امامت کے ساتھ کامل کیا ہے پس جو شخص اس کو امام زمانہ نہ جانے اور تا قیامت اس کی اولاد طاہرین کی امامت کا قائل نہ ہو تو اس کے تمام اعمال رائیگاں ہوں گے خدا نے قرآن مجید میں جہاں بھی ایمان والوں کا ذکر فرمایا ہے تو علیؑ صف اوّل میں شمار ہے۔ جہاں بھی قرآن میں مدح کی آیت موجود ہے تو وہ علیؑ کے حق میں ہے اور سورۂ ھَلْ اَتٰی میں جنّت کی شہادت خدا نے علیؑ کے لئے دی ہے اور اس سورہ میں ممدوح خدا علیؑ ہے اور بس۔ ہاں یاد رکھو ہر نبیؐ کی اولاد اپنی صلب سے ہوتی ہے اور میری اولاد علیؑ کی صلب سے ہے اس سے حسد نہ کرنا۔ ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہوجائیں گے۔ اس سے شقی بغض رکھیں گے اور متقی محبت رکھیں گے اور خدا کی قسم سورۂ والعصر علیؑ کی شان میں ہی نازل ہوئی ہے۔

لوگو! ایمان لاؤ اللہ پہ اور اس کے رسولؐ پر اور اس نور پہ جو اس کے ساتھ اُترا۔ وہ نور مجھ میں ہے اور پھر علیؑ میں اور اس کے بعد اس کی نسل میں ہے حضرت قائم تک آگاہ ہو، علی وہ ہی صابر و شاکر ہے جس کی جزا کا خُدا نے وعدہ فرمایا ہے اور اس کے بعد اس کی صلب سے میری اولاد صابر و شاکر ہے۔

اے لوگو! میرے اُوپر اپنے مسلمان ہونے کا احسان نہ جتلاؤ اور یہ بھی تمہیں معلوم ہو کہ میرے بعد ایسے امام بھی پیدا ہوں گے جو جہنّم کی طرف دعوت دیں گے۔ میں اور میرا خُدا ان سے بری ہیں اور ان کے تابعدار سب دوزخ میں جائیں گے۔ میں صراط مستقیم ہوں اور میرے بعد میرا بھائی اور اس کے بعد میری اولاد جو اس کے صلب سے ہوگی صراط مستقیم ہیں۔ وُہ اولیاء اللہ جن پر کوئی خوف و حزن نہ ہوگا۔ وہ ہم لوگ ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں مومنوں کی صفات کا ذکر ہے وہ ان لوگوں کے لئے ہیں جو میرا اور میری اولاد کا دوست ہوگا اور یہی لوگ جنّت میں بلا حساب داخل ہوں گے اور قرآن میں جہاں جہنّمیوں کے تذکرے ہیں۔ ان سے مراد وُہ لوگ ہیں جو ان سے عداوت رکھتے ہوں گے۔ پس ہمارا دشمن اللہ کی لعنت میں ہے اور ہمارا دوست اللہ کا محبوب ہے اور یاد رکھو کہ میں خدا کی طرف سے منذر ہوں اور علیؑ ہر

قوم کا ہادی ہے اور میں نبیؐ ہوں اور علیؑ وصی ہے اور ہمارے آئمہ کا خاتم حضرت مہدی ہوگا۔ جو ظالموں سے انتقام لے گا اور وہ ہر علم کا وارث ہوگا۔

اے لوگو! میں تم کو خوب سمجھا چکا اور خطبہ کے تمام ہونے پر میں تم کو اس کی بیعت کی دعوت دوں گا۔ اس کے بعد آپ نے واجبات کی بجاآوری پر زور دیا اور ایک ایک فریضہ کا نام لے کر اس کی تاکید فرمائی اور پھر حرام سے بچنے کی تاکید کی اور فرمایا کہ کوئی حلال ایسا نہیں مگر یہ کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں اور کوئی حرام نہیں جس سے میں نے تم کو روکا نہ ہو۔ پس موت کو یاد رکھو اور حساب و میزان کا خیال رکھو اور ثواب و عقاب کے ذکر سے غفلت نہ کرو اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تم سے اس امر کی بیعت لوں جو میں تمہارے سامنے پیش کر چکا ہوں (علیؑ اور اس کی اولاد طاہرین کی امامت کے لئے) لیکن چونکہ تمہاری تعداد زیادہ ہے لہٰذا سب کے لئے ناممکن ہے کہ میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھیں۔ پس علیؑ کی خلافت اور اس کی اولاد کی امامت کا یوں عہد کرو کہ سب کے سب یک زبان کہہ دو کہ ہم راضی ہیں اور ان کی ہم اطاعت کریں گے اور ہم بدل وجان اور بدست ولسان اس معاملہ میں آپ کی بیعت کرتے ہیں اور ہم وعدہ شکنی نہ کریں گے۔ پس علیؑ کی بیعت کرو اور حسنؑ و حسینؑ اور تمام آئمہ کی جو میری ذریت سے ہوں گے اور علیؑ کی خلافت کا سلام کرو۔ پھر فرمایا اے لوگو! بولو تو تمام لوگوں نے یک زبان یہ آواز بلند کی کہ ہم سب راضی ہیں اور اپنے مقام سے اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت علیؑ کی بیعت کرنے لگے اور اوّل وثانی ثالث نے سب سے پہلے بیعت کی اور سب لوگوں نے بیعت کی یہاں تک کہ رات کا اندھیرا چھا گیا اور مغرب وعشاء کی نماز اکٹھی ادا کی گئی اور اس کے بعد متواتر تین دن تک بیعت کا سلسلہ جاری رہا۔

(۸) ابن عباس سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا لوگو، خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ علیؑ کو خلیفہ وامام ووصی مقرر کروں لوگو! علیؑ میرے بعد ہدایت کا دروازہ اور خدا کی طرف دعوت دینے والا ہے اور وہ صالح المومنین ہے۔ لوگو! علیؑ مجھ سے ہے اس کی اولاد میری اولاد ہے وہ میری پیاری بیٹی فاطمہ کا شوہر ہے اس کا حکم میرا حکم اور اس کی نہی میری نہی ہے لوگو۔ اس کی اطاعت کرنا اور اس کی نافرمانی نہ کرنا۔ کیونکہ اس کی اطا... میری اطاعت اور اس کی نافرمانی میری نافرمانی ہے

معاشر النّاس ان علیا صدیق هٰذه الامة وفاروقها ومحدثها وانه هارونها ویوشعها واٰصفها وشمعونها وانه باب حطتها وسفینة نجاتها انهٗ طالوتها وَ ذوقرنیها معاشر النّاس - انه محنة الوریٰ والحجة العظمٰی والاٰیة الکبریٰ وامام اهل الدنیا

لوگو! علیؑ اس امت کا صدیق وفاروق اور محدث ہے اور وہ اس امّت کا ہارون ویوشع وآصف وشمعون بھی ہے نیز وہ اس امّت کی بخشش کا دروازہ اور کشتیٔ نجات ہے اور نیز اس امّت کا طالوت ذوالقرنین ہے لوگو! یہ ... نعمت حجّت عظمٰی اور اس کی آیت کبریٰ ہے اور وہ دنیا والوں کا امام اور مضبوط جائے تمسک ہے۔ لوگو!

والعروۃ الوثقیٰ - معاشر الناس - ان علیا مع الحق والحق معہ وعلی لسانہ معاشر النّاس ان علیا قسیم النار لا یدخلھا ولی لہ ولا ینجو منھا عدو لہ وانہ قسیم الجنۃ لا یدخلھا عدو لہ ولا یخرج عنھا ولی لہ الخ

علیؑ حق کے ساتھ اور حق اس کے ساتھ اور اس کی زبان پر ہے - لوگو! علیؑ قسیم النار ہے کہ جہنم میں اس کا دوست نہ جائے گا اور اس کا دشمن بچ نہ سکے گا اور علی قسیم الجنۃ ہے کہ اس میں اس کا دشمن نہ جا سکے گا اور دوست اس سے رہ نہ سکے گا - الخ

(۹) تفسیر برہان میں احتجاج طبرسی سے مروی ہے کہ جب حضور رسالتمآبؐ کا خطبہ ختم ہوا تو لوگوں میں ایک وجیہہ و خوبصورت شخص نمودار ہوا جس سے خوشبو مہک رہی تھی وہ کہہ رہا تھا کہ آج حضرت رسولخداؐ نے اپنے چچازاد کے لئے کس قدر سخت و مضبوط عہد و پیمان لیا جس کو سوائے کافر کے کوئی بھی کھولنے کی جرأت نہ کرے گا اور لمبا عذاب ہوگا اس شخص کیلئے جو اس کو کھولے گا - جب حضرت عمر نے اس کا کلام سُنا تو اس کی طرف مڑ کر دیکھا اس کی دلربا شکل اس کو خوب پسند آئی - پس خدمت اقدس نبوی میں عرض کی کہ حضور! آپ نہیں سنتے - یہ شخص کیسی باتیں کر رہا ہے؟ آپ نے فرمایا اے عمرؓ! تم جانتے ہو یہ شخص کون ہے؟ تو حضرت عمر نے جواب دیا کہ نہیں حضورؐ! تو آپ نے فرمایا یہ رُوح الامین حضرت جبرئیل ہیں - پس خبردار! اس گرہ کو کھولنے کی کوشش نہ کرنا اور اگر تم نے ایسا کیا تو خدا اور اس کا رسولؐ اور مومن اور ملائکہ سب تم سے بے زار ہوں گے -

(۱۰) تفسیر مذکور میں مناقب بن مغازلی شافعی سے بروایت ابی ہریرہ منقول ہے کہ جو شخص ۱۸ ذی الحجہ کا روزہ رکھے اس کے نامۂ اعمال میں ساٹھ ماہ کے روزوں کا ثواب لکھا جاتا ہے اور یہی وہ غدیر خُم کا روز ہے جس میں جناب رسولخداؐ نے حضرت علیؑ کے لئے بیعت لی تھی اور فرمایا تھا اے اللہ تو اس کو دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے اور تو اس کو دشمن رکھ جو علیؑ سے عداوت کرے اور اس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد کرے - پس حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت علیؑ کو ان لفظوں سے مبارک بادپیش کی - بَخٍ بَخٍ لَکَ یَا ابْنَ اَبِیْطَالِبٍ اَصْبَحْتَ مَوْلَایَ وَمَوْلٰی کُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَۃٍ یعنی مبارک مبارک اے فرزند ابوطالب کہ آپ میرے اور تمام مومن مردوں اور عورتوں کے سردار و مولا ہوگئے ہیں - اس کے بعد خداوند کریم نے یہ آیت بھیجی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ الخ سبط بن جوزی سے مروی ہے کہ قصہ غدیر یقیناً حضرت رسالتمآبؐ کی حجۃ الوداع سے واپسی کے موقعہ پر ۱۸ ذی الحجہ کو تھا اور اسی پر علماء کا اتفاق ہے اور ایک لاکھ بیس ہزار کے مجمع میں حضورؐ نے خلافت و ولایت کا اعلان فرمایا تھا - حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مقام تاسف و تحسر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگوں کو صرف دو گواہوں کے کہنے سے حقوق دیئے جایا کرتے ہیں لیکن حضرت علیؑ کو دس ہزار لوگوں کی گواہی کے باوجود بھی اپنا حق نہ مل سکا اور حق بین سے کھلی ہوئی گمراہی اور بغاوت اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟

فضیلت عید غدیر اور اس کے اعمال اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کے لئے وہ دن انتہائی طور پر متبرک ہے

جس دن خدا کی طرف سے اس کے کامل ہونے کی سند پہنچی اور نعمت خداوندی تمام ہوئی اور خلاق عالم نے اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا اور شیعان آلِ محمدؐ کے لئے تو یہ دن خصوصیت سے برکت و عزت کا حامل ہے کہ اس دن حضرت رسالتمآبؐ کی جانشینی کے لئے حضرت علیؑ کو خداوند کریم نے نامزد فرمایا اور خمِ غدیر کے ایک لاکھ چوبیس ہزار کے مجمع میں اپنے پیغمبر کی زبانی اس کا اعلانِ عام فرمایا اور ببانگِ دہل یہ اعلان کیا گیا کہ دینِ اسلام اس قابل ہوا کہ ارشادِ قدرت ہوا رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا یعنی میں نے تمہارے لئے دینِ اسلام کو ہی پسندیدہ دین قرار دیا۔

تفسیر لوامع التنزیل میں امالی صدوق وغیرہ سے منقول ہے حضرت صادق علیہ السلام اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا غدیرِ خم کا روز میری امت کے لئے تمام عیدوں سے افضل ہے۔ اور یہ وہی دن ہے جس میں میں نے خدا کے حکم سے اپنے بھائی علی بن ابی طالبؑ کو امت کے سامنے خلیفہ مقرر کیا۔ تاکہ میرے بعد اس سے ہدایت حاصل کرتے رہیں اور یہی وہ دن ہے جس میں خدا نے اپنے دین کو کامل کیا اور میری امت پر نعمت تمام فرمائی اور دینِ اسلام کو پسندیدہ دین قرار دیا اور کافی سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ جمعہ عیدِ فطر اور عید قربان کے علاوہ مسلمانوں کی کوئی اور عید بھی ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں ایک ایسی عید ہے کہ ان تمام عیدوں سے اس کی عزت زیادہ ہے۔ راوی نے پوچھا حضور وہ کونسی عید ہے؟ تو آپ نے فرمایا وہ وہ دن ہے جس میں حضرت رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کو خلافت کے لئے نصب فرمایا اور فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے اور وہ ۱۸ ذی الحجہ کا دن ہے۔

(۱) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ عیدِ غدیر کا روزہ تمام دنیا کی زندگی کے روزوں کے برابر ہے۔ یعنی اگر کسی کو ابتدائے دنیا سے انتہا دنیا تک کی عمر ملے اور وہ تمام عمر روزے رکھتا رہے تو صرف عید غدیر کے روزہ کا ثواب ان تمام روزوں کے برابر ہوگا۔ نیز عیدِ غدیر کا روزہ اللہ کے نزدیک ایک سو حج اور ایک سو عمرہ کے ثواب کے برابر ہے۔

(۲) خداوندِ کریم نے جس قدر انبیاء بھیجے وہ سب اس دن کو عید مناتے تھے اور اس کو محترم سمجھتے تھے اور ہر نبیؑ نے اپنے وصی کو اس دن کے عید منانے کی وصیت کی اور حضرت رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ کو وصیت کی کہ اس دن کو عید منائی جائے۔

(۳) جو شخص اس روز کسی مومن کو کھانا کھلائے وہ ایسا ہے جس طرح کہ اس نے دس فئام کو کھانا کھلایا ہو اور ایک فئام ایک لاکھ کا ہوتا ہے اور وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے قحط سالی کے زمانہ میں تعداد مذکور کے برابر انبیاء و اوصیاء و شہداء و صلحا کو کھانا کھلایا۔

(۴) اس دن ایک درہم صدقہ کرنا دوسرے دنوں کے ایک لاکھ کے صدقہ کے برابر ہے۔

(۵) امام نے فرمایا یہ گمان نہ کرو کہ کوئی دن اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ حرمت و عزت والا ہوگا۔ ہرگز نہیں

(۶) شیخ طوسیؒ و علامہ مجلسیؒ سے منقول ہے کہ محمد بن فیاض کہتا ہے کہ میں مرو میں بروز غدیر خدمت امام رضا میں حاضر تھا حضرت نے اس دن اپنے مخصوص اصحاب و شیعوں کو جمع کیا ہوا تھا اور رات کو ان کی افطاری کا انتظام فرمایا ہوا تھا اور ان کے گھروں میں کھانا و دیگر خلعت ہائے فاخرہ بھی آپ نے بھجوائی تھیں حتیٰ کہ اپنی نعلین اور انگشتر بھی بھجوا دی تھی اور غلاموں کو اس دن نہایت عمدہ و نفیس لباس عنایت فرمائے تھے اور آپ نے اس دن کے فضائل تمام صحابہ و شیعہ کے سامنے بیان فرمائے۔ من جملہ ان کے یہ فرمایا کہ زمانِ خلافت حضرت امیر علیہ السّلام میں ایک دفعہ جمعہ کو اور غدیر کا ایک دن میں اتفاق ہوا تو حضرت نے طلوعِ شمس سے ۵ گھنٹہ بعد خطبہ شروع فرمایا (موسم سرما میں زوالِ آفتاب اتنی دیر میں ہو جایا کرتا ہے) اور اس دن کے بہت سے فضائل بیان کئے اور فرمایا کہ اس دن اپنے برادرانِ ایمانی سے احسان کرو اور ایک دوسرے کو مبارک باد کہو۔

(۷) اس دن ایک دوسرے پر احسان کرنا مال و عمر کی زیادتی کا موجب ہوتا ہے۔

(۸) ایک دوسرے پر مہربانی کرنا رحمت خداوندی کی زیادتی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

(۹) اس دن عیال و اطفال و برادران و جملہ امید کنندگان اور غلامان و کنیزان پر بخشش و احسان کرنا چاہیئے۔

(۱۰) جو شخص اس دن مومن کی حاجت پوری کرے۔ قبل اس کے کہ وہ اس کا اظہار کرے اور بخوشی و رضا اس کے ساتھ احسان کرنے تو ایسا ہے جیسا کہ اس نے اس دن کا روزہ رکھا ہو اور اس کی ساری رات عبادتِ خدا میں بسر کی ہو

(۱۱) اور جو شخص بوقت شب ایک مومن کو افطاری دے یعنی اس کو کھانا کھلائے تو گویا اس نے ایک ہزار پیغمبر و شہید و صدیق کو کھانا کھلایا۔ تو کتنا عظیم ثواب ہوگا اس شخص کے لئے جو کئی مومن مردوں اور عورتوں کی خبر گیری کرے اور اگر کوئی شخص ایسا کرنے والا ہو تو میں ضامن ہوں کہ خدا اس کو کفر و فقر کی موت نہ دے گا اور اگر اس دن مر گیا تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(۱۲) اگر کوئی شخص اس دن برادران ایمانی کے لئے قرض اٹھائے گا تو میں ضامن ہوں کہ ادائیگی قرضہ تک خدا اس کو زندگی دے گا اور مرے گا تو خدا اس کے قرض کی ادائیگی کا بندوبست فرما دے گا۔

(۱۳) اس دن جب ایک دوسرے سے ملاقات کرو تو مصافحہ کرو اور ایک دوسرے کو مبارکباد کہو (لوامع التنزیل)

(۱۴) مفضل بن عمرو نے حضرت صادق علیہ السّلام سے دریافت کیا کہ آیا میں عید غدیر کا روزہ رکھوں تو آپ نے فرمایا ہاں خدا کی قسم اور تین بار آپ نے قسم کھائی اور فرمایا اسی دن خدا نے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول کی اور انہوں نے شکریہ میں روزہ رکھا اور اسی دن حضرت ابراہیمؑ نے آتش نمرود سے نجات پائی اور خوشی میں روزہ رکھا۔ اور اسی دن حضرت موسےٰ نے ہارون کو اپنا وصی مقرر کیا تو انہوں نے خوشی میں روزہ رکھا۔ اور اسی روز حضرت عیسیٰؑ نے شمعون کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

اور شکریہ میں روزہ رکھا اور اسی دن حضرت رسالتمآبؐ نے اپنے بھائی حضرت علیؑ کو وصی وجانشین مقرر کیا۔ اور لوگوں میں اس کا اعلان کیا اور اس نعمتِ خداوندی کے شکریہ میں روزہ رکھا۔

(۱۵) یہ دن عبادت کا ہے اور مومن بھائیوں کو کھانا کھلانے اور ان سے نیکی کرنے کا دن ہے اور امام رضاؑ سے منقول ہے کہ اگر لوگ اس دن کی فضیلت کو اس طرح جانتے جس طرح جاننے کا حق ہے تو ہر روز دس مرتبہ ملائکہ کرام ان کا مصافحہ کرتے۔

(۱۶) اس دن خدا مومنوں سے راضی ہوتا ہے اور شیطان کا ناک خاک سے رگڑا جاتا ہے۔

(۱۷) مصباح المتہجد سے جو خطبہ حضرت امیر علیہ السلام سے منقول ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیثؑ اور حضرت ادریسؑ اور حضرت یوشعؑ اور حضرت شمعونؑ کا یہی دن ہے یعنی وہ بھی اسی دن میں اپنے عہدۂ جلیلہ پر فائز المرام ہوئے

(۱۸) اس روز حضرت علیؑ کے فضائل ومناقب کا مذاکرہ کیا جائے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ پر زیادہ سے زیادہ درود بھیجا جائے

(۱۹) اس روز خوشی منانی چاہیئے لیکن نہ کہ جوا بازی و شراب خوری سے یا لہو ولعب اور شیطانی طریقہ سے بلکہ ایک دوسرے کی حاجت روائی باہمی خوشنودی اور ذکرِ خدا و رسولؐ و ذکرِ اہلبیتؑ سے۔

(۲۰) اس دن کے روزہ کا ثواب بھی زیادہ ہے تو اگر کوئی شخص اس دن روزہ رکھے اور دوسرا مومن بقصدِ ثواب اس کو اپنے ہاں کھانے کے لئے دعوت دے تو روزہ دار مومن کو چاہیئے کہ اپنے روزہ کا اظہار نہ کرے اور اس کی دعوت کو قبول کرلے اور اس کے ہاں کھانا کھالے اور اگر ایسا کرے گا تو اس کو ستر سال کے روزوں کا ثواب مزید ملے گا۔ لیکن یہ خیال رہے کہ عام طور پر جو مروج ہے کہ روزہ دار اس نیت سے روزہ رکھ لیتے ہیں کہ ابھی کوئی افطار کرائے گا بلکہ روزہ رکھنے سے قبل اس قسم کے منصوبے تیار کرلئے جاتے ہیں پس روزہ کا نام کرلیا اور صبح کو ایک دوسرے کو افطار کرالیا۔ میرے خیال میں یہ نہایت مذموم رواج ہے اور شرعی حکم سے تمسخر کے مترادف ہے بلکہ اس طرح چاہیئے کہ روزہ رکھنے والوں کو افطاری کی توقع نہ ہو اور نہ اس توقع کے ماتحت وہ روزہ رکھے۔ ورنہ درحقیقت اس قسم کا روزہ روزہ کہلانے کا مستحق ہی نہ ہوگا اور اسی طرح افطار کرانے والا یہ علم نہ رکھتا ہو کہ اس کو روزہ ہے اور اگر بالفرض اس کو علم ہے تو پھر دعوت نہ دینی چاہیئے ہاں اگر اس نے چند مومنوں کو دعوت دی اور ان میں سے بعض کو یا سب کو حسنِ اتفاق سے روزہ ہو تو ان کو بلا اظہار کھانا لینا چاہیئے۔ دریں صورت ہر دو کو ثواب ملے گا۔ واللہ اعلم

(۲۱) اس روز غسل کرنا اور حضرت امیر علیہ السلام کی زیارت کرنا سنت ہے اور کتاب مفاتیح الجنان میں اس دن کی زیارت مخصوصہ اور ادعیہ منقولہ موجود ہیں۔

(۲۲) اس دن زوالِ آفتاب سے نصف گھنٹہ پہلے دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد دس مرتبہ قل شریف اور دس مرتبہ انا انزلنا اور دس مرتبہ آیۃ الکرسی پڑھے۔ اس کا ثواب ایک لاکھ حج اور ایک لاکھ عمرے

کے برابر ہوگا اور دنیا و آخرت کی حاجات میں سے جو بھی سوال کرے گا خدا قبول فرمائے گا اور اس کی حاجت پوری کرے گا۔

(۲۴) امام رضا علیہ السلام نے ابو نصر بزنطی سے فرمایا کہ اے ابو نصر تو جہاں بھی ہو غدیر کے روز حضرت علیؑ کی قبر پر پہنچنے کی کوشش کرنا کیونکہ اس دن خدا ہر مومن مرد ہو یا عورت کے ساٹھ سالہ گناہ بخش دیتا ہے اور ماہِ رمضان اور شبِ قدر اور شبِ عید الفطر کے برابر گنہگاروں کو آتش دوزخ سے آزاد کرتا ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ الخ:۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دینِ اسلام بیعت غدیر کے بعد کامل ہُوا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے قبل کامل نہ تھا بلکہ ناقص تھا۔ لہٰذا رسالتمآبؐ کی تئیس سالہ زندگی میں صحابہ کرام ناقص دین پر رہے اور حضورؐ بھی ناقص دین کے ترجمان رہے اور اس دور میں جن جن صحابہ کبار کا انتقال ہُوا یا جو جو صحابہ مختلف جہادوں میں شہید ہوئے وہ سب کے سب ناقص دین پر رہ کر مرگئے یا ناقص دین کے لئے جہاد کرکے دنیا سے کوچ کر گئے۔ لہٰذا وہ لوگ قابلِ مدح و ثنا نہ رہے اور نہ ان کا ایمان موجب نجات و فلاح ہُوا حالانکہ وہ لوگ یقیناً قابل مدح تھے اور ناجی تھے اور قرآن کریم اس کا شاہد ہے۔

جواب:۔ دینِ اسلام ہر زمانہ میں کامل رہا لیکن ہر زمانہ کا کمال اپنی اپنی حیثیت کے مطابق تھا۔ یعنی گذشتہ زمانہ کے لحاظ سے کامل تھا لیکن مستقبل کے اعتبار سے وُہ بعض اوقات ترمیم یا تنسیخ یا اضافہ کا محتاج ہوتا تھا۔ مثلاً ابتدائے اسلام میں حضورؐ نے فرمایا تھا قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا کہ لا الٰہ الا اللہ کہو تو فلاح پاؤ گے تو اس وقت وقتی تقاضا کے لحاظ سے دینِ اسلام کلمہ توحید کے اقرار کرنے کا نام تھا اور فلاح کا دارومدار اسی پر تھا جب لوگ اس زینہ پر پہنچ گئے تو یکے بعد دیگرے موزونیّت و مناسبت کے لحاظ سے احکام شرعیہ کا اضافہ ہوتا گیا اور بعض احکام میں مصلحت کے لحاظ سے ترمیم و تنسیخ کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اور اس سلسلہ کی ہر کڑی یا اس منزل کا ہر زینہ اپنے مقام پر ماضی کے اعتبار سے کامل تھا لیکن مستقبل کے لحاظ سے اس میں معمولی ردّ و بدل یا اضافہ کی گنجائش رہی جو خدا کے علم میں تھی۔ پس ہر دور کا مسلمان اپنے زمانہ کا کامل الایمان تھا اور ان کی موت کمالِ ایمان پر تھی اور جب کہ اسلام کے تمام احکام و فرائض لوگوں تک پہنچا دیئے گئے اور جناب رسالتمآبؐ نے تبلیغ کا فریضہ بھی انجام دے دیا تو تعلیمات اسلامیہ کی بقاء کے لئے ضروری تھا کہ حضورؐ کے بعد کوئی ایسا شخص نامزد ہو جو حضورؐ کی طرح دینِ اسلام کا ذمہ دار قرار دیا جاسکے اور چونکہ اس دین کا کمال صرف ماضی کی مناسبت سے نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے یہ دین کامل ہے اور اب تاقیامت اس میں نہ کسی ردّ و بدل کی گنجائش ہے اور نہ اضافہ کی ضرورت ہے تو اس کی تعلیمات کا انچارج جب تک معین نہ ہو۔ اس وقت تک اسلام کو دین کامل کہنا لغو اور بے معنی رہ جاتا ہے کیوں کہ حسبِ ضرورت ادویہ کا وجود کسی دار الشفا کے کامل ہونے کی سند نہیں بن سکتا جب تک ان کے سمجھنے سمجھانے اور برمحل استعمال کرانے والا ماہر ڈاکٹر اس کا انچارج مقرر نہ ہو۔ اسی طرح محکمہ تعلیم کی طرف سے سکولوں کا اچھا نصاب سکولوں کی کامیابی و کمال کا ضامن نہیں بن سکتا۔ جب تک کہ ذمہ دار اساتذہ اور دیانت دار معلمین کا انتخاب نہ ہو۔ بنا بریں

مقامِ خم غدیر میں بحکم خدا تعلیماتِ اسلامیہ کی بقا کے لئے جب جناب رسالتمآبؐ نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو بحیثیت اپنے جانشین کے مقرر فرمایا اور ایک لاکھ بیس ہزار کے مجمعِ عام میں اس کا اعلان فرمایا اور عملی طور پر بیعت بھی لے لی تو دینِ اسلام کا آخری فریضہ ادا ہو گیا۔ پس ارشادِ قدرت ہوا کہ آج میں نے دین کو کامل کر دیا اور نعمت تمام کر دی اور اسلام کو تمہارے لئے پسندیدہ دین قرار دیا۔ پس دین کا یہ کمال صرف ماضی کے مقابلہ میں نہیں بلکہ مستقبل میں بھی اس پر کسی نسخ یا اضافہ کی گنجائش نہیں رہی۔ اس لئے اس کو کامل آج کہا گیا۔ یعنی دینِ اسلام ابتداء سے لے کر آج تک ہر لمحہ بلحہ کامل تھا لیکن ہر لمحہ د وقت کا کمال محدود تھا اور آج بروز غدیر ایسا کامل ہوا ہے کہ اس کے کمال کی حد قیامت ہی ہے۔

تمام اور کمال میں فرق

تمامیت کسی چیز کی ذاتی اجزاء کے اعتبار سے ہوتی ہے اور کمال خارجی صفت کے پیشِ نظر ہوتی ہے۔ مثلاً جسمِ انسانی میں تمام اجزا بدن کا پایا جانا ہے تمامیت اور بدن کی تمامیت کے بعد رُوح کا آنا ہے کمال۔ اسی طرح ہر عضوِ بدن میں اپنے ضروری اجزاء و مواد کا وجود ہے تمامیت اور اس میں جوہرِ روح کا وجود ہے کمال۔

اس تمہید کو سمجھنے کے بعد یہ بات خود بخود سمجھ میں آجائے گی کہ ولایتِ علیؑ کو باقی فرائض و احکامِ اسلامیہ سے کیا نسبت ہے؟ اعلانِ ولایت کے بعد خداوندِ کریم دینِ اسلام کو کمال کی سند دے رہا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اعلانِ رسالت سے اعلانِ ولایت تک کے ۲۳ سالہ دَور میں علمِ خداوندی کے اعتبار سے اسلامی ڈھانچہ میں وقتی مناسبت و مصلحت کے مطابق فرائض و احکام کی بحیثیت اجزاء ضروریہ کے آمد ہوتی رہی اور غیر ضروری اور مُضر مواد کا قلع قمع کیا جاتا رہا اور ہر دَور میں جناب رسالتمآبؐ کی سرپرستی اسلامی جسم کا روحِ رواں تھی لہذا ہر دَور میں وہ وقتی طور پر کامل تھا۔ لیکن اب جبکہ جسمِ اسلام میں تمام اجزاء ضروریہ موجود ہو گئیں اور بڑھاؤ ختم ہو گیا اور عنقریب سایۂ رسالت بھی سر سے اُٹھنے والا تھا تو ضروری تھا کہ اس کو جوہرِ رُوح ایسا عطا کیا جائے جو اسلام کو تا قیامت زندہ رکھے اور وہ تھا جوہرِ ولایت۔ کیونکہ نبوّت کی حد ختم ہو گئی لیکن ولایت کی حد قیامت تک ہے جس طرح کہ اسلام کی آخری حد قیامت ہے۔ پس چونکہ ولایت جسمِ اسلام کے لئے رُوح کی حیثیت رکھتی ہے۔ لہذا اس کے اعلان کے بعد اسلام کو کامل کہا گیا ورنہ احکامِ حج کے بیان کے بعد اس کو تمامیت تو حاصل ہو گئی تھی۔ کیونکہ فرائضِ اسلام میں سے یہ آخری فریضہ تھا جس کو حضورؐ نے اپنے عمل سے تمام لوگوں کو سمجھا سکھا دیا تھا۔

خداوندِ کریم نے ولایتِ علیؑ کے بعد جس طرح اسلام کو کمال کی سند دی اس طرح نعمت کو تمامیت کی سند دی گویا تعلیماتِ اسلامیہ تمام ہو چکی تھیں۔ ان کے لئے جوہرِ رُوح کی ضرورت تھی تاکہ اسے کامل کہا جائے اور نعماتِ خداوندی جن کو شمار ہی نہیں کیا جا سکتا۔ وہ کتنی زیادہ ہی کیوں نہ ہوں وہ ناتمام کی ناتمام تھیں ان میں سے ایک ایسے فردِ فرید کی ضرورت تھی جس کے بعد اس کو تمام کہا جا سکے پس اعلانِ ولایت و خلافت نے جہاں ایک طرف اسلام کا رُوحِ رواں بن کر اس کو

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۚ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ

آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز حلال ہے ان کے لئے کہہ دیجئے حلال ہیں تمہیں پاکیزہ اور (شکار) سیکھے ہوئے شکاری کتوں

الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ

کا جن کو تم نے سکھایا ہے اپنی خداداد لیاقت سے پس کھاؤ وہ جو پکڑیں تمہارے لئے

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○

اور لو نام اللہ کا اس پہ (چھوڑتے وقت) اور اللہ سے ڈرو تحقیق اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اس کو کمال کی سند دلوائی اس طرح نعماتِ الٰہیہ کی آخری فرد بن کر اس کو تمامیت کا تمغہ عطا کیا

لہٰذا اہلِ اسلام کے لئے ولایتِ علیؑ کی قدردانی دو پہلوؤں سے واجب و فرض ہے ایک تو اس لئے کہ ولایتِ علیؑ اسلامی ڈھانچہ کے لئے رُوح کی حیثیت رکھتی ہے لہٰذا اسلامی کوئی فریضہ ہو جب تک ولایتِ علیؑ اس کی رُوح نہ ہو وُہ مُردہ کی حیثیت سے ہوگا اور اس کی قیمت کچھ بھی نہ ہوگی اور اس اعتبار سے اسلامی عبادت بے رُوح ہوگی۔ جس طرح اسلام اعلانِ غدیر کے بعد بغیر ولاءِ علیؑ کے ناقص و بے رُوح ہے۔ اسی طرح اس کا ہر حکم و فریضہ ولاءِ علیؑ کے بغیر مُردہ ہے لہٰذا ہر مسلمان کو پہلے یہ سوچنا چاہیئے کہ میرے اسلام میں رُوح بھی ہے یا نہیں اور دوسرے ولایتِ علیؑ کی اس لئے بھی قدر ضروری ہے کہ خداوندی نعمات میں سے یہ وہ نعمت ہے کہ باوجود نعماتِ الٰہیہ کے شمار میں نہ آسکنے کے اس کے اعلان نے نعمات کو تمامیت کا تمغہ دلوایا۔ گویا توحید و رسالت کے اقرار کے بعد یہ نعمت تمام نعمات کی رئیس ہے اور یہ نعمت حاصل ہوگئی تو گویا تمام نعمات غیر متناہیہ حاصل ہوگئیں اور توحید و رسالتؐ کے بعد تمام نعمتوں سے یہ نعمت زیادہ مستحق ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے۔ پس ہر مسلمان کے لئے شکر نعمت کی ادائیگی کے طور پر اور تعلیماتِ اسلامیہ بلکہ نفسِ اسلام میں روح پیدا کرنے کی خاطر ولایتِ علیؑ کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں اور جب ولاءِ علیؑ کو اسلام میں اسقدر ضروری قرار دیا گیا اور مسلمانوں پر اس کی اہمیّت کو واضح کر دیا گیا تو کون منصف مزاج انسان ہے جو اس سے روگردانی کرے۔ تو اب خدا نے بھی اسی اسلام کے متعلق فرمایا رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ کہ تمہارے لئے میں نے اسلام کو دینی حیثیّت سے پسند کیا۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

زاہد تیری نماز کو میرا سلام ہے ۔۔۔ بن حُبِّ اہلبیتؑ عبادت حرام ہے۔

سیکھے ہوئے کتّے کا شکار

يَسْئَلُوْنَكَ ۔ اس سے پہلے وہ چیزیں بتائی گئی ہیں جن کا کھانا حرام ہے پس اس آیتِ مجیدہ میں سوال و جواب کے رنگ میں حلال اشیاء بیان کی

گئی ہیں گویا جب حرام اشیاء کا ذکر ہوا تو انہوں نے دریافت کیا کہ ہمارے لئے حلال کونسی چیز ہے؟ تو جواب ملا کہ پاک و پاکیزہ اور طیب چیزیں یا جن سے طبیعت سلیمہ متنفر نہ ہو خواہ حلال ذبح شدہ جانوروں کی قسم سے ہوں یا زمین کی پیداوار سے ہوں سب حلال ہیں۔

وَمَا عَلَّمْتُمْ:۔ جب طیب چیزوں کی حلیت معلوم ہوگئی تو غیر طیب چیزوں کا حرام ہونا خود بخود واضح ہوگیا لہٰذا وہ جانور جو شرعی طریقہ سے ذبح نہ کیا جا سکے وہ بھی غیر طیب ہوگا اور حرام ہوگا اور چونکہ شکار کی صورت میں یہ مشکل بسا اوقات پیش آیا کرتی ہے خصوصاً جس زمانہ میں بدؤں کا گذارہ ہی بعض اوقات شکار پر ہوا کرتا تھا تو ان کے لئے بہت مشکل تھی اور بعض لوگوں نے خدمت رسالتمآبؐ میں اپنی اس مشکل کا اظہار بھی کیا چنانچہ عدی بن حاتم نے حاضر ہو کر عرض کی کہ کتوں کے ذریعے سے جب ہرنیوں اور نیل گاؤں کو شکار کیا جاتا ہے تو بعض کو صحیح طریقہ پر ذبح کر لیتے ہیں۔ لیکن بعض دفعہ انہیں ذبح نہیں کیا جا سکتا بلکہ پہنچنے سے پہلے وہ مر جاتی ہیں اور مردار کا کھانا بھی حرام ہے تو ایسی صورت میں ہم کیا کریں؟ پس خدا نے اس آیت مجیدہ کے ذریعے سکھے ہوئے کتوں کے شکار کو حلال قرار دیا جو ذبح کرنے سے پہلے مر جائے بشرطیکہ اس کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا ہو۔

مُكَلِّبِيْنَ:۔ یہ تکلیب سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے سکھانا پس مُکلّب کا معنی کتوں کو شکار سکھانے والا اور مکلبین حال ہے عَلَّمْتُمْ کے فاعل سے اور یہی لفظ پہلی تعمیم کے لئے مخصص ہے یعنی باقی شکاری جانوروں کا شکار ذبح کے بغیر حلال نہیں اور کتے کا شکار اگر ذبح نہ کیا جا سکے بلکہ پہنچنے سے پہلے مر جائے تو حلال ہے یہ آئمہؑ اہلبیت کا مذہب ہے لیکن باقی مذاہب میں ہر جانور کا شکار خواہ ذبح نہ بھی ہو سکے حلال ہے اور جوارح جارحۃ کی جمع ہے اور یہ جرح یجرح سے ہے اس کا معنی ہے کسب کرنا جس طرح کہ قرآن میں ہے اِجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ اور دوسرے مقام پر ہے يَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ شکاری جانوروں کو جوارح اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ بھی شکار کسب کر کے مالک کے پیش کرتا ہے۔ تفسیر صافی میں کافی و تہذیب سے منقول ہے کہ یہاں صرف شکاری کتوں کا شکار ہی مراد ہے اور حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ اگر باز، شکرہ یا عقاب کسی جانور کو پکڑیں تو اس جانور کا کھانا جائز نہیں۔ جب تک اس کو صحیح طریقہ پر ذبح نہ کیا جائے نیز آپ سے جب باز اور کتے دونوں کے شکار کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ باز کا شکار نہیں کھایا جا سکتا۔ جب آپ سے باز اور کتے دونوں کے شکار کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ باز کا شکار نہیں کھایا جا سکتا جب تک کہ اس کو صحیح طریقہ پر ذبح نہ کیا جائے لیکن کتے کا شکار کھایا جا سکتا ہے اگر ذبح سے قبل بھی مر جائے خواہ کتا اس کو منہ لگا چکا ہو یا نہ جب کہ کتے کو اس پر اللہ کا نام لے کر چھوڑا گیا ہو۔

مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ:۔ تفسیر لوامع التنزیل اور مجمع البیان میں تفسیر قمی سے مروی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے شکاری پرندوں اور کتوں کے شکار کردہ جانور کی حلیت و حرمت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے جواب

میں ارشاد فرمایا کہ بغیر تذکیہ کے کوئی شکار نہ کھاؤ۔ سوائے کتے کے شکار کے کہ وہ بغیر تذکیہ کے کھایا جاسکتا ہے۔ راوی نے پوچھا کہ اگرچہ کتا اس کو قتل بھی کر دے تو فرمایا ہاں بے شک کھالو اور پھر آپ نے اسی آیت مجیدہ کو استشہاد کے طور پہ تلاوت کیا اور پھر فرمایا ثُمَّ قال کلّ شئٍ من السباع تمسك الصید علی نفسھا الا الکلاب المعلمة فانھا تمسك علی صاحبھا۔ یعنی کہ تمام شکاری جانور شکار کو اپنے لئے پکڑتے ہیں سوائے کتوں کے کہ وہ شکار کو مالک کے لئے پکڑتے ہیں اور فرمایا کہ جب سیکھے ہوئے شکاری کتے کو چھوڑنے لگو تو بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھ کر چھوڑو۔ پس یہی اس کا تذکیہ ہے اگر شکار مر بھی جائے گا تو حلال ہوگا۔ تفسیر مجمع البیان میں عدی بن حاتم سے مروی ہے۔ کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ جب کتا شکار میں سے کچھ کھالے تو پھر اس شکار کو تم نہ کھاؤ کیونکہ وہ شکار اس نے اپنے لئے پکڑا ہے۔ اذا اکل الکلب من الصید فلا تاکل منہ فانہ امسك علی نفسہ۔

سیکھے ہوئے کتے کا شکار اگر کتے کے ہاتھوں میں ذبح سے پہلے مر جائے تو کھانا اس کا جائز ہے جب کہ یہ شرطیں پائی جائیں۔ (۱) کتا چھوڑنے والا مسلمان ہو (۲) کتے کو شکار کے لئے چھوڑا ہو اگر کسی اور غرض کے لئے چھوڑا یا خود چھوٹ گیا اور اس نے شکار مار لیا تو وہ حرام ہوگا۔ ہاں اگر زندہ پہ پہنچ جائے اور صحیح ذبح کرلے تب حلال ہوگا (۳) کتے کو چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھے (۴) کتا شکار کرے کہ مالک کی نظروں سے غائب نہ ہو جائے۔ ورنہ اگر غائب ہونے کے بعد اس پر پہنچے اور وہ مر چکا ہو تو حلال نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ ممکن ہے کسی اور وجہ سے اس کی موت واقع ہوگئی ہو۔ خواہ اس حالت میں کتا اس کے پاس بھی کھڑا ہو (۵) کتا سیکھا ہوا ہو اور کتے کے سیکھے ہوئے ہونے کی تین شرطیں ہیں (۱) جب مالک بھیجے تو وہ بلا انکار جائے (۲) جب مالک روکے تو فوراً رک جائے خواہ شکار پر پہنچ ہی چکا ہو (۳) شکار کو خود نہ کھاتا ہو اور اگر شاذ طور پہ کھالیا تو اس میں حرج نہیں اور کتے میں یہ شرائط پختگی سے پائی جاتی ہوں اور متعدد بار اسے آزمایا گیا ہو تب اس کا شکار حلال ہوگا۔ کتے کا شکار کو خود کھانا چونکہ اس کے نہ سیکھے ہوئے ہونے کی دلیل ہے۔ اس لئے اس کا شکار حرام ہے جس طرح کہ احادیث سے سمجھا جاتا ہے۔

مِمَّآ اَمۡسَكۡنَ کا مِنۡ یا تو زائد ہے اور یا تبعیض کے لئے ہے اور تبعیض کی صورت میں معنی یہ ہوگا جو شکار اس نے پکڑا ہے اس کا بعض حصہ کھاؤ۔ کیونکہ حلال جانوروں کے بھی بعض اعضاء حرام ہوا ہی کرتے ہیں جن کو کھانا ناجائز ہوتا ہے اور یا یہ مقصد ہوگا کہ اگر کتا اس میں سے کچھ کھا چکا ہو تو باقی تم کھالو تو بعض لوگ اس سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ کتے کا کھالینا شکار کی حرمت کا موجب نہیں بنتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت ہوگا جب کہ شاذ طور پہ ایسا معاملہ ہو جائے ورنہ اگر ہر شکار کو وہ خود کھالیا کرتا ہو تو وہ کلب معلّم نہیں کہلا سکتا اور نہ اس کا کوئی شکار حلال ہوسکتا ہے جب تک کہ صحیح طور پہ ذبح نہ کیا جاسکے۔

وَاذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهِ : اس کے معنی میں تین احتمال ہیں (۱) جب کتے کو شکار کی طرف چھوڑو تو اللہ

کا نام لو یعنی بسم اللہ پڑھو ② ضمیر مجرور کا مرجع مَآ اَمۡسَكۡنَ ہو تو معنی یہ ہوگا کہ جس جانور کو پکڑے اور تم اس کے مرنے سے پہلے پہنچ جاؤ تو اس جانور پر اللہ کا نام لو یعنی پُورے شرائط کے ساتھ اس کو ذبح کرو اور ان شرائط میں سے بسم اللہ بھی ہے ③ ضمیر مجرور کا مرجع اکل کو قرار دیا جائے جو كُلُوۡا کے صیغۂ امر سے سمجھا جاتا ہے تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ جب کھانا کھانے لگو تو اللہ کا نام لو اور اسی سے بعض علماء نے کھانے سے قبل بسم اللہ کا پڑھنا واجب قرار دیا ہے اور جس کھانے پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو اس کو حرام کہا ہے۔

مسئلہ :- اگر شکاری کتے نے کسی شکار کو پکڑا ہو اور اس کے مرنے سے پہلے انسان پہنچ جائے تو اس کو تکبیر پڑھ کر ذبح کرنا واجب ہے اس صورت میں کتے کے چھوڑتے وقت جو تکبیر پڑھی تھی کافی نہ رہے گی۔ ورنہ اگر ذبح نہ کیا یا اسی پہلی تکبیر کو کافی سمجھ کر ذبح کر لیا تو دونوں صورتوں میں وہ جانور حرام ہو جائے گا۔ ہاں اگر اس کے پہنچنے سے پہلے وہ جانور مر چکا ہو تو بلا ذبح حلال ہے اور وہی پہلی تکبیر اس کے تذکیہ کے لئے کافی ہے۔

لطیفہ :- مرحوم مولانا ملک فیض محمد مکھیالوی قدس سرہ جو اپنے زمانہ میں فنِ مناظرہ میں اپنی نظیر آپ تھے۔ یاروالا ضلع ملتان کے مناظرہ میں بسبب بعض صحابہ کے ایمان کے ثبوت میں مخالف مناظر نے جناب شہر بانو کا قید ہو کر آنا اور امام حسینؑ کی زوجیت سے مشرف ہونا پیش کیا تھا تو مرحوم و مغفور نے جواب میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی تھی جس میں خدا نے سکھے ہوئے کتے کا شکار حلال قرار دیا ہے مرحوم فرماتے تھے کہ اس مناظرہ میں شرط یہ تھی کہ قرآن کے علاوہ کسی دوسری کتاب کو پیش نہ کیا جائے۔

بس آیت کو چند بار جب جھوم جھوم کر اپنی خاص طرز میں تلاوت کیا اور ترجمہ کیا تو مخالف مناظر میدانِ مناظرہ چھوڑ گئے اور اہلِ شیعہ کی فتح ہوگئی۔

کتا رکھنا اور پالنا

تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور کہا ہم ملائکہ اس گھر میں داخل نہیں ہوا کرتے جس گھر میں کتا موجود ہو۔ ابورافع کہتا ہے کہ مجھے حضورؐ نے حکم دے دیا کہ مدینے میں جس قدر کتے ہیں ان کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ تعمیل ارشاد میں سب کتوں کو مار دیا گیا پھر بعض لوگوں نے دریافت کیا کہ آیا کوئی کتا ہم رکھ بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ تو آپ خاموش ہوگئے اور جب یہ آیت اتری تو آپ نے شکاری کتوں کے رکھنے کی اجازت دی اور بے فائدہ اور موذی کتوں کے مارنے کا حکم دے دیا لیکن شکار سے مراد یہ شکار نہیں جو عام لوگ سیر و تفریح لہو و لعب اور دل بہلاوے کے طور پر کیا کرتے ہیں اور جنگلی سور یا خرگوش وغیرہ کے مارنے کے لئے کتوں کو استعمال کیا کرتے ہیں بلکہ شکار سے مراد وہ شکار ہے جو اپنے یا اپنے بچوں کے پیٹ پالنے کے لئے کیا جائے جس طرح اس زمانہ میں مروّج تھا۔ پس اس قسم کے شکار کے لئے کتا رکھنا جائز ہے نیز گھر، کھیتی، باغ اور مال مویشی کی حفاظت کے لئے بھی کتا رکھنا جائز ہے اور اس قسم کے کتوں کی خرید و فروخت بھی جائز

ہے۔ان کے علاوہ کوئی کتا رکھنا جائز نہیں اور نہ ان کی خرید و فروخت جائز ہے بلکہ ان کی قیمت لینا دینا حرام ہے اس زمانِ فتنہ میں صرف اہلِ مغرب کی خوشنودی کے لئے لوگوں نے کتے کو پاک ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے اور بے باکانہ طور پر کتے پروری کو جائز قرار دیا ہے۔شریعت مقدسہ نے کتے کو نجس قرار دیا ہے اور اس کا رکھنا باستثناء مذکور حرام فرمایا ہے اور تمام اہلِ اسلام اس پر متفق ہیں اور رسالتمآب سے اس بارہ میں بہت کچھ احادیث منقول ہیں۔لیکن فتنہ پرور لوگ بات بات پر یہی رٹ لگاتے ہیں کہ قرآن سے ثابت کرو۔خیر یہ سوال تو وہی لوگ کرسکتے ہیں۔جو خود بھی حَسْبُنَا كِتَابُ اللہ کے قائل ہوں اور جن سے سوال کیا جارہا ہو وہ بھی حَسْبُنَا كِتَابُ اللہ کے قائل ہوں۔ ہم تو ثقلین کے ماننے والے ہیں۔ہمارے لئے قرآن اور کلامِ محمدؐ و آلِ محمدؐ دونو برابر طور پر واجب الاتباع ہیں۔ہمارا دین اگرچہ قرآن ہے لیکن قرآن کے ترجمان و مفسر سوائے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے ہم کسی کو نہیں جانتے اور قرآن کے مفاہیم کو جس طرح وُہ واضح کرسکتے ہیں اور کوئی نہیں کرسکتا۔اسی لئے حضورؐ نے متعدد بار فرمایا کہ یہ قرآن کے ساتھ اور قرآن ان کے ساتھ ہے علی مع القرآن والقرآن مع علی کی حدیث سابقہ جلدوں میں کئی دفعہ نقل کی جاچکی ہے پس چونکہ کتے کو بھی محمدؐ و آلِ محمدؐ نے نجس قرار دیا ہے اور اس کا رکھنا، خریدنا، بیچنا ناجائز کہا ہے۔سوائے مذکورہ بالااقسام کے تو ہم کو تسلیم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں اور اگر مغرب زدہ ذہنیت خواہ مخواہ قرآنی استشہاد طلب کرنے پر مصر ہوجائے تو ہم کہیں گے کہ خداوندکریم نے قرآن مجید میں خبائث کو حرام قرار دیا ہے اور ان سے دُور رہنے کا حکم بھی دیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ کتا ایک درندہ جانور ہے اور درندگی ایک ایسی بدصفت ہے جس کی خباثت اظہر من الشمس ہے۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ کتا خبیث جانور ہے تو قرآن نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ خبائث سے اجتناب کرو۔پس اسی سے اس کی نجاست اور حرمت بھی ثابت ہوگئی اور اس کا رکھنا، پالنا، خریدنا، بیچنا بھی ناجائز ثابت ہوگیا۔ہاں باقی درندہ جانوروں میں سے صرف کتے کو نجس کہا کیونکہ یہ باوجود درندہ ہونے کے اہلی جانور ہے جنگلی نہیں۔پس چونکہ یہ جانور انسان سے زیادہ مانوس ہے اور تمام گھروں میں بالعموم داخل ہوتا ہے اور پاک ہونے کی صورت میں ڈر تھا کہ مبادا انسان اس کو کھانے کی جرأت نہ کر بیٹھے اور اس میں بھی وہی درندگی کے صفات آجائیں جن سے انسان کے دامن کو بلند رکھنا مقصود ہے پس اس کو نجس قرار دیا گیا تاکہ باوجود قرب کے انسانی طبائع اس سے متنفر رہیں اور اس کو اپنی غذا بنا کر اپنے مزاج میں درندگی کی صفاتِ بد کو جنم نہ دیں۔

مسئلہ:۔ کتے کے علاوہ باقی شکاری جانوروں کا مارا ہوا شکار خواہ درندوں میں سے ہوں یا پرندوں میں سے ہوں تب حلال ہوسکتا ہے جب اس کو صحیح طریقہ سے ذبح کیا جائے۔

مسئلہ:۔ تلوار، نیزہ، تیر بلکہ ہر تیز دھار آلہ کے ساتھ شکار کیا جاسکتا ہے بایں معنی کہ اگر بسم اللہ پڑھ کر کسی جانور کو مارے اور وہ مرجائے تو حلال ہوگا۔چنانچہ جواہر میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر کوئی

شخص کسی جانور کو اللہ کا نام لے کر کسی ہتھیار کے ساتھ زخمی کر ڈالے اور وہ جانور دو تین روز کے اندر اسی آلہ کی ضرب کی وجہ سے مرجائے اور اس اثناء میں اسے کسی درندہ نے کاٹا نہ ہو تو اس کا گوشت کھایا جاسکتا ہے نیز صحیح حلبی میں حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اگر انسان تلوار نیزہ یا تیر کے ساتھ بسم اللہ پڑھ کر کسی حیوان کو قتل کر ڈالے تو آپ نے فرمایا اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ علی بن جعفر روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اگر ایک شخص کسی گورخر یا ہرن کو تلوار سے دو ٹکڑے کر ڈالے تو اس کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا اگر بسم اللہ پڑھ کر مارا ہو تو حلال ہے۔

مسئلہ: اگر ہتھیار سے گرائے ہوئے شکار کو زندہ پکڑا جائے تو اس پر تکبیر پڑھ کر صحیح طریقے سے ذبح کرنا واجب ہے اگر عمداً ذبح نہ کرے گا تو وہ حرام ہوگا۔ ہاں اگر اس کے پہنچنے سے پہلے اسی ضرب سے مرگیا ہو تو وہ پہلی بسم اللہ کافی ہے اور وہ حلال ہوگا۔

مسئلہ: موجودہ زمانہ میں بندوق کے شکار کو تلوار نیزہ وتیر کے عنوانات میں تو داخل کرنا مشکل ہے۔ البتہ جن روایات میں مطلق سلاح یعنی ہتھیار کا لفظ وارد ہے جیسے کہ امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل شدہ روایت مذکور ہوچکی ہے اس کی رو سے کہا جاسکتا ہے کہ بندوق کا شکار بھی اگر بسم اللہ پڑھ کر چلائی جائے تو حلال ہو۔ جیسا کہ صاحب جواہر نے بھی اسے قریب حلال کہا ہے لیکن چونکہ اس زمانہ کے تیز دھار آلات وسلاح کے عنوانات ہیں یہ داخل نہیں اور اصل بھی عدم تذکیہ ہے۔ لہٰذا اس سے گریز کرگئے ہیں۔ لیکن صید کی حلیت اور حدیث سابق میں سلاح کا اطلاق اور قوانین اسلامیہ کی تاقیامت بقا اس امر کی مقتضی ہے کہ بندوق کا شکار بلاریب حلال ہو اور تیر بے پھل جو جانور کے گوشت کو چیر ڈالے کے شکار کا حلال ہونا اس کی تائید کرتا ہے لیکن بچنے میں احتیاط ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ: شکار کی حلیت میں یہ شرط ہر جگہ ہے کہ آنکھوں سے اوجھل ہوکر اس کی موت واقع نہ ہو تاکہ کسی دوسرے صدمے سے اس کی موت کے واقع ہونے کا احتمال نہ ہو۔

ذبح کے احکام

چونکہ ذبح کا ذکر آگیا ہے لہٰذا بعض ضروری احکام کا بیان کردینا خالی از فائدہ نہیں۔ یہ جاننا چاہیئے کہ حیوان ذبح کرنے کی چند شرائط ہیں جن کے بغیر مذبوح جانور حلال نہیں ہوسکتا۔ ذبح کرنے والا مسلمان ہو خواہ مرد ہو یا عورت، کتب احادیث میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عورت اور لڑکے کے ذبح شدہ جانور کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر عورت مسلمان ہو اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے اور اسی طرح اگر لڑکا طاقتور ہو اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو ان کی ذبح شدہ چیز حلال ہے، لیکن یہ اس وقت جب جانور کے مرنے کا ڈر ہو اور مرد ذبح کرنے والا کوئی نہ ملے۔

مسئلہ: ہمارے بعض محققین ذبح کرنے والے میں مومن ہونا شرط قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ بعض احادیث آئمہ میں

اس کی تصریح بھی موجود ہے۔

مسئلہ:۔ جو شخص اعلانیہ اہلِ بیت علیہم السلام سے عداوت رکھتا ہو۔ خواہ اپنے آپ کو مسلمان کہلاتا پھرے۔ اس کا ذبح شدہ جانور حلال نہیں ہے۔ ابوبصیر سے مروی ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سُنا۔ آپ نے فرمایا ناصبی کا ذبح شدہ جانور حلال نہیں۔ نیز ابوبصیر کہتا ہے کہ میں نے آپ سے دریافت کیا کہ ایک شخص بازار سے گوشت خریدتا ہے حالانکہ اس کے نزدیک اپنے برادرانِ ایمانی میں سے ذبح کرنے والے بھی موجود ہیں اور وہ جان بوجھ کر ناصبیوں سے خریدکرتا ہے آپ نے فرمایا تو مجھ سے کیا کہلوانا چاہتا ہے۔ بس یوں سمجھو کہ وُہ مردار خون اور خنزیر کا گوشت کھارہا ہے راوی کہتا ہے کہ میں نے تعجب کے انداز میں کہا۔ سبحان اللہ! یہ خون مردار اور خنزیر کے گوشت کی طرح ہے تو آپ نے فرمایا بلکہ اللہ کے نزدیک اس کا گناہ اس سے بھی سخت تر ہے۔ الخ (وسائل)

۲۔ لوہے کے آلے سے ذبح کیا جائے۔ بحالتِ مجبوری، پتھر، لکڑی، شیشہ وغیرہ (جس کا کنارہ تیز ہو کر مذبوح کی رگیں کاٹی جاسکیں) سے بھی ذبح کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ چار رگیں کاٹی جائیں۔ ایک کھانے پینے کی، دوسری سانس لینے کی اور باقی دو جو حلقوم کے پہلو میں ہوتی ہیں۔ اونٹ ذبح کرنے سے حرام ہوجاتا ہے پس اس کو نحر کرنا چاہیئے۔ یعنی گردن میں مخصوص مقام پر نیزہ یا چھُرا وغیرہ قبلہ رُخ ہوکر مارا جائے۔

۴۔ حیوان مذبوح یا منحور کو قبلہ رُخ کرے۔

۵۔ خود ذبح یا نحر کرنے والا بھی قبلہ رُخ ہو۔

۶۔ خدا کا نام لے کر ذبح کرے یا نحر کرے مثلاً بسم اللہ، اللہ اکبر وغیرہ۔

۷۔ ذبح یا نحر کرنے کے بعد جانور حرکت بھی کرے تاکہ یقین ہو جائے کہ ذبح سے قبل وہ مر نہ چکا تھا۔

۸۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ذبح سے عادت کے مطابق خون بھی نکلے اگر خون نہ نکلے تو حرام ہوگا لیکن احادیثِ معصومینؑ سے اس شرط کی تائید نہیں ملتی۔ پس اگر خون نہیں نکلا۔ لیکن ذبح کے بعد اس نے آنکھ پاؤں یا دم ہلایا تو وُہ حلال ہوگا۔

مسئلہ:۔ جانور کا رات کو بغیر مجبوری کے ذبح کرنا بھی مکروہ ہے نیز جمعہ کے روز زوال سے قبل بغیر مجبوری کے ذبح کرنا مکروہ ہے اسی طرح ایک حیوان کو دوسرے حیوان کے سامنے ذبح کرنا بھی مکروہ ہے اور مستحب ہے کہ پرندہ کو ذبح کرنے کے بعد چھوڑ دیا جائے۔

مسئلہ:۔ ذبح کرنے والا تیز دھار آلہ کے ساتھ پے در پے ذبح کرے تاکہ جانور کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔

مسئلہ:۔ اگر ذبح کرنے کے بعد معلوم ہو کہ صحیح ذبح نہیں ہوا۔ تو اگر حیوان ابھی تک زندہ ہے تو اسے دوبارہ صحیح طریقے سے ذبح کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر بوقتِ ذبح تکبیر بھول جائے یا قبلہ رُخ کرنا بھول جائے تو جانور ذبح شدہ حلال ہوگا۔ لیکن اگر جان بوجھ کر ایسا کیا ہو تو وہ حرام ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر جانور ایسی جگہ پھنسا ہو کہ اس کو قبلہ رُخ نہیں کیا جاسکتا یا صحیح مقام سے ذبح نہیں کیا جاسکتا تو جس طرح ممکن ہو اس کو ذبح کرلیا جائے پس وہ حلال ہوگا۔

مسئلہ:۔ مچھلی کو ذبح نہیں کیا جاسکتا بلکہ وہ بغیر ذبح کے حلال ہوا کرتی ہے اس کی شرط یہ ہے کہ مسلمان اس کو زندہ پانی سے نکالے اور اس کی موت پانی سے باہر آکر واقع ہو۔ اگر پانی سے ایک دفعہ نکال کر رسی سے باندھ کر اسے دوبارہ پانی میں داخل کیا گیا اور اس کی موت پانی میں واقع ہوگئی تو وہ حرام ہوگی۔ نیز پانی کے اندر پکڑ کر اگر اس کے گلہ سے لوہے کی کنڈی یا رسی گذاری جائے اور وہ پانی میں مرجائے تو حرام ہوگی۔

مسئلہ:۔ انسان اور کتے اور سور پر تکبیر نہیں ہوسکتی۔ ان کے علاوہ ہر جانور پر تکبیر کہی جاسکتی ہے اور صحیح طریقہ پر ذبح ہونے سے اس کا جسم پاک ہوجائے گا۔ لیکن وہ جانور اگر حرام ہے تو تکبیر سے وہ حلال قطعاً نہیں ہوسکتا۔

طیّبات کا بیان

چونکہ خداوند کریم نے فرمایا ہے خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا کہ اس نے تمہارے لئے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ زمین کی پیداواروں میں سے کوئی ایسی شے نہیں ہے جو انسان کے منافع کے لئے نہ ہو اس سے یہ مقصد نہیں کہ زمین کی ہر شئے حلال ہے اور انسان ہر شے کو کھانے کے لئے بھی استعمال کرسکتا ہے۔ پس کھانے کے لئے اُس نے تخصیص فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۔ یعنی اے ایمان والو زمین کی پیداوار میں سے حلال وطیّب چیزوں کو کھاؤ یہاں ارشاد فرمایا یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ یعنی وہ پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا چیز حلال ہے تو کہہ دیجئے کہ طیبات تمہارے لئے حلال ہیں اور اس کے مقابلہ میں فرمایا۔ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ نہ قصد کرو خبیث کا۔ تو پس قرآن مجید کے مجموعی احکام سے معلوم ہوا کہ زمین کی تمام پیداوار اگرچہ انسانی منفعت کے لئے خلق ہوئی ہے لیکن کھانے اور پینے میں طیّب وخبیث کا فرق رکھا جائے گا۔ طیّب کھایا پیا جائے گا اور خبیث سے پرہیز کیا جائے گا۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ گلاب کا پھول عمدہ خوشبو سونگھنے کے لئے ہے لیکن اس کے لئے ایک پودے کی ضرورت ہے اس میں شاخ بھی ہوتی ہے۔ پتے بھی اور کانٹے بھی ہوتے ہیں اور آخر پھول بھی نمودار ہوجاتا ہے۔ مقصود صرف پھول ہے جو وزن اور حجم میں نہایت کم ہے اور شاخیں کانٹے، پتے سب غیر مقصود ہیں اور وزن اور حجم میں وہ اصلی مقصود سے کہیں زیادہ ہیں۔ لیکن وہ ہیں سب پھول کی خدمت اور فائدہ کے لئے۔ شاخ اس کی سواری، پتے اس کی زینت اور کانٹے اس کی حفاظتی فورج۔ پس اسی طرح گلستان عالم میں اکرم وافضل مخلوق ہے انسان اور باقی موجوداتِ عالم کے مقابلہ میں اس کی حیثیت ایک اقل قلیل کی سی ہے لیکن بفرمان

قدرت باقی سب چیزیں ہیں۔ اس کی خادم و غلام بعض سواری کے لئے بعض زینت کے طور پر اور بعض حفاظتی حیثیت سے اگر تمام موجودات کی مصالح پر تفصیلی تبصرہ کیا جائے تو موضوع ہاتھ سے نکل جائے گا۔ پس جن چیزوں کو خبیث کہا گیا ہے وہ اس بناء پر کہ کھانے کے لئے نہیں ہے ورنہ دوسری بعض حیثیتوں سے وہ انسان کے لئے خوب بھی ہیں مثلاً کتا کھانے کے لئے بد ہے لیکن حفاظت کے لئے خوب ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس

اشیاء کی حلیت کی مصلحت کے متعلق اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے کہ خدا نے جن جن چیزوں کو حرام کیا ہے وہ درحقیقت انسان کے لئے نقصان دہ ہیں اور جن چیزوں کو حلال قرار دیا ہے وہ انسان کے وجود کے لئے مفید ہیں۔ وہ چونکہ تمام موجودات کے مزاجوں کو خوب جانتا ہے پس جن جن چیزوں کے مزاجوں کو انسانی مزاج کے لئے ضرررساں بنایا ہے ان سے انسانوں کو روکا ہے اور جن جن چیزوں کے مزاجوں کو انسانی مزاجوں کے موافق خلق فرمایا۔ ان کو جزو بدن بنانے کی اجازت دی اور مزاج سے مراد صرف ظاہری تندرستی ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ مراد ہے۔ انسان کی انسانی حیثیت اور اس کا ان صفات و کمالات کا مظہر ہونا جو اس کے شایانِ شان ہیں اور جن کے پیشِ نظر اس کو تمام موجوداتِ عالم سے برتری عطا کی گئی ہے چونکہ شرافت و کمینگی کو مزاج انسانی سے وابستگی ہے اور انسان کو انسانی حیثیت سے شرافت ہی زیبا ہے۔ لہٰذا ایسی خوراک جو انسانی مزاج کو شرافت سے دور کرے اور اس میں کمینگی کو جنم دے وہ حرام کر دی گئی۔ چونکہ خنزیر کی طینت میں بے حیائی داخل ہے اور اس کا گوشت کھانے سے چونکہ مزاج انسانی میں بے حیائی کا میلان پیدا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ انسان کی انسانی پوزیشن ہے با حیا ہونا پس خنزیر کو حرام کر دیا گیا۔ اسی طرح کتے میں ہے درندگی۔ پس انسانی مزاج کو اس سے بچانے کے لئے اس کو حرام کیا گیا۔ اسی طرح جن جن چیزوں کو اس نے حرام کیا ہے وہ وہی ہیں جو انسان کو انسانیت سے ہٹا کر حیوانیت کی پستی میں دھکیل دینے کی موجب ہیں۔ ہاں بعض حرام چیزوں کے مضر اثرات سے ہمارا مطلع نہ ہونا یا بعض حلال جانوروں کے مفید پہلوؤں سے ہمارا غافل ہونا یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ وہ حرام بے ضرر ہے یا یہ حلال بے فائدہ ہے۔ ہم کسی چیز کی اجزاء کے مصالح و مفاسد پر جتنا زیادہ ہی عبور کیوں نہ رکھتے ہوں وہ خالق کے علم کے مقابلہ میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا اور پھر جبکہ ہمارے علوم میں قدم قدم پر نافہمی اور ناسمجھی کا شائبہ بھی موجود رہتا ہے تو ہم کس طرح جرأت کر سکتے ہیں کہ خدائی فیصلوں میں اپنی رائے کو پیش کریں۔ چہ نسبت خاک را بعالمِ پاک۔ پس ہمارا فرض ہے کہ جس کو اُس نے یا اس کے رسولؐ نے ہمارے لئے حلال قرار دیا اس کو استعمال کریں اور جس سے اس کی شریعت مقدسہ میں اجتناب کا حکم دیا گیا اس سے بچ کر رہیں اور جس کی مصلحت و مفسدہ ہمیں معلوم نہ ہو سکے۔ اس میں سکوت اختیار کر لیں اور سرِ تسلیم خم کر لیں

حلال چیزیں

۱۔ سبزیوں میں تمام وہ چیزیں حلال ہیں جن کا نقصان دہ ہونا معلوم نہ ہو۔ جو طیبات میں داخل ہیں۔

۲۔ پھلوں اور میووں میں سے تمام وہ پھل ومیوہ جات حلال ہیں جو موذی اور ضرر رساں نہ ہوں۔

۳۔ دریائی مخلوق میں مچھلی وہ حلال ہے جو چھلکا دار ہو۔

۴۔ حیوانات صحرائی میں سے بہیمۃ الانعام حلال ہیں جن کی تفصیل گزر چکی ہے

۵۔ پرندوں میں سے وہ حلال ہیں جن میں چند صفتیں پائی جائیں۔ ① درندہ نہ ہو، یعنی اپنے تیز پنجوں کے ذریعے اپنے سے کمزور پرندوں پر حملہ نہ کرتا ہو ② اڑنے میں پر زیادہ مارتا ہو۔ اس کا پر پھیلا کر اُڑنا کم ہو یا بالکل نہ ہو ③ دانہ بھرنے یا ہضم کرنے کی اس کے اندر تھیلی ہو ④ اس کے حرام ہونے پر شرعی نص موجود نہ ہو۔ پس کبوتر، تیتر، بٹیر، مُرغ، مرغابی اور اس قسم کے پرندے سب حلال ہیں ⑤ ہر قسم کے دودھ، پانی، شربت عرق حلال ہیں۔ بشرطیکہ نجس نہ ہوں اور مسکر یعنی شراب اور زہر کی قسم سے اور ایذا دہندہ نہ ہوں۔

حرام چیزیں

جو خبائث میں داخل ہیں۔ ان میں سے بعض کا بیان گزر چکا ہے اور یہاں ایک کلیہ بیان کیا جاتا ہے ① درندے اور حشرات الارض سب حرام ہیں۔ ② پرندوں میں سے جن میں صفات سابقہ نہ ہوں وہ حرام ہیں ③ مسخ شدہ جانور سب حرام ہیں۔ ریچھ، بندر، چمگادڑ اور مور وغیرہ اس میں داخل ہیں ④ مردار ⑤ حلال جانوروں کے بعض اجزاء، تلی، خون، فضلہ آلہ خصیے، حرام مغز، مثانہ پتہ حرام ہیں ⑥ ہر نجس چیز حرام ہے ⑦ ہر قسم کی مٹی کا کھانا حرام ہے۔ البتہ خاکِ شفا بطور علاج کھائی جا سکتی ہے لیکن نخود کے اندازہ سے زیادہ نہ کھائے ⑧ ہر قسم کے زہر کا کھانا حرام ہے ⑨ پینے میں شراب، خون، پیشاب اور حرام گوشت جانور کا دودھ حرام ہیں ⑩ حیوانات میں سے جس کی حرمت پر نص موجود ہو وہ بھی حرام ہوگا۔ جیسے خرگوش

اصل حلیّت کا قاعدہ

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ صفحہ ۵۱۔ آیات کے رابطہ کے متعلق مفسّرین نے یہ کہا ہے۔ کہ پچھلی آیات میں جب یہ کہا گیا کہ تمہارا دین کامل ہوا اور نعمات خداوندی تم پر تمام ہوگئیں اور من جملہ نعمات کے پاکیزہ چیزوں کی حلیّت بھی تھی تو تکمیلِ معنی کے طور پر اس کو ذکر کر دیا گیا اور اَلْيَوْمَ کا تکرار اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ ایک ہی دن تھا۔ جس میں خالق نے کافروں کی مایوسی کی اطلاع دی اور ولایت علیؑ کے ساتھ دین کو کامل اور نعمات کو تمام کیا۔ اور تمام پاکیزہ اشیاء کی حلیّت کا مسلمانوں کو پیغام دیا اور پاکیزہ چیزوں کی حلیّت کو آج کی طرف منسوب کرنے کی غالباً وجہ یہ ہے کہ قبل ازیں نسخ و ترمیم بعض احکام حسب مصلحت ہوا کرتی تھی اور جب کہ دین کو کمال کی سند دے دی گئی تو احکام میں نسخ کا معاملہ ختم ہو گیا۔ لہٰذا ہمیشہ کے لئے حلال چیزوں کا بطور قاعدہ کلیہ کے ایک اصول بتا دیا گیا کہ تمہارے لئے ہر طیّب و پاکیزہ چیز حلال ہے مگر جس کی حرمت پر نص آجائے تو وہ حرام ہوگی اور علمائے اصول کے نزدیک بھی ایسا ہی ہے کہ کل شئی لک حلال حتی تعلم انہ حرام بعینہ۔ یعنی ہر چیز کی اصل حلیّت ہے اور حرمت محتاج دلیل ہے۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠

آج حلال کردی گئی تمہارے لئے ہر پاکیزہ چیز اور کھانا ان کا جنہیں کتاب دی گئی حلال ہے تم کو

وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ

اور تمہارا کھانا حلال ہے ان کو اور پاک دامن ایمان والی عورتیں اور پاک دامن عورتیں ان میں سے جن کو

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ

کتاب دی گئی تم سے پہلے جب دو ان کو ان کے حق مہر پاک دامنی کی خاطر

غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ

نہ زنا کے لئے اور نہ پوشیدہ آشنا بنانے کے لئے اور جو کفر کرے ساتھ ایمان کے تو

فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۵

پس ضائع ہوگئے عمل اس کے اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں سے ہوگا

اہل کتاب سے سلوک

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ آیت کے ظاہر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی ہر خشک و تر چیز حلال ہے حالانکہ معصومین علیہم السلام سے روایات بحد تواتر موجود ہیں کہ یہود و نصاریٰ کافر ہیں نہ ان کی ذبیحہ حلال ہے اور نہ ان کے ہاتھ کی کوئی دوسری تر چیز حلال ہے کیونکہ وہ نجس ہیں اور قرآن مجید میں مشرکین کی نجاست کا اعلان موجود ہے لیکن چونکہ یہود و نصاریٰ دشمنیٔ اسلام میں مشرکین جیسے ہیں لہذا ان سب کا حکم ایک ہے پس سب کے سب نجس ہیں۔ اب ایک طرف ان کی نجاست کا یہ حکم چاہتا ہے کہ ان کا کھانا حرام ہو کیونکہ نجس ہے اور اس آیت مجیدہ کا ظاہر بتلاتا ہے کہ ان کا کھانا حلال ہے تو اس اشکال کا حل اس طرح ہوگا کہ اس آیت مجیدہ کے عموم کو نجاستِ مشرکین والی آیت کے مفہوم اور آئمہ طاہرین جو ناطق قرآن ہیں کے فرامین کے منطوق کے ساتھ تخصیص دیں گے اور مقصد یہ ہوگا کہ اہل کتاب کا وہ طعام جس پر ان کی نجاست مؤثر نہیں ہوتی مثلاً گندم، جو، چنے، سبزیاں وغیرہ تمہیں حلال ہیں اور تمہاری چیزیں ان کو حلال ہیں۔ یعنی ان چیزوں کی تم اہل کتاب کے ساتھ لین دین کر سکتے ہو خواہ خرید و فروخت کے ذریعے سے ہو یا ہبہ و ہدیہ کے طریقے سے۔ لیکن ان کے ہاتھ کی تر چیزیں یا ان کی ذبح شدہ چیزیں وہ اپنے مقام پر حرام رہیں گی۔

سوال :۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ دوسری خشک اشیاء کی لین دین تو کافر مشرک مجوسی گویا ہندو سکھ اور دہری بلکہ ہر انسان کے ساتھ ہو سکتی ہے پھر اہل کتاب کو خصوصیت کے ساتھ کیوں ذکر کیا گیا؟

جواب :۔ بے شک ان چیزوں کی لین دین تمام انسان ایک دوسرے سے کر سکتے ہیں لیکن مسلمانوں کی لین دین چونکہ اہل کتاب سے ہوتی ہے جو ذمی کافر تھے اور حربی کفار سے لین دین شاذ تھی۔ اس لئے اہل کتاب کا نام لیا گیا ورنہ حکم تمام کافروں پر حاوی ہے اور یہ اس لئے کہ جب دین کو کامل کر دیا گیا اور کافروں کی مایوسی کا بھی اعلان ہو گیا۔ تو شاید مسلمان یہ سمجھے کہ اب کفار سے کسی قسم کا ڈر تو رہا نہیں۔ لہٰذا اب ان کے ساتھ ظاہری میل جول اور لین دین بھی شرعًا ممنوع ہوگا تو اس کا ازالہ کر دیا گیا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ باہمی لین دین میں کوئی حرج نہیں۔

وَالْمُحْصَنٰتُ :۔ یعنی پاک دامن آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح بھی تمہارے لئے حلال کر دیا گیا۔ مقصد یہ ہے کہ اس کی حلیت تمہارے لئے ہمیشہ کے لئے کر دی گئی کہ اب منسوخ نہ ہوگا اور تمامی نعمات میں اس نعمت کو جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ :۔ آیت کا ظاہر یہ بتلاتا ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے لیکن دوسرے مقام پر ارشاد ہے وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۔ کہ مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو جب تک کہ ایمان نہ لائیں اور چونکہ ایمان لانے میں یہود و نصاریٰ بھی مشرکین کے ساتھ شریک ہیں۔ لہٰذا ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کا حکم بھی وہی ہونا چاہیئے جو مشرکوں کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کا ہے کیونکہ علت یعنی عدم ایمان سب میں یکساں ہے نیز ایک مقام پر ارشاد ہے وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ۔ پس اس مقام پر آیت مجیدہ کی تاویل دو طریقوں سے کی جائے گی۔

۱۔ پاک دامن کتابی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں نکاح متعہ کے لئے کیونکہ مذہب امامیہ میں کتابی عورت کے ساتھ متعہ ہو سکتا ہے۔

۲۔ کتابی عورتوں سے وہ عورتیں مراد ہیں جو پہلے کتابی تھیں اور اب اس دین سے توبہ کر کے مسلمان ہو چکی ہوں کیونکہ اس قسم کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے بعض مسلمان گھبراتے تھے تو خداوند کریم نے ان کی گھبراہٹ کو رفع فرما دیا کہ تمہارے لئے پاک دامن مومنہ عورتوں کے ساتھ بھی نکاح حلال ہے جو مومن ماں باپ کے گھر میں پیدا ہوئیں اور پاک دامن کتابی عورتوں کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے جو باطل دین سے توبہ کر کے مومن ہو گئی ہوں۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ ۔ تفسیر صافی میں کافی سے مروی ہے کہ اس کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سے مراد ہے عمل کا ترک کرنا جس کا اقرار کیا ہے اور اسی باب سے ہے بغیر بیماری و ضرورت کے نماز کا ترک کرنا۔ نیز حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہاں ایمان سے مراد ولاءِ علیؑ ہے۔ یعنی جو ولائے

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ	
اے ایمان والو جب تیاری کرو نمازکی تو دھوؤ اپنے منہ اور ہاتھ	
وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ	
کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے بعض حصۂ سرکا اور پورے پاؤں کا ٹخنوں تک	

علیؑ کا منکر ہوگا اس کے اعمال رائیگاں جائیں گے اس کی مزید تشریح معہ استدلال اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ کی تفسیر میں اسی جلد میں گذر چکی ہے اور تفسیر ہذا کی جلد اوّل یعنی مقدمہ تفسیر میں حبط اعمال کی فصل میں مدلّل اور مفصّل بیان موجود ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے اور مروی ہے کہ جب جنگِ اُحد میں نامور صحابہ بھی بھاگ گئے تھے تو حضرت علیؑ کی طرف مخاطب ہو کر حضورؐ نے فرمایا تھا کہ یا علیؑ آپ کیوں نہیں چلے گئے تھے" تو حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ حضورؐ! ایمان کے بعد کفر مجھ سے کس طرح ہو سکتا تھا؟ گویا صرف جہاد سے بھاگنے کو حضورؐ کفر سے تعبیر فرما رہے تھے تو بتائیے تمام فرائض سے بھاگنا، حضرت علیؑ کے نزدیک کتنا شدید وسنگین گناہ ہوگا۔ شیعانِ علیؑ کو حضرت علیؑ کے فرمان کے پیشِ نظر ترکِ فرائض سے گریز کرنا چاہیئے۔

رکوع نمبر ۶

آیتِ وضو کا بیان

وجہِ ربط، چونکہ خدا اور بندہ کے درمیان غلام و مولیٰ یا عبد و معبود اور مالک و مملوک کا رشتہ ہے تو اس لحاظ سے ہر دو پر اپنی اپنی نوعیت سے ذمہ داریاں عائد ہیں کہ خدا اپنی ربوبیت کی ذمہ داریوں کو پورا کرے اور بندہ اپنے عبدیت کے فرائض کو انجام دے تو گویا ہر دو کے مابین ایک عقلی واصولی معاہدہ قائم ہے جس کو اپنی اپنی حیثیت سے ہر ایک نے وفا کا لباس پہنانا ہے۔ اسی بناء پر بنی اسرائیل کو ایک مقام پر خطاب ہے اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ: تم میرے ساتھ کئے ہوئے عہد کو پورا کرو اور میں تمہارے ساتھ کئے عہد کو پورا کروں گا۔ اس سورۂ مبارکہ میں پہلا عنوان ہی یہی ہے کہ اے ایمان والو اپنے عقود یعنی وعدے پورے کرو۔ گویا مقصد یہ کہ دیکھو میرے اوپر ربوبیت کا عہد تھا کہ تمہاری دین اور دنیا کی تمام ضرورتوں کو پورا کردوں تو لو میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا کہ اب قیامت تک کے لئے اس دین میں ترمیم یا تنسیخ کی کوئی گنجائش نہیں رہی یعنی حضرت علیؑ اور اس کی اولاد طاہرینؑ کی ولاء کے وجوب اور ان کی امامت کے اعلان سے قیامت تک کے لئے دین اسلام کے ہادیوں کی نامزدگی ہوگئی اور احکامِ دین کی تبلیغ میں صرف یہی مرحلہ باقی تھا جس کو انجام دیا گیا اور دین کامل ہو گیا اور کفار اس عمارتِ اسلامیہ کے

انہدام سے پوری طرح مایوس ہوگئے۔ باقی رہیں تمہاری دنیاوی ضروریات تو اس کی موٹی موٹی دو قسمیں ہیں۔ ایک کھانے پینے کے متعلق حلال و حرام کی تعیین اور دوسرے حصولِ لذت اور بقاءِ نسل کے لئے جنسی تعلقات کی حد بندی۔ پس کھانے پینے کے لئے تمہیں ہر طیب چیز حلال ہے اور ہر خبیث چیز تم پر حرام ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے اور سلسلہ نکاح کے لئے ہر ایماندار عورت سے تم عقد کر سکتے ہو، سوائے ان چند اقسام کے جو بیان کی جا چکی ہیں۔ اب ربوبیت کا عہد پورا ہو گیا تو تم اپنا عبدیت کا عہد پورا کرو اور ایمان کے بعد عبادات میں سے اہم و اشرف نماز ہے لہذا نماز ادا کرو لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ جب ارادہ نماز کرو تو پہلے وضو کر لو۔ جس کی صورت یہ ہے کہ منہ دھو لو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو، پھر سر کا مسح کرو اور پاؤں کا کعبین تک مسح کرو لیکن اگر حالتِ جنب میں ہو تو غسل کر لو اور اگر محدث ہوتے ہوئے پانی دستیاب نہ ہو سکے تو پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھو۔ بہر کیف تمہارے اوپر کوئی تنگی نہیں۔ پس فریضۂ عبدیت کو ہر ممکن طریقہ سے پورا کرنے کی کوشش کرو۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ خطاب اگرچہ صیغۂ مذکر کے ساتھ ہے لیکن مرد و عورت سب اس میں داخل ہیں اور نماز و دیگر عبادات کا وجوب سب پر یکساں ہے کیونکہ مرد عورت پر حاکم ہے اور عورت مرد کے تابع ہے لہذا مشترکہ خطابات میں مردوں کو غلبہ دے کر خطاب مذکر صیغہ سے کیا جاتا ہے اور ہر قوم و ہر زبان میں ایسا ہی مروج ہے ہاں البتہ بعض خطابات جو صرف مردوں سے مختص ہیں مثلاً ایمان والوں کو جہاد کی دعوت وغیرہ ان سے عورتیں یقیناً خارج ہیں کیونکہ وہ کام ایسا ہے جو مردوں کے ساتھ اختصاص رکھتا ہے مثلاً یہ اس طرح ہے کہ اگر حکومتِ وقت اعلان کرے۔ اے ملک میں بسنے والو حکومت کے وفادار شہری بن کر رہو۔ یا اے ملک والو! اپنے ملک و قوم کی بقاء کے لئے جانی قربانی پیش کرو تو معلوم ہے کہ پہلا اعلان مردوں عورتوں دونوں کے لئے ہے اور دوسرا حکم صرف مردوں کے لئے ہوتا ہے۔

فروعی احکام میں بھی کفار مکلف ہیں

نیز فریضۂ عبدیت کی ادائیگی کے لئے ہر انسان مامور ہے۔ خواہ مسلم ہو یا کافر اسی بناء پر ہمارے مذہب میں کفار پر بھی عبادات واجب ہیں۔ البتہ جب تک وہ کافر ہیں ان سے صحیح نہیں ہو سکتیں اور قیامت کے روز جس طرح ان کو اصول کی مخالفت کی سزا ملے گی اسی طرح وہ ترکِ فروع پر بھی معذب ہوں گے لیکن چونکہ آیاتِ قرآنیہ میں یہ خطابات صرف ایمان والوں کو ہیں۔ اس لئے بعض غیر شیعہ حضرات کے نزدیک کفار پر عبادات کا وجوب نہیں ہے لیکن اس کے کئی جوابات ہیں

۱۔ قرآن مجید میں بالعموم انسانوں کو عبادت کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے یَا اَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الخ اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔ اس خطاب میں تمام انسان داخل ہیں خواہ مسلم ہوں یا کافر۔ تو اس کا یا اس قسم کے تمام خطابات کا صاف مطلب یہ ہے کہ کفار فروعات کے مکلف ہیں۔

۲۔ عبدیت کے فرائض کی ادائیگی کا حکم تو تمام بندوں کو ہے لیکن ایمان والوں کو خصوصیت سے خطاب اس لئے

ہے کہ مانتے صرف وہی ہیں اور عمل کی توقع صرف انہی سے ہوا کرتی ہے جس طرح قرآن مجید خود تمام انسانوں کیلئے ہادی ہے لیکن نفع چونکہ صرف خوفِ خدا رکھنے والے ہی اٹھاتے ہیں۔ اس لئے ارشاد ہوا هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

۳۔ جب کسی خطاب میں دو طبقوں کے انسان موجود ہوں تو خطاب کی دو صورتیں ہوتی ہیں کہ تمام کو بالعموم خطاب کیا جائے یا صرف اعلیٰ طبقہ کو خطاب کرکے ادنیٰ کو اس میں شامل کر لیا جائے جس طرح لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ یعنی اگر تو نہ ہوتا تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا حالانکہ زمینیں بھی پیدا نہ ہوتیں لیکن اعلیٰ فرد کو ذکر کرکے ادنےٰ کو اس کے تابع کر دیا گیا جس طرح مردوں کے حکم میں عورتوں کو شامل کیا جاتا ہے اور سرداروں کے حکم میں غلاموں کو داخل کیا جاتا ہے پس یہاں بھی بنا بر غلبہ کے مومنوں کے حکم میں غیر مومنوں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ جس طرح سجدۂ آدم کے وقت ملائکہ کے حکم میں ابلیس بھی داخل تھا۔

۴۔ جن خطابات میں صرف اہلِ ایمان مخاطب ہیں ان میں کفار بھی مخاطب ہیں فرق یہ ہے کہ اہلِ ایمان کو خطاب ہے صراحتاً اور کفار مخاطب ہیں۔ ضمناً و کنایۃً۔ بلکہ خطاب میں اہلِ ایمان کو صراحت سے صرف ایک حکم ہے اور کفار کو اسی خطاب کے ضمن میں دوہرا حکم ہے۔ یعنی اے وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے۔ ایمان بھی لاؤ اور پھر بمقتضائے ایمان عبادت بھی کرو۔ یہ ایسا ہے جیسے ایک باپ اپنے متعدد بیٹوں کو کہے۔ اے میری وفادار اولاد میری اطاعت کرو تو اگر اس کی اولاد میں بعض غیر وفادار موجود ہوں تو خطاب کا یہ مقصد نہیں کہ وہ اس امر سے باہر ہیں بلکہ ضمنی طور پر جس طرح وفاداروں کو وفاداری پر ثابت رہنے کی دعوت ہے اسی طرح غیر وفاداروں کو وفادار بننے کی فرمائش ہو رہی ہے یعنی وفادار رہ کر اطاعت کرو اور وفادار بن کر اطاعت کرو۔ اسی طرح اگر بادشاہ اپنی رعایا کو خطاب کرکے کہے میری وفادار رعایا، یا اے میری وفادار فوج تو اس کا یقیناً یہ مطلب ہرگز نہیں ہوا کرتا کہ بادشاہ اپنی رعایا یا فوج کے ہر فرد کو وفادار سمجھ کر ان سے خطاب کر رہا ہے بلکہ اسے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کم وفادار ہیں اور اکثر غدّار و بے وفا ہیں۔ بایں ہمہ خطاب سے مقصود بھی صرف وفادار طبقہ نہیں ہوتا بلکہ وفادار کے لفظ سے مراد وفادار و غدّار سب ہوتے ہیں پس مقصد یہ ہوتا ہے کہ وفاداروں کی مدح اور غدّاروں کو تنبیہ ہو جائے اور کنائے اور ضمنی طور پر غدّاروں کو وفاداری کی دعوت بھی دی جائے گویا وفاداروں کو وفادار رہنے اور غدّاروں کو وفادار ہونے کی دعوت ہوتی ہے اور خطاب کے بعد والے حکم میں ہر دو برابر کے شریک ہوا کرتے ہیں اور یہ مطلب بالکل واضح اور غیر مبہم ہے۔

۵۔ خداوند کریم نے ایمان والوں کو جو حکم دیئے ہیں۔ ان سے ایمان نہ رکھنے والوں کی نفی نہیں سمجھی جاتی اور اسی کو مفہوم مخالف کہتے ہیں جس کو علمائے امامیہ حجت نہیں جانتے۔ پس یہاں بھی حکم ہے کہ اے ایمان والو نماز پڑھو، روزہ رکھو وغیرہ۔ تو جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے نہ نفی ہے نہ اثبات تو دوسری آیت میں جہاں بالعموم حکم صادر ہے کہ اے لوگو اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ اس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ ان احکام میں بھی تمام انسان داخل ہیں۔ لیکن ایمانداری کے پیشِ نظر ایمان

والوں کو اپنے خطاب سے نوازا ہے جس سے اس کی محبت و عنایت مترشح ہوتی ہے اور کفار کو بوجہ ان کے عناد و سرکشی کے اپنے خطابِ قدس کے اہل نہ قرار دیتے ہوئے اگرچہ حکم میں ان کو شامل کیا لیکن شرفِ مخاطبت سے محروم رکھا

اِذَاقُمْتُمْ کی تشریح

اِذَاقُمْتُمْ یعنی جب نماز کی تیاری کرو تو وضو کرلو شرط کے مفہوم سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ نماز کی ادائیگی کا وجوبی امر نہیں ہے کیونکہ اس آیت مجیدہ میں نماز کے وجوب کے اعلان سے فارغ ہونے کے بعد شرطِ صحت نماز کا ذکر ہے مقصد یہ ہے کہ نماز کا وجوب تو تم سمجھ چکے ہو اب اس کی شرطِ صحت بھی سمجھ لو کہ جب نماز کی تیاری کرو تو وضو کرلیا کرو اور اگر پانی نہ دستیاب ہو تو تیمم کیا کرو اور نیز یہ مقصد بھی نہیں کہ نماز کے لئے کھڑے ہو کر پھر وضو کرو بلکہ قُمْتُمْ کا مطلب یہاں ہے۔ ارادۂ قیام کرو تو پہلے وضو کرو جس طرح دوسرے مقام پر ہے جب قرآن پڑھا کرو تو استعاذہ کیا کرو۔ یعنی قرآن خوانی کا ارادہ ہو تو اعوذ باللہ پڑھا کرو یا مثلاً حکم ہے روٹی کھاؤ تو بسم اللہ پڑھو یعنی روٹی کھانے کا ارادہ ہو تو پہلے بسم اللہ پڑھو۔

آیت کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے لئے وضو کرنا ضروری ہے کیونکہ ارشاد اس طرح ہے کہ جب بھی نماز کا ارادہ کرو خواہ باوضو ہو یا بے وضو ہو، پس وضو کرلیا کرو۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام ہر نماز کے لئے علیحدہ علیحدہ وضو کیا کرتے تھے اور جو لوگ ہر نماز کے لئے وضو کے وجوب کے قائل ہیں وہ اسی آیت مجیدہ سے استدلال قائم کرتے ہیں کہ خدا فرماتا ہے جب بھی نماز پڑھو تو وضو کرکے پڑھو خواہ اس سے پہلے تم وضو کر بھی چکے ہو تو اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔ ا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ عبارت محذوف ہے دراصل تھا۔ اِذَاقُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ مِنَ النَّوْمِ۔ یعنی جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو نیند سے تو وضو کرلیا کرو۔ اور آئمہ معصومین سے اسی معنی کی متعدد روایات کتب امامیہ میں منقول ہیں جیسا کہ صافی اور لوامع التنزیل میں بروایت تہذیب و عیاشی صادقین علیہما السلام سے منقول ہے۔ پس آیت مجیدہ میں اجمال موجود ہے جس کے بیان کے لئے معصوم کا فرمان ضروری ہے اور قرآن مجید میں مجمل آیات کا وجود ہو راسخین فی العلم کے بیان کی محتاج ہیں حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہنے والوں کا ناطقہ بند کرنے کے لئے ہے اسی آیت مجیدہ کے آخر میں پھر ارشاد قدرت ہے اَوْجَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا الخ یعنی اگر پاخانہ پھر چکے ہو یا عورتوں کے ساتھ مقاربت کر چکے ہو اور پانی نہ پاؤ تو تیمم کرلیا کرو۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ پاخانہ کے بعد اور عورتوں کی مقاربت کے بعد اگر نماز پڑھنی ہو اور پانی مل سکتا ہو تو وضو یا غسل واجب ہے تو یہاں پاخانہ پھرنا یا عورتوں سے مقاربت کرنا یہ دو چیزیں بطور مثال کے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ یہ یا اس قسم کے اسباب حدث اگر موجود ہوں تو نماز کے لئے وضو یا غسل ضروری ہے اور پانی کی عدم موجودگی میں ان کے بدلہ میں تیمم کافی ہوگا۔ پس صاف معلوم ہوا کہ آیت مجیدہ میں عمومی ارشاد کہ جب بھی نماز کا ارادہ کرو تو وضو کرو۔ یہ انہی صورتوں سے مختص ہے جب انسان پر پاخانہ یا اس کی مثل کوئی دوسری حدث طاری ہو چکی ہو اور حضرت امیر علیہ السلام کے متعلق جو منقول ہے

کہ ہر نماز کے لئے جُدا جُدا وضو فرماتے تھے تو اس سے وضو تجدیدی مراد ہے اور وہ بلاریب مستحب ہے۔ پس وضو ہونے کے باوجود ہر نماز کے لئے وضو کرنا سنّت ہے اور جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص وضو کرے اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ نیز لوامع التنزیل میں معصومین سے مروی ہے کہ اَلْوُضُوْءُ عَلَی الْوُضُوْءِ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یعنی وضوء پر وضو کرنا نورٌ علی نور ہے۔ ایک دوسری روایت میں منقول ہے کہ جو شخص بغیر حدث کے وضو تجدید کرے تو خدا استغفار کے بغیر اس کی توبہ قبول کرے گا۔

اسبابِ وضوء ① پیشاب ② پاخانہ ③ ریح ④ نیند ⑤ بے ہوشی ⑥ استحاضہ اور اسبابِ غسل بھی چھ ہیں ① جنابت ② حیض ③ نفاس ④ استحاضہ ⑤ موت ⑥ مسّ میّت۔ سببِ وضو کو حدث اصغر کہا جاتا ہے اور سببِ غسل کو حدثِ اکبر کہا جاتا ہے۔ حدث کے لاحق ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے خواہ حدثِ اصغر لاحق ہو یا حدثِ اکبر لاحق ہو جائے۔ قرآن مجید نے ایک حدثِ اصغر کا ذکر کیا اور ایک حدثِ اکبر کا ذکر کیا ہے۔ حدثِ اصغر کے باقی اسباب اور اسی طرح حدثِ اکبر کے باقی اسباب راسخین فی العلم (جو محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں) نے بیان فرمائے ہیں چونکہ آیتِ مجیدہ میں نماز کی ادائیگی کے لئے وضو کے علاوہ غسلِ جنابت کو کافی قرار دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ باقی تمام احداث موجب وضو ہوا کرتی ہیں۔ خواہ حدثِ اکبر ہی کیوں نہ ہو۔ پس غسلِ حیض، نفاس استحاضہ اور اسی طرح غسلِ مسِ میّت کے بعد اگر نماز پڑھنی ہو گی تو اغسال سے قبل یا بعد وضو کرنا ضروری ہو گا۔ لیکن اگر غسلِ جنابت کے بعد نماز پڑھی جائے گی تو وضو کی کوئی ضرورت نہیں ہو گی بلکہ غسلِ جنابت کے ساتھ وضو کرنا حرام ہو گا۔ خداوندِ کریم نے صاف حکم دیا ہے اگر نماز کی تیاری کرو اور حالتِ جنب ہو تو غسل کر لو تو معلوم ہوا کہ وضو کی طرح یہ بھی خود کافی ہے اور ان کے قائمقام تیمّم کا بھی یہی حکم ہو گا۔ یعنی غسلِ جنابت کے بدلہ کا تیمّم نماز کے لئے خود کافی ہو گا اور باقی اغسال کے بدلہ تیمّم کرنے کے بعد نماز کے لئے وضو کے بدلے تیمم علیحدہ کرنا پڑے گا۔

فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ :۔ وجوہ جمع ہے وجہ کی اور اس کا معنی ہے چہرہ اس کی تحدید کے متعلق تفسیر صافی میں کافی و عیاشی سے مروی ہے امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا چہرہ کی وہ حد جس کے دھونے کا خدا نے حکم صادر فرمایا ہے کہ کسی کو اس پر بڑھانے گھٹانے کا حق نہیں۔ یعنی اگر بڑھائے گا تو اس کا ثواب نہ ملے گا اور اگر گھٹائے گا تو گناہ گار ہو گا وہ ہے جو انگوٹھے اور درمیان کی بڑی انگلی کے اندر آجائے۔ سر کے بال اُگنے کی حد سے ٹھوڑی تک لمبائی میں اور جہاں تک دونو مذکور انگلیاں پہنچ جائیں۔ چوڑائی میں پس یہ حد چہرہ کی ہے اور اس کے علاوہ چہرہ سے خارج ہے پس چہرہ کی اس حد کے اندر کے تمام حصّہ کا دھونا واجب ہے۔ اگر بال برابر بھی جگہ خشک رہ جائے گی تو وضو باطل ہو گا لہذا وہ زیور جو ناک کا بعض حصّہ چھپائے رہتے ہیں۔ وضو کے وقت ان کا اتارنا ضروری ہے۔ بعض اوقات آنکھوں سے غلیظ مواد خارج ہو کر کناروں پر جم جاتے ہیں اور صبح سو پرے اُٹھ کر خیال نہیں رہتا اور انسان وضو کر لیتا ہے اور وہ مواد ویسے

کے ویسے موجود رہ جاتے ہیں تو دریں صورت وضو صحیح نہ رہے گا۔ پس چاہیئے کہ پہلے منہ صاف ہو اور پھر وضو کرے تاکہ منہ کے ہر حصہ تک پانی ٹھیک پہنچ سکے۔

مسئلہ:- آنکھ اور منہ کا وہ حصہ جو بند کرنے کے بعد سامنے والے کو نظر نہیں آتا وضو میں اس کا دھونا واجب نہیں ہے اور اسی طرح ناک کے اندر کا حصہ بھی دھونا ضروری نہیں کیونکہ وجہ کا معنی ہے مَا یُوَاجَہُ بِہٖ یعنی منہ کا وہ حصہ جو سامنے ہو

مسئلہ:- کم از کم پانی جو چلو میں لے کر منہ پر ڈالا جائے اتنا ہو کہ اوپر جاری ہو جائے اور دھونا صادق آئے اگر جاری نہ ہو سکے اور ویسے منہ کو تر کر لیا جائے تو وضو صحیح نہ ہوگا۔

مسئلہ:- بفرمانِ خداوندی غسل ایک دفعہ پانی ڈالنے سے صادق آجاتا ہے لہذا ایک دفعہ دھونا منہ کا واجب ہے

مسئلہ:- منہ دھونے سے قبل مستحب ہے کہ پہلے دونوں ہاتھوں کو کلائیوں تک دھو لے اور تین دفعہ منہ میں پانی ڈال کر کلی کرے اور پھر تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالے اور مسواک کرنا بھی سنتِ موکدہ ہے۔

مسئلہ:- جب منہ دھونے کے لئے پانی دائیں ہاتھ کے چلو میں لے تو منہ پر ڈالنے سے قبل نیت وضو کی قربۃً الی اللہ کرے ورنہ وضو صحیح نہ ہوگا اور یہ نیت اول سے آخر تک موجود رہنی چاہیئے نیز نماز واجب یا دیگر وہ امور جن کے لئے وضو کیا جاتا ہے سب کے لئے قربت کی نیت سے وضو کرنا درست ہے اور اسی وضو سے نماز واجبہ پڑھی جاسکتی ہے

مسئلہ:- منہ کا وہ حصہ جو گھنے بالوں کے نیچے چھپا ہوا ہو جیسے ڈاڑھی یا مونچھوں یا ابروؤں کے نیچے کا حصہ تو اس تک پانی پہنچانا ضروری نہیں بلکہ اوپر سے پانی کا جاری کر دینا کافی ہے لیکن اگر بال گھنے نہ ہوں اور چہرا نظر آرہا ہو تو اس کا دھونا واجب و ضروری ہے۔

مسئلہ:- منہ پر اوپر سے پانی ڈال کر نیچے کی طرف لانا چاہیئے الٹ کرنے سے وضو باطل ہوگا چنانچہ معصومین سے ایسا ہی مروی ہے فروع کافی میں بروایت زرارہ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم کو رسول اللہ کا وضو بتاؤں؟ ہم نے عرض کی جی ہاں! پس آپ نے پانی کا برتن منگوایا اور اس کو اپنے سامنے رکھا پھر اپنے بازوؤں سے آستینوں کو اٹھایا اور دائیں ہاتھ کو پانی میں داخل کیا اور فرمایا۔ اس وقت جبکہ ہاتھ پاک ہو۔ پس چلو بھر کر پیشانی پر ڈالا اور منہ کے دونوں طرف اس کو جاری کیا۔ پھر بائیں ہاتھ کے چلو میں پانی لیا اور دائیں ہاتھ کی کہنی پر ڈالا اور کفِ دست پھیر کر انگلیوں کے سرے تک اسے جاری کر دیا۔ پھر سر کے اگلے حصے اور پاؤں کی پشت کا ہاتھوں کی بقیہ تری سے مسح فرمایا۔ نیز فرمایا اللہ وتر ہے اور وتر ہی کو محبوب رکھتا ہے۔ پس وضو کے لئے تین چلو کافی ہیں۔ ایک منہ کے لئے اور دو ہاتھوں کے لئے۔ پھر دائیں ہاتھ کی تری سے سر کے اگلے حصے کا مسح اور دائیں پاؤں کی پشت کا مسح اور پھر بائیں ہاتھ کی تری سے بائیں پاؤں کی پشت کا مسح۔ زرارہ کہتا ہے امام نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے جناب رسالتمآب کے وضو کا طریقہ دریافت کیا تھا تو آپ نے اسی طرح وضو کر کے دکھایا تھا۔

وَ اَیۡدِیَکُمۡ اِلَی الۡمَرَافِقِ :۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ حکم یہ ہے کہ ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوئے لہٰذا دھونے کی ابتداء انگلیوں سے کر کے کہنیوں تک ختم کرے جیسے کہ فخر الدین رازی نے بھی اپنی تفسیر میں یہی قول اختیار کیا ہے۔ لیکن آئمہ اہلبیتؑ کے نزدیک حکم یہ ہے کہ کہنیوں سے ابتداء کی جائے۔ جس طرح امام محمد باقر علیہ السلام سے ابھی ایک روایت گذری ہے۔ جس میں جناب رسالتمآبؐ کے وضو کی حکایت کی گئی ہے اور اس باب کی متعدد احادیث صحیحہ موجود ہیں اور یہاں الیٰ جارہ مع کے معنی میں ہے اور انتہا غایت کے معنی میں نہیں ہے۔ جیسے کہا جائے کہ میں نے قرآن کو اوّل سے آخر تک یاد کیا تو ایسے مقامات پر الیٰ مع کے معنی میں ہوا کرتا ہے یا کہا جائے یہاں سے وہاں تک سب لوگوں کو پانی پلاؤ یا اس جگہ سے اس جگہ تک یہ کپڑا دھولو اور اس قسم کے استعمالات میں تک کی لفظ انتہائے فعل کے لئے نہیں ہوا کرتی بلکہ مامور بہ کی حد کی تعیین کے لئے ہوتی ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ کام کی آخری حد یہ ہے خواہ ابتداء جس طرف سے بھی ہو اب اس مقام پر ابتدا کہنیوں سے ہو یا ہاتھوں سے تو یہ فیصلہ راسخین کریں گے اور ان کا عمل ثابت ہے کہ وہ ابتدا کہنیوں سے کرتے تھے اور قرآن کی صحیح تفسیر کو قرآن والے ہی جان اور سمجھ سکتے ہیں کیوں کہ وہ راسخین فی العلم ہیں۔ پس اگر ہاتھ سے ابتدا کر کے الٹا دھوئے گا تو وضو باطل ہوگا اور پہلے دائیں ہاتھ کو اور پھر ہاتھ کو دھونا واجب ہے۔

مسئلہ :۔ انگوٹھی یا ہاتھ میں کوئی دوسرا زیور موجود ہو تو اس کے نیچے پانی پہنچانا واجب ہے ورنہ اس کو اتارنا ضروری ہوگا۔ تاکہ وہ جگہ خشک نہ رہ جائے۔

مسئلہ :۔ کہنی پر مرد پشت کی طرف سے پانی ڈالیں اور عورتیں اندر کی طرف سے پانی ڈالیں جس طرح کافی میں امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے۔

مسئلہ :۔ ناخن پالش کی موجودگی میں وضو عورت کا درست نہیں ہو سکتا کیونکہ پالش کی وجہ سے ناخن تک پانی نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا مومن عورتوں کو چاہیئے کہ ناخن پالش کے استعمال سے بچیں۔

وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِکُمۡ :۔ بیان کا اسلوب صاف بتلاتا ہے کہ مسح کرتے وقت نیا پانی لینے کی ضرورت نہیں۔ پس منہ ہاتھ دھونے کے بعد جو تری ہاتھوں پر موجود ہو۔ اسی تری سے مسح کرنا چاہیئے اگر نیا پانی استعمال کرے گا تو وضو باطل ہو جائے گا نیز غسل اور مسح کے معنی میں جو فرق ہے عمل میں بھی وہی فرق ملحوظ رہے کہ جن اعضاء کو دھونا ہے ان پر پانی اس طرح ڈالے کہ دھونا صادق آئے اور جن اعضاء کا مسح کرنا ہے ان پر مسح اس طرح کرے کہ پانی جاری نہ ہوتا کہ دھونا صادق نہ آئے۔ چونکہ پورے سر کا مسح مقصود نہیں تھا اس لئے باءِ جارہ کو لایا گیا جو تبعیض کے لئے ہے یعنی بعض حصہ سر کا مسح کرو اور وہ اگلا حصہ ہے جس طرح کہ معصومینؑ کی تشریح سے واضح ہے اور پاؤں میں چونکہ پورے پاؤں کا مسح کرنا تھا۔ اس لئے باءِ جارہ کو نہیں لایا گیا۔

مسئلہ:۔ سر پر مسح کرتے وقت یہ خیال رہے کہ چمڑے تک تری کے پہنچنے میں کوئی رکاوٹ کپڑا یا دوائی وغیرہ نہ ہو ورنہ مسح نہ ہوگا۔ سر کے بال اگر چھوٹے ہوں تو ان پر بھی مسح ہو سکتا ہے۔

مسئلہ:۔ معمولی تیل مسح کرنے سے مانع نہیں ہوتا۔ ہاں اگر اتنا زیادہ ہو کہ چمڑے تک تری کو پہنچنے نہ دے تو اس چکناہٹ کا دُور کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ:۔ سر کا مسح اوپر سے نیچے کی طرف کرنا افضل ہے اور اُلٹ کرنے سے بھی وضو باطل نہیں ہوتا۔

مسئلہ:۔ مروی ہے کہ لمبائی میں سر کی چوتھائی یعنی اگلا حصہ اور چوڑائی میں تین ملی ہوئی انگلیوں کے برابر مسح سر کا کم از کم ہو۔

مسئلہ:۔ اگر ہاتھوں پر تری نہ رہے اور خشک ہو جائیں تو آنکھوں کی پلکوں، ابرُوں یا ڈاڑھی سے تری حاصل کر کے مسح کر لے اور اگر یہ بھی خشک ہو چکے ہوں تو وضو از سرِ نو کرے۔

مسئلہ:۔ وضو میں موالات شرط ہے یعنی ایک عضو کے بعد دوسرے عضو تک پہنچنے میں اتنی تاخیر نہ کرے کہ پہلا خشک ہو جائے۔ ورنہ وضو باطل ہو جائے گا۔

پاؤں کا مسح

وَ اَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ:۔ اس کی قرأت میں اختلاف ہے بعض قاریوں نے اَرْجُلَکُمْ کی لام کو فتح (زبر) کے ساتھ پڑھا ہے اور بعض قاریوں نے اَرْجُلِکُمْ کی لام کو کسرہ (زیر) کے ساتھ پڑھا ہے فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں قفال سے نقل کیا ہے کہ ابنِ عباس۔ انس بن مالک، عکرمہ، شعبی اور امام محمد باقر علیہ السلام پاؤں کا مسح واجب جانتے ہیں اور شیعہ امامیہ کا یہی مسلک ہے اور اس کے بعد رازی نے مسح کے وجوب کے قائلین کی دلیل کو ذکر کیا ہے چنانچہ کہتا ہے کہ مسح کے وجوب کے قائل دونوں قرأتوں سے مسح کے وجوب کو ثابت کرتے ہیں۔

دلیل نمبر ۱:۔ اگر اَرْجُلِکُمْ کسرۂ لام (لام کی زیر) کے ساتھ پڑھا جائے تو صاف ظاہر ہے کہ اَرْجُلِ کا عطف ہے رُؤُسِ پر چونکہ معطوف اور معطوف علیہ کا حکم ایک ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا جس طرح سر کا مسح واجب ہے۔ اسی طرح پاؤں کا بھی مسح واجب ہوگا۔

سوال:۔ جو لوگ پاؤں کے دھونے کے قائل ہیں وہ اَرْجُلِکُمْ کی قرأت کو جرِ جوار پر محمول کرتے ہیں کرتے ہیں جیسے قرآن مجید میں ہے عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ حالانکہ قاعدہ کے مطابق الیم کو عذاب کی صفت ہونے کے اعتبار سے منصوب پڑھنا چاہیئے تھا اسی طرح فِیْ بِجَادٍ مُزَمَّلٍ امرء القیس کے قصیدہ میں مزمل کو قاعدہ کے مطابق مرفوع نہیں پڑھا گیا۔ بلکہ جرِ جوار سے مجرور پڑھا گیا پس اس مقام پر بھی اگرچہ اَرْجُلَ کو قاعدہ کے اعتبار سے منصوب پڑھنا چاہیئے تھا کیونکہ فَاغْسِلُوْا کا معمول ہے اور اس کا عطف ہے وجوہ اور ایدی پر لیکن اب جرِ جوار کی وجہ سے خلافِ قاعدہ چونکہ روس مجرور تھا لہٰذا ارجل کو بھی مجرور پڑھا گیا اور یہی قول علامہ ابو السعود نے اپنی تفسیر میں اختیار کیا ہے تو فخر الدین رازی نے یہ اعتراض نقل کر کے اس کے تین جوابات دیئے ہیں۔

جواب نمبر ۱:- جر جوار عبارتی غلطی شمار ہوتی ہے اور لسے کلام میں ضرورت شعری کے ماتحت برداشت کیا جاتا ہے تو قرآن مجید اس قسم کی اغلاط سے پاک و مبرا ہے (بنا بریں عذاب یوم الیم کا جواب یہ ہوگا کہ الیم بنا بر مبالغہ کے یوم کی ہی صفت ہے)

جواب نمبر ۲:- جر جوار وہاں جائز ہوا کرتی ہے جہاں التباس کا خطرہ نہ ہو اور التباس کے خطرہ کی صورت میں جر جوار یقیناً ناجائز ہوتی ہے اور ما نحن فیہ میں اگر بطور جر جوار کے ارجل پر کسرہ پڑھا جائے تو التباس پڑتا ہے لہذا یہاں جر جوار کے طور پر کسرہ ناجائز ہے۔

جواب نمبر ۳:- کسرہ جوار وہاں ہوتا ہے جہاں حرفِ عطف موجود نہ ہو اور یہاں حرفِ عطف موجود ہے (پس یہ کہنا کہ اَرْجُلَ کا کسرہ جرِ جوار کے طریقے سے ہے۔ غلط اور بے بنیاد ہے)

دلیل نمبر ۲:- اگر اَرْجُلَكُمْ فتحۂ لام (لام کی زبر) کے ساتھ پڑھا جائے تو اِمْسَحُوْا کا معمول ہے اور رُؤُس کے محل پر عطف ہے کیوں کہ رُؤُس پر باء جارہ (تبعیضیہ) داخل ہوا تو رُؤُس لفظاً مجرور ہوگیا لیکن محل اس کا نصب ہے کیونکہ اِمْسَحُوْا کا مفعول ہے۔ اب اَرْجُلَ میں دونوں احتمال موجود ہیں کہ اِمْسَحُوْا کا معمول ہو یا اِغْسِلُوْا کا معمول ہو اور جب ایک معمول پر دو عامل جمع ہو جائیں تو قریبی عامل کا معمول بنانا اولیٰ اور انسب ہوا کرتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ اَرْجُلَ کا عامل نصب اِمْسَحُوْا کو قرار دیا جائے لہذا اس صورت میں بھی پاؤں کا مسح واجب ہوگا۔ رازی نے شیعہ مسلک کی دلیلیں نقل کرنے کے بعد اپنے متعصبانہ و معاندانہ رویّہ کی پیروی کرتے ہوئے عذر یہ پیش کر دیا ہے کہ دھونے کے بارے میں چونکہ احادیث بکثرت وارد ہیں اور دھونے سے مسح بھی ہو ہی جاتا ہے۔ لہذا دھونا احتیاط کے زیادہ قریب ہے حالانکہ تمام فرقِ اسلامیہ نے جناب رسالتمآبؐ سے یہ حدیث بالاتفاق نقل کی ہے کہ قَالَ النَّبِيُّ لَوْجَاءَكُمْ خَبَرٌ مِّنِّيْ فَاعْرِضُوْهُ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ وَافَقَهٗ فَاقْبَلُوْهُ وَاِنْ خَالَفَهٗ فَاتْرُكُوْهُ وَاعْمَلُوْا كِتَابَ اللّٰهِ :- یعنی حضورؐ نے فرمایا اگر تمہیں میری طرف سے کوئی حدیث پہنچے تو اسے کتاب اللہ پر پیش کرو۔ اگر وہ حدیث کتاب اللہ کے موافق ہو تو اس پر عمل کرو اور اگر مخالف ہو تو اس کو چھوڑ دو اور کتاب اللہ پر عمل کرو اور خود رازی نے بھی دوسرے صفحہ پر باختلاف الفاظ اسی حدیث کو نقل کیا ہے۔ نیز رازی کا یہ عذر کہ دھونے میں مسح کرنا آجاتا ہے انتہائی لغو و بے ہودہ ہے کیونکہ دھونا اور مسح کرنا دو الگ الگ مفہوم ہیں۔ غسل تب صادق آتا ہے۔ جب مغسول پر پانی بہہ جائے اور اس پر یقیناً مسح کا اطلاق نہیں ہوتا اور مسح کا صدق اس وقت ہوتا ہے جب ممسوح پر عضو ماسح کی تری پہنچے اور پانی جاری نہ ہو اور اس پر غسل (دھونا) صادق نہیں آتا اور اس فرق کو ہر خاص و عام سمجھ سکتا ہے اور ترتیب وضو کے وجوب کو ثابت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وضو کا وجوب معقول نہیں ہے یعنی اس کی حقیقی علت ہمارے عقول نہیں معلوم کر سکتے تو جب یہ بات ہے تو پس وضو کو اسی طریقہ سے بجالانا واجب ہے جس طریقہ سے نص میں وارد ہے اور وضو کے غیر معقول ہونے کی پانچ وجہیں ذکر کیں۔

(۱) حدث کسی مقام سے خارج ہوتی ہے اور دھویا کسی اور مقام کو جاتا ہے (۲) وضو کرنے والے کے اعضا پہلے بھی پاک ہوتے ہیں پھر دوبارہ دھونے کا حکم تحصیل حاصل ہے (۳) تیمم وضو کا قائمقام ہے حالانکہ دھونا اور گرد آلود کرنا ایک دوسرے کی ضد ہیں (۴) موزوں پر مسح کرنا پاؤں کے دھونے کے قائمقام ہے (۵) بدبودار پاک پانی سے وضو ہو سکتا ہے حالانکہ عرقِ گلاب سے نہیں ہو سکتا۔ پس ان پانچ وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو کی مصلحت ہماری عقول سے بالاتر ہے لہذا وضو کے افعال میں نص سے باہر نہ جانا چاہیئے ۔ یہ ہے رازی کی اصل عبارت کا ترجمہ تو میں پوچھتا ہوں جب اس بات کا اعتراف ہے کہ وضو کے مصالح ہماری عقل و دانش سے بالاتر ہیں۔ لہذا نص سے آگے قدم نہیں رکھنا چاہیئے تو حضرت! پاؤں کے مسح کے وجوب کے بارے میں آپ اپنی عقل و دانش کو کیوں گھسیٹ رہے ہیں ۔ جب نص قرآنی کہتی ہے کہ پاؤں کا مسح واجب ہے خواہ اَرْجُلَكُمْ پڑھا جائے یا اَرْجُلِكُمْ پڑھا جائے اور آپ کی بیان کردہ دلیلیں کہتی ہیں کہ مسح واجب ہے پھر آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ دھونے میں مسح آجاتا ہے لہذا احتیاط دھونے میں ہے کیا یہ ممکن نہیں کہ شاید مصلحت خداوندی صرف مسح کرنے میں ہو۔ اور دھونے میں نہ ہو۔ آپ کی عقلی احتیاط نص قرآنی کے مقابلہ یہاں کیوں نکل آئی ؟ پس صریح حکم قرآن کو چھوڑ کر حدیث کا سہارا لینا مذہب اہل بیتؑ سے کنارہ کشی کا ایک بہانہ ہے ورنہ اسے معلوم ہے کہ وہ حدیث حدیث نہیں جو مخالفِ قرآن مجید ہو اور پھر یہ کہنا کہ دھونے میں مسح آ ہی جاتا ہے ۔ عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے جبکہ وہ اس امر کا معترف ہے کہ حکمت وضو ہماری عقول سے بالاتر ہے ۔

اقول :۔ بعض لوگ جو پاؤں کے دھونے کے قائل ہیں وہ پاؤں کا دھونا قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اَرْجُلَكُمْ کا عطف وُجُوْهَكُمْ پر ہے اور یہ اِغْسِلُوْا کا معمول ہے لیکن قرآن کے اسلوب بیان اور نظم مطالب سے بعید ہے کہ اَرْجُلَكُمْ کو اِغْسِلُوْا کا معمول قرار دیا جائے کیونکہ ایک فعل کے معمولات ذکر کرنے کے بعد صرف عطف لاکر دوسرے فعل اور اس کے معمولات کا ذکر کرنا اس وقت درست ہوتا ہے جبکہ پہلے فعل کے معمولات یا متعلقات میں سے کوئی چیز بچ نہ جائے یعنی جملہ معطوف علیہ کی تمامیت کے بعد جملہ معطوفہ لانا چاہیئے ورنہ بیان کا نظم اور سلاست ختم ہو جائے گی اور تعقید پیدا ہو جائے گی جو فصاحتِ کلام کے منافی ہے نیز یہاں اگر اَرْجُلَكُمْ کو اِغْسِلُوْا کا معمول قرار دیا جائے تو اس کا مقصد یہ ہے اِغْسِلُوْا کے معمولات ابھی پورے ذکر نہیں ہونے پائے تھے کہ حرفِ عطف کے ذریعے اس کے جملہ معطوفہ اِمْسَحُوْا اور اس کے معمولات کا ذکر چھیڑ دیا گیا اور اس جملہ معطوفہ کی تمامیت کے بعد پھر جملہ معطوف علیہا کے معمول اَرْجُلَكُمْ کو ذکر کیا گیا اور یہ بے ربطی اور بے قاعدگی کسی ذی ہوش کے کلام میں برداشت نہیں کی جاسکتی چہ جائے کہ کلام خالق کو اس ناقابل عفو عیب سے ملوث قرار دیا جائے جو مسلم طور پر فصاحت و بلاغت میں اعجازی حیثیت کا حامل ہے ۔

فخرالدین رازی نے ایک عذر یہ بھی پیش کیا ہے کہ پاؤں کے حکم کی حد مقرر ہے یعنی کعبین تک اور اس طرف دھونے میں ہاتھوں کی حد مقرر ہے کہنیوں تک پس محدود چیز کا محدود چیز پر ہی عطف ہونا چاہیئے تو اس کا جواب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ

نے جس طرح کہ علاّمہ طبرسی نے اپنی تفسیر میں نقل فرمایا ہے۔ یہ دیا ہے کہ پاؤں کا محدود ہونا اس کے دھونے کی دلیل نہیں بن سکتا کیوں کہ جس طرح دھونا ایک حکم شرعی ہے اسی طرح اس کے مقابلہ میں مسح کرنا بھی ایک حکم شرعی ہے۔ اس میں حدود کا معیّن ہونا یا نہ ہونا کوئی اثر انداز نہیں ہے۔

نیز ہم ہاتھوں کے دھونے کے اس لئے قائل نہیں ہیں کہ اس کی حدیں مقرر ہیں۔ بلکہ اگر ان کی حدیں مقرر نہ ہوتیں تب بھی ان کا دھونا واجب تھا کیونکہ حکم دھونے کا ہے۔ لہٰذا اس حد بندی کی وجہ سے پیروں کا مسح ثابت کرنا ناجائز ہے۔

اور اگر خواہ مخواہ مناسبت و موافقت کا تلاش کرنا مطلوب ہے یعنی یہ کہ محدود کا عطف محدود پر ہی ہونا چاہیئے اور غیر محدود پر ہونا چاہیئے تو جب وجوہ غیر محدود تھا اس پر ایدی کا عطف کیوں کیا گیا جو کہ محدود ہے پس جس طرح وجوہ غیر محدود پر ایدی محدود کا عطف دھونے کے حکم میں ہو سکتا ہے تو اسی طرح رؤس غیر محدود پر ارجل محدود کا عطف مسح کرنے کے حکم میں بھی ہو سکتا ہے بلکہ ایسا کرنا زیادہ موزوں ہے کیونکہ پہلے جملہ میں دھونے کے اعضاء بتائے۔ جن میں غیر محدود کو مقدم معطوف علیہ قرار دیا اور محدود کو مؤخر اور معطوف قرار دیا اس کے بعد مسح کا حکم شروع کرکے وہاں بھی غیر محدود کو معطوف علیہ اور محدود کو اس کا معطوف بنایا پس اس طریقہ سے دونو جملے ایک دوسرے کے بالکل مشابہ ہو گئے کہ معطوف علیہ جملہ میں مغسول غیر محدود مغسول محدود کا معطوف علیہ ہے اور جملہ معطوفہ میں بھی ممسوح غیر محدود ممسوح محدود کا معطوف علیہ ہے۔ بہر کیف فخرالدین جیسے صاحب علم کے قلم سے ایسی لوچ باتوں کا ظہور مقام عبرت ہے لیکن تعصب کی شریعت میں سب کچھ جائز ہے۔ اگر طبیعت میں سلامتی ہو اور دل میں قدرے انصاف ہو تو مسئلہ میں ذرہ بھر گنجلک نہیں لیکن اگر نیّت ناصاف ہو اور دل میں کدورتوں کے انبار ہوں تو مطلب اگرچہ کس قدر ہی واضح کیوں نہ ہو کوئی نہ کوئی بہانہ بن ہی جائے گا۔ مثل مشہور ہے۔ دروغ گو را بہانہ بسیار اور پھر جس نبیؐ کی شریعت پر ایمان ہے اس نبیؐ کے فیصلہ کو ہی تسلیم کر لیں کیونکہ خدا بھی فرماتا ہے جب تمہیں کسی بات میں نزاع ہو تو خدا اور رسولؐ کی طرف رجوع کرکے فیصلہ کرا لیا کرو اور ان کا صاف فیصلہ ہے کہ قرآنی مطالب کو علیؑ سب سے زیادہ سمجھ سکتا ہے چنانچہ ابھی بعد میں چند ایک احادیث اس مضمون کی نقل کی جا رہی ہیں اور شاعر نے خوب کہا ہے (لوامع التنزیل)

اِذَا شِئْتَ اَنْ تَخْتَارَ لِنَفْسِكَ مَذْهَبًا	جب تو اپنے لئے کوئی مذہب اختیار کرنا چاہے اور
وَتَعْلَمَ اَنَّ النَّاسَ فِیْ نَقْلِ اَخْبَارِ	تو جانتا ہو کہ لوگ حدیثیں نقل کرنے کے در پے ہیں۔ تو
فَدَعْ عَنْكَ قَوْلَ الشَّافِعِیِّ وَمَالِكٍ	شافعی مالک کی باتوں کو چھوڑ۔ نیز احمد بن حنبل اور کعب احبار
وَاَحْمَدَ وَالْمَرْوِیَّ عَنْ كَعْبِ اَحْبَارِ	کی روایات کو بھی چھوڑ۔ پس ان لوگوں سے محبت کر
فَوَالِ اُنَاسًا قَوْلُهُمْ وَحَدِیْثُهُمْ	جن کی حدیث اور روایات یہ ہو کہ ہمارے نانا نے جبرئیلؑ
رَوٰی جَدُّنَا عَنْ جِبْرَئِیْلَ عَنِ الْبَارِیْ	سے اور جبرئیلؑ نے خدا سے یہ حکم پہنچایا۔

لیکن جن لوگوں کے دل کج ہیں ان کو خواہ مخواہ خاندانِ نبوی سے عداوت ہے اور ان کو اعمال کے ضائع ہونے کی

پرواہ نہیں اور ان کا اصول یہ ہے کہ ہر ایک کی مانیں گے لیکن جو بات آئمہ اہلبیتؑ کہیں گے وہ نہ مانیں گے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک شخص کی ساٹھ ستر برس عمر گذر جاتی ہے اور اس کی ایک نماز بھی قابل قبول نہیں ہوتی راوی نے پوچھا وہ کیسے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وضو میں جس چیز کے مسح کا خدا نے حکم دیا ہے وہ اس کو دھوتا رہا ہے (کافی) یعنی جب وہ عمل میں خدا کی مخالفت کرتا ہے اور اپنی من مانی کرتا ہے تو اسے اس کا ثواب کیا خاک ملے گا بعض لوگ اس اعتراض سے بچنے کے لئے یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اَرْجُلَكُمْ پہلے اِغْسِلُوْا کا معمول نہیں بلکہ اس کا عامل جدا محذوف ہے یعنی اصل میں یوں ہے۔ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاغْسِلُوْا اَرْجُلَكُمْ یعنی مسح کرو سروں کا اور دھوؤ پاؤں کو جیسے کہ ایک عرب کے کلام میں ہے عَلَفْتُهَا تِبْنًا وَّمَاءً بَارِدًا یہاں مَاءً کا عامل محذوف ہے یعنی اصل میں اس طرح تھا عَلَفْتُهَا تِبْنًا وَّ سَقَيْتُهَا مَاءً بَارِدًا یعنی میں نے اس کو کھلایا بھوسہ اور پلایا ٹھنڈا پانی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حذف و تقدیر اس مقام پر جائز ہوا کرتا ہے۔ جہاں التباس کا خطرہ نہ ہو اور حذف پر قرینہ قاطعہ دلالت کرنے والا موجود ہو جس طرح مثال مذکور میں ہے کہ التباس کا خطرہ بھی نہیں اور قرینہ بھی موجود ہے کہ پانی کا تعلق کھانے سے نہیں بلکہ پینے سے ہوا کرتا ہے۔ لیکن مَا نَحْنُ فِيْهِ میں اَرْجُلَكُمْ کا عامل اگر اِغْسِلُوْا محذوف ہے تو اس کا ظاہر کرنا واجب تھا کیونکہ حذف کرنے سے مسح کا التباس بھی موجود ہے اور حذف پر قرینہ قاطعہ بھی موجود نہیں اور اس مقام پر حدیث یا عمل اصحاب کو قرینہ قرار دینا بھی ناجائز ہے کیونکہ ایسے مقامات پر قرینہ متصلہ ضروری ہوا کرتا ہے نہ کہ منفصلہ ورنہ وقت عمل سے بیان کی تاخیر لازم آئے گی اور یہ چیز قطعاً ناجائز ہے جیسا کہ علمائے اصول نے اس کی تحقیق کی ہے۔ بہرکیف پاؤں کے دھونے یا مسح کرنے کے متعلق صحابہ کی دو جماعتیں ہو گئیں۔ ایک جماعت میں بقول رازی ابن عباس حبر الامت اور عکرمہ موجود ہیں اور آئمہ اہلبیتؑ کا مسلک بھی یہی ہے اور دوسری جماعت دیگر صحابہ کی ہے اور نزاع ہے اس بات میں کہ قرآن کیا فیصلہ کرتا ہے تو ایسی نزاعی صورت میں جناب رسالتمآبؐ کا فیصلہ ہی آخری ہونا چاہیے اور انہوں نے ایک دو نہیں بلکہ بارہا ارشاد فرمایا کہ ایسی صورتوں میں علیؑ اور آل کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

۱۔ عَلِيٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِيٍّ لَنْ يَّتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ یعنی علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس اکٹھے وارد ہوں گے۔

۲۔ عَلِيٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِيٍّ يَدُوْرُ حَيْثُمَا دَارَ۔ علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؑ کے ساتھ ہے حق اس طرف پھرتا ہے جس طرف علیؑ ہو۔

۳۔ قَالَ النَّبِيُّ تَكُوْنُ فِتْنَةٌ فَاِذَا ظَهَرَتْ تِلْكَ الْفِتْنَةُ فَعَلَيْكُمْ بِعَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ فَاِنَّهُ الْفَارِقُ بَيْنَ الْخَلْقِ وَبَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ حضورؐ نے فرمایا فتنہ کا دور آئے گا اور جب وہ زمانہ آئے تو علیؑ ابن ابی طالب کے ساتھ رہنا کیونکہ وہ مخلوق میں اور حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے (مناقب خوارزمی)

۴۔ قَالَ النَّبِیُّ مَنْ فَارَقَ عَلِیًّا فَقَدْ فَارَقَنِیْ وَ فَارَقَ اللّٰہُ حضورؐ نے فرمایا جو علیؑ سے جُدا ہوا وہ مجھ سے اور خدا سے جُدا ہوا۔

۵۔ یَاعَمَّارُ اِنْ رَاَیْتَ عَلِیًّا یَمْشِیْ فِیْ وَادٍ وَالنَّاسُ فِیْ وَادٍ آخَرَ اِذْھَبْ مَعَ عَلِیٍّ فَاِنَّہٗ لَا یُدْخِلُکَ فِیْ ضَلَالَۃٍ وَلَا یُخْرِجُکَ مِنْ ھِدَایَۃٍ حضورؐ نے عمارؓ سے ارشاد فرمایا کہ اگر دیکھو کہ علیؑ ایک وادی میں جارہے ہیں اور باقی تمام لوگ دوسری وادی میں جارہے ہیں تو باقی لوگوں کو چھوڑ کر علیؑ کے ساتھ ہو جاؤ کیونکہ وہ تم کو گمراہی میں نہ داخل کرے گا اور ہدایت سے نہ باہر کرے گا۔

۶۔ حدیث ثقلین اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ الخ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک قرآن مجید اور دوسری عترت اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جُدا نہ ہوں گی یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں گے

یہ تمام حدیثیں مُسَلَّم بَیْنَ الفریقین ہیں۔

پس ان تصریحات کی موجودگی میں اور علاوہ ازیں تمام صحابہ کے اس اعتراف کے باوجود کہ حضرت علیؑ تمام سے اعلم تر ہیں جیسا کہ ہم نے مقدمہ تفسیر میں اس کو ثابت کیا ہے۔ پس وضوء کے معاملہ میں اگر مسح رجلین میں اختلاف ہے تو کیوں نہ صحابہ کی اس جماعت کا قول مانا جائے جو اہلبیتؑ کے مسلک کے موافق ہو۔ اہلبیتؑ کا قول جو قرآن کے ظاہر کے بالکل موافق اور قواعد عربیہ کے عین مطابق ہے۔ اس کی خلاف ورزی کے لئے حدیث کا سہارا لیا جاتا ہے۔ لیکن جب وہی حدیث اور صاحب حدیث بار بار فرمائیں کہ اہلبیتؑ سے تمسک پکڑو تو پھر حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ کی رٹ لگائی جاتی ہے (این چہ بوالعجبی است) اب چند حدیثیں بھی ذکر کرنا ضروری ہیں۔ تاکہ استفادہ وافادہ میں کمی نہ رہے۔

۱۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَبَی النَّاسُ اِلَّا الْغَسْلَ وَلَا اَجِدُ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اِلَّا الْمَسْحَ ابن عباس فرماتے ہیں لوگوں نے پاؤں دھونے پر ہی ضد کر لیا ورنہ میں کتاب خدا سے مسح کا حکم ہی سمجھتا ہوں (ابن ماجہ) درمنثور

۲۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِفْتَرَضَ اللّٰہُ غَسْلَتَیْنِ وَمَسْحَتَیْنِ اَلَا تَرٰی اَنَّہٗ ذَکَرَ التَّیَمُّمَ فَجَعَلَ مَکَانَ الْغَسْلَتَیْنِ مَسْحَتَیْنِ وَتَرَکَ الْمَسْحَتَیْنِ۔ ابن عباس نے فرمایا کہ خُدا نے وضوء میں دو چیزوں کے دھونے کا حکم دیا اور دو چیزوں کے مسح کا حکم دیا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تیمم میں پانی کی عدم موجودگی کی صورت میں جن دو چیزوں کا دھونا فرض تھا۔ اب مسح کرنا ان کا لازم ہے اور جن چیزوں کا وضو میں مسح کرنا لازم تھا۔ وہ تیمم میں متروک ہیں (درّ منثور)

۳۔ عَنِ الشَّعْبِیِّ نَزَلَ جِبْرِیْلُ بِالْمَسْحِ عَلَی الْقَدَمَیْنِ اَلَا تَرٰی اَنَّ التَّیَمُّمَ اَنْ یُّمْسَحَ مَا کَانَ غَسْلًا وَیُلْغٰی مَا کَانَ مَسْحًا شعبی سے منقول ہے کہ جبرئیل قدموں پر مسح کا حکم لایا تھا۔ دیکھتے نہیں ہو کہ تیمم میں دھونے والی چیزوں کا مسح کیا جاتا ہے اور مسح والی چیزوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے (درّ منثور)

۴۔ تفسیر درّ منثور سے منقول ہے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام آیت مجیدہ میں اَرْجُلِکُمْ پڑھا کرتے

تھے (جو مسح کو ظاہر کرتی ہے)

۵۔ صواعق محرقہ سے منقول ہے کہ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اہل بیت علیہا السلام سے وضوء میں مسح کرنا ہی نقل ہے تو یہی مسلک درست ہے نہ کہ دھونا کیونکہ حضورؐ نے ان کے شان میں ارشاد فرمایا ہے کہ تم ان کو نہ سکھانا کیونکہ وہ تم سے اعلم ہیں۔

٦۔ اہلبیتؑ سے تو بطور تواتر سے منقول ہے البتہ بطور تبرک کے نقل کرنے میں حرج نہیں ہے۔ جب ہارون کے وزیر علی بن یقطین جو شیعہ تھا کو ہارون کی طرف سے ضرر کا خطرہ لاحق تھا تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اس کو لکھا تھا کہ وضو اس طرح کیا کر جس طرح مخالفین کرتے ہیں۔ پھر کچھ مدت گذر جانے کے بعد علی بن یقطین کو دوسرا خط لکھا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اے علیؑ تو وضو اس طرح کیا کر جس طرح اللہ کا حکم ہے۔ یعنی منہ کو ایک مرتبہ دھو فرض طور پر اور پھر دوسری مرتبہ بھی اگر چاہے تو دھو اور اس کے بعد ہاتھوں کو کہنیوں سے دھو اور پھر اپنے سر کے اگلے حصہ کا اور دونوں قدموں کے ظاہر کا وضوء کی بچی ہوئی تری سے مسح کر کیوں کہ جس چیز کا خطرہ تھا وہ اب تجھ سے دفع ہوگیا۔ والسلام (ارشاد المفید الوامع التنزیل)

۷۔ وسائل میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت امیر علیہ السلام اپنے فرزند محمد بن حنفیہ کے ہمراہ سائب شخص کے لئے بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا اے فرزند محمد! پانی لاؤ تاکہ نماز کے لئے وضو کریں۔ پس محمدؐ نے پانی پیش کیا، آپ نے ہاتھ پر پانی ڈالا اور دعا پڑھی بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ الْمَاءَ طَهُوْرًا وَلَمْ يَجْعَلْهُ نَجِسًا۔ اور طہارت کے وقت یہ دعا پڑھی:۔ اَللّٰهُمَّ حَصِّنْ فَرْجِيْ وَاَعِفَّهُ وَاسْتُرْ عَوْرَتِيْ وَحَرِّمْنِيْ عَلَى النَّارِ پھر کلی کے وقت یہ دعا پڑھی اَللّٰهُمَّ لَقِّنِيْ حُجَّتِيْ يَوْمَ اَلْقَاكَ وَاَطْلِقْ لِسَانِيْ بِذِكْرِكَ پھر ناک میں پانی ڈالا اور یہ دعا پڑھی اَللّٰهُمَّ لَا تُحَرِّمْ عَلَيَّ رِيْحَ الْجَنَّةِ وَاجْعَلْنِيْ مِمَّنْ يَشُمُّ رِيْحَهَا وَرَوْحَهَا وَطِيْبَهَا پھر منہ پر پانی ڈالا اور یہ دعا پڑھی اَللّٰهُمَّ بَيِّضْ وَجْهِيْ يَوْمَ تَسْوَدُّ فِيْهِ الْوُجُوْهُ وَلَا تُسَوِّدْ وَجْهِيْ يَوْمَ تَبْيَضُّ فِيْهِ الْوُجُوْهُ پھر دایاں ہاتھ دھویا اور یہ دعا پڑھی اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ كِتَابِيْ بِيَمِيْنِيْ وَالْخُلْدَ فِي الْجِنَانِ بِيَسَارِيْ وَحَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَسِيْرًا پھر بایاں ہاتھ دھویا اور یہ دعا پڑھی اَللّٰهُمَّ لَا تُعْطِنِيْ كِتَابِيْ بِشِمَالِيْ وَلَا تَجْعَلْهَا مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِيْ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ مُقَطَّعَاتِ النِّيْرَانِ پھر سر کا مسح کیا اور یہ دعا پڑھی:۔ اَللّٰهُمَّ غَشِّنِيْ بِرَحْمَتِكَ وَبَرَكَاتِكَ وَعَفْوِكَ۔ پھر پاؤں کا مسح کیا اور یہ دعا پڑھی:۔ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنِيْ عَلَى الصِّرَاطِ يَوْمَ تَزِلُّ فِيْهِ الْاَقْدَامُ وَاجْعَلْ سَعْيِيْ فِيْمَا يُرْضِيْكَ عَنِّيْ۔ پس سر کو اوپر کو بلند کیا اور محمد سے فرمایا اے فرزند جو شخص میرے وضو کی طرح وضو کرے اور یہی دعائیں پڑھے تو خداوند کریم وضوء کے ہر قطرہ سے ایک ایک فرشتہ پیدا کرے گا جو قیامت تک اس کی تسبیح و تکبیر میں مشغول ہوگا اور اس کا ثواب تا قیامت اس وضوء کرنے والے کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔ بہر کیف مسح کرنا پاؤں کا مذہب اہلبیت میں ثابت ہے سر کے مسح کے بعد پاؤں کا مسح کرنا چاہیئے

مسئلہ:۔ پاؤں کا مسح کرتے وقت پہلے دائیں پاؤں کا پھر بائیں پاؤں کا مسح کرے اور دونوں پاؤں کا مسح اکٹھا بھی

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ
اور اگر تم بحالتِ جنب ہو تو غسل کرو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا آئے کوئی تم
اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا
سے پیشاب پاخانہ پھر کر یا جماع کر چکے ہو عورتوں سے پس نہ پاؤ پانی تو قصد کرو
صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ
زمین پاکیزہ کا پس مسح کرو اپنے منہ اور ہاتھوں کا اس سے خدا نہیں چاہتا کہ کرے
عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ
تم پر کوئی تنگی لیکن وہ تو چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور تمام کرے اپنی نعمت کو تم پر

کیا جاسکتا ہے لیکن بائیں پاؤں کو دائیں سے پہلے کرنا ٹھیک نہیں ہے ورنہ وضو باطل ہو جائے گا۔

مسئلہ:۔ افضل یہ ہے کہ پاؤں کا مسح پوری کفِ دست سے کیا جائے۔

مسئلہ:۔ پاؤں کا مسح انگلیوں سے شروع کرکے ٹخنوں تک کرے۔ اگر اُلٹ کرے تو بھی وضو باطل نہ ہوگا۔ چنانچہ صریح لفظوں میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے لَا بَاْسَ بِمَسْحِ الْوُضُوْءِ مُقْبِلًا وَّمُدْبِرًا یعنی وضو میں مسح سیدھا یا اُلٹا دونوں طرح جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ وضو میں ترتیب واجب ہے کہ پہلے منہ کو دھوئے پھر دایاں ہاتھ پھر بایاں ہاتھ پھر سر کا مسح اور پھر دائیں پاؤں کا مسح اور آخر میں بائیں پاؤں کا مسح اگر ترتیب کو خراب کرے گا تو وضو باطل ہوگا۔ اگر کوئی جزو بھول جائے تو پھر وضو کو وہاں سے دوہرائے جہاں سے ترتیب ٹھیک ہو سکتی ہے۔

مسئلہ:۔ اگر وضو کے دوران میں کسی عضو میں شک پڑ جائے تو اس کو پھر کرے اور اس کے بعد حسبِ ترتیب وضو مکمل کرے۔ لیکن اگر وضو سے فارغ ہونے کے بعد کسی عضو میں شک ہو جائے تو اس کی پرواہ نہ کرے۔

مسئلہ:۔ وضو میں دھونے یا مسح کرنے کے مقام پر اگر کوئی حائل موجود ہو تو جسم تک تری پہنچانے کیلئے اس کو دُور کرنا واجب ہے۔

مسئلہ:۔ اگر وضو کا یقین ہو اور حدث کا شک ہو تو وہ اپنے آپ کو باوضو سمجھے لیکن اگر حدث کا یقین اور وضو کا شک ہو تو وضو واجب ہے اور اگر دونو کا یقین اور ان کے مقدّم و مؤخر ہونے کا علم نہ ہو تو پھر بھی وضو واجب ہے۔

غسلِ جنابت کا بیان

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا الخ:۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پیشاب پاخانہ کے لئے تو صرف وضو

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٦﴾

تاکہ تم شکر گذار بنو

کافی ہے لیکن جنابت کے لئے غسل کرنا واجب ہے ۔ یہ کیوں ؟ چنانچہ آئمہ طاہرینؑ سے بھی اس قسم کے سوالات کئے گئے اور انہوں نے جوابات بھی دیئے ۔ حضرت امام رضا علیہ السلام نے بعض لوگوں کے مسائل کے جواب میں غسل جنابت کی علت کو بھی تحریر فرمایا کہ چونکہ جنابت کا خروج پورے جسم سے ہوتا ہے اس لئے سارے جسم کو پاک کرنا ضروری ہے نیز پیشاب وپاخانہ کا وقوع اکثر ہوتا ہے اور جنابت کا وقوع کم ہوتا ہے اور پیشاب وپاخانہ بلا ارادہ آتا ہے اور جنابت ارادہ وشہوت سے آتی ہے اس لئے پیشاب وپاخانہ میں مشقت کی وجہ سے تخفیف کے طرز پر وضوء کا حکم دیا اور جنابت کے لئے غسل کا حکم صادر فرمایا نیز جناب رسالتمآبؐ نے ایک یہودی کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جب انسان اپنی عورت سے ہمبستری کرتا ہے تو منی اس کے جسم کی ہر رگ وبال سے خارج ہوتی ہے لہذا خداوندکریم نے اولادِ آدمؑ پر تا قیامت غسل جنابت کو واجب قرار دیا اور اس کے مقابلہ میں پیشاب چونکہ صرف پانی کا فضلہ ہے اور پاخانہ صرف طعام کا فضلہ ہوتا ہے لہذا ان کے لئے صرف وضو کافی ہے ۔ نیز امام رضا علیہ السلام سے ایک روایت میں اس طرح مروی ہے کہ پیشاب وپاخانہ باوجودیکہ جنابت سے زیادہ نجس اور موجب کراہت ہیں لیکن جنابت چونکہ نفسِ انسان سے ہے اور پورے جسم سے خارج ہوتی ہے اس لئے اس کے لئے غسل واجب ہے اور فضلات نفسِ انسان سے نہیں ہیں بلکہ یہ تو غذا ہے کہ ایک راستہ سے آتی ہے اور دوسرے راستہ سے نکل جاتی ہے (وسائل) حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السلام نے جو سوالات ابوحنیفہ سے کئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا ۔

جنابت :۔ کے سبب دو ہیں ۔ ایک وطی اور دوسرا خروجِ منی ۔

۱۔ وطی مرد سے ہو یا عورت سے ۔ انسان سے ہو یا حیوان سے ۔ زندہ سے ہو یا مُردہ سے اور وطی سے مراد فاعل کا آلہ مفعول کے مقامِ مخصوص میں داخل ہو ، خواہ منی خارج ہو یا نہ ہو پس فاعل ومفعول دونوں پر غسل واجب ہوگا اور مفعول حیوان حلال ہوگا تو حرام ہو جائے گا اور اس کو ذبح کرکے دفن کر دیا جائے گا اور فاعل پر تعزیر اور حیوان کے مالک کو اس کی قیمت کی ادائیگی بھی واجب ہوگی ۔

۲۔ منی کا خروج جاگتے میں ہو یا سوتے میں ، بوس وکنار کی وجہ سے ہو یا محض تصور کی بنا پر ہر صورت میں غسل واجب ہوگا ۔ اگر نیند میں احتلام ہو جائے اور اس کو علم تک نہ رہے ۔ پس جب بیدار ہو تو کپڑے میں منی کا اثر دیکھے تو غسل واجب ہوگا لیکن اگر خواب میں عورت کے ساتھ مجامعت کرتے ہوئے دیکھے لیکن جب بیدار ہو تو منی کا اثر جسم یا کپڑے پر کوئی موجود نہ ہو تو غسل واجب نہ ہوگا ۔

مسئلہ:۔ اگر تندرست انسان ہو تو خروجِ منی کے وقت ہوشیاری کے بعد پانی کا کُود کر آنا اور پھر جسم کا سُست ہو جانا اس کی علامت ہے لیکن بیمار انسان کے لئے اگر ہوشیاری کے بعد میں سستی کی صورت نہ ہو لیکن منی کا خروج شہوت سے ہو جائے تو وہی کافی ہے اور غسل واجب ہو جائے گا۔

غسلِ جنابت کا طریقہ

غسل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ترتیبی دوسرا ارتماسی۔

۱۔ غسلِ ترتیبی کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اپنے ہاتھوں کو دھولے اور مقامِ نجس کو پاک کرے پس غسل کی نیت کرکے سر پر پانی ڈالے اور سر و گردن کو دھوئے کہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے پھر کندھے سے پاؤں کے تلوؤں تک دائیں حصہ جسم پر پانی ڈال کر دھوئے کہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے اور آخر میں کندھے سے لے کر پاؤں کے تلوؤں تک بائیں حصہ جسم کو دھوئے اور غسلِ ارتماسی یہ ہے کہ جسم کو پاک کرکے ایک دفعہ نیت کرکے پانی میں چلا جائے کہ پُورا جسم پانی میں چُھپ جائے۔

تنبیہہ:۔ ہر غسل خواہ واجب ہو یا سنّت اس کے کرنے کے یہی طریقے ہیں۔ صرف نیت ہر ایک کی الگ الگ ہے

مسئلہ:۔ چھلا، انگوٹھی، کنگن یا کوئی زیور اگر موجود ہو تو اس کے نیچے چمڑے تک پانی پہنچانا واجب ہے۔ ورنہ غسل درست نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ ناخن پالش کی موجودگی میں غسل صحیح نہ ہوگا کیونکہ پالش کے نیچے ناخن تک پانی نہیں پہنچ سکتا۔ بہر کیف جسم پر کوئی حائل نہیں ہونا چاہیئے۔

مسئلہ:۔ اگر تیل یا گھی وغیرہ جسم پر زیادہ مل دیا ہو کہ پانی جسم تک نہ پہنچ سکے تو غسل کرنے سے پہلے چکناہٹ کو دور کرے اور پھر غسل کرلے تاکہ پانی پورے جسم پر پہنچے۔

مسئلہ:۔ غسلِ جنابت سے پہلے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

مسئلہ:۔ غسلِ ترتیبی میں اعضاء کے درمیان ترتیب معتبر ہے کہ پہلے سر، گردن، پھر دایاں پھر بایاں حصہ اگر اس ترتیب کے خلاف کرے گا تو غسل باطل ہوگا۔ لیکن ہر ہر عضو میں ترتیب واجب نہیں کہ اُوپر سے نیچے کو دھوئے یا نیچے سے اوپر کو دھوئے بلکہ جس طرح دھوئے گا غسل صحیح ہوگا۔

مسئلہ:۔ غسلِ ترتیبی میں موالات کا اعتبار نہیں۔ اگر ایک وقت میں سر و گردن دھوئے اور پھر کافی وقفہ کے بعد دایاں حصہ اور پھر دیر کے بعد بایاں حصہ دھولے تو غسلِ ترتیبی ہو جائے گا۔

مسئلہ:۔ غُسلِ جنابت کے پہلے یا بعد میں وضو کرنا حرام ہے اور بعض روایات میں اس کو بدعت سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ باقی جسقدر اغسال ہیں ان کے ساتھ پہلے یا پیچھے نماز کیلئے وضو کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ:۔ خروجِ منی کے بعد غسل سے پہلے پیشاب کر لینا چاہیئے تاکہ نالی میں اگر منی کا کچھ حصہ پیچھے رہ گیا ہو

تو وہ پیشاب کے ذریعے سے باہر نکل آئے گا اور غسل کے بعد منی کے خروج کا احتمال نہ رہے گا اگر ایسا کرے تو بعد میں اگر کوئی رطوبت نکلے گی تو غسل دوبارہ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ بلکہ اگر پیشاب کے بعد استبراء کر چکا تھا تو وضو کی بھی ضرورت نہ ہوگی ورنہ وضو کرنا پڑے گا لیکن اگر خروج منی کے بعد پیشاب کئے بغیر غسل کرے اور بعد میں کوئی رطوبت ظاہر ہو تو غسل دوبارہ کرنا پڑے گا۔

مسئلہ:۔ اگر غسل کے متعدد اسباب جمع ہوجائیں تو سب کے لئے ایک ہی غسل کافی ہے اگر ان اسباب میں سے ایک جنابت بھی ہو تو نماز کے لئے اوّل یا آخر میں وضو کی ضرورت نہ رہے گی لیکن اگر جنابت ان میں نہ ہو تو نماز کے لئے اوّل یا آخر وضو کرنا ضروری ہوگا۔

مسئلہ:۔ غسل جنابت یا دیگر اغسال میں مرد و عورت کا طریقۂ غسل ایک ہی ہے خواہ ترتیبی ہو یا ارتماسی۔

مسئلہ:۔ جنبی انسان مرد ہو یا عورت ان کے لئے چند چیزیں حرام ہیں۔

۱۔ کسی مسجد میں ٹھہرنا اور مسجد نبی اور مسجد حرام میں ٹھہرنا تو بجائے خود ان میں گذر کرنا بھی ان کیلئے حرام ہے۔ ہاں! باقی مساجد میں سے گذر جانا حرام نہیں اور انبیاء اور آئمہ کے گھروں کا بھی یہی حکم ہے کہ جنبی انسان ان میں داخل نہ ہو بنا بریں معصومینؑ کے حرموں میں جنبی انسان کے لئے داخل ہونا دُرست نہیں ہے۔

۲۔ مسجد میں کوئی چیز رکھنا بھی جنبی انسان کے لئے حرام ہے۔ البتہ مسجد سے کوئی چیز اٹھانا اس کے لئے حرام نہیں ہے۔

۳۔ قرآن مجید کی تحریر کو چھونا یا اللہ پاک کے اسماء طاہرہ کو مس کرنا بھی جنبی انسان پر حرام ہے اور انبیائے طاہرینؑ اور آئمہ معصومینؑ کے اسمائے مبارکہ کو مس کرنا بھی جنبی انسان کے لئے دُرست نہیں ہے۔

۴۔ وہ امور جن میں طہارت شرط ہے جنبی انسان کے لئے درست نہیں ہے۔

۵۔ جن سُورتوں میں سجدہ واجب ہے ان کا پڑھنا جنبی پر حرام ہے اور باقی قرآن میں سے سات آیتوں سے تجاوز کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ:۔ کھانا پینا، تیل لگانا، خضاب کرنا اور سونا جنبی انسان کے لئے مکروہ ہے۔

مسئلہ:۔ حیض و نفاس والی عورت کے بھی یہی احکام ہیں اور ان کے غُسل کا بھی یہی طریقہ ہے اور حیض والی عورت کے احکام جنب کے احکام کے علاوہ بھی ہیں اور ان میں نفاس والی عورت شریک ہے جن کا بیان تفسیر ہذا کی تیسری جلد ص۵۳ تا ۵۵ پر ہو چکا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر جنبی انسان بارش میں کھڑا ہو جائے اور نیت غسل کی کرے پس پانی اس کے تمام جسم پر بہہ جائے تو غسل صحیح ہوگا گویا یہ غسل ارتماسی کے حکم میں ہوگا۔ جیسا کہ متعدد روایات میں موجود ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى ص۶۷ آیتِ مجیدہ کی تفسیر اور تیمم کا طریقہ اور اس کے بعض ضروری احکام تفسیر ہذا کی چوتھی جلد ص۱۶۷ ، ۱۶۸

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ ۙ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا
اور یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اور اس کا وہ عہد جو تم سے پکا باندھا اس نے جب تم نے کہا کہ ہم نے
وَأَطَعْنَا ۘ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ⑦
سنا اور مانا اور ڈرو خدا سے تحقیق اللہ دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے

میں بیان ہو چکے ہیں۔ لہذا اس جگہ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

وفائے عہد کی تاکید

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ: یعنی اللہ کی تمام نعمات کو یاد کرو تاکہ منعم کی یاد آجائے اور اس کے شکر کی رغبت پیدا ہو، نعمت کو واحد لایا گیا ہے اور اس سے مراد معنی جنسی ہے اور اس نعمت کا ہر فرد اس میں داخل ہے۔

وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ: اس عہد و میثاق سے کیا مراد ہے تو اس میں کئی قول ہیں۔ مثلاً یہ کہ بنی اسرائیل کو خطاب ہے کہ اپنا عہد یاد کرو اور اس کی وفا کرو جو جناب رسالتمآب کی اطاعت کے متعلق تم پہلے کر چکے ہو اور یہ قول نہایت کمزور ہے کیونکہ اس سے پہلے ایمان والوں کو نماز کا حکم ہے اور ان کو وضو و تیمم اور غسل جنابت وغیرہ کے احکام بتلائے ہیں اور وَاذْكُرُوا کا عطف ہے اسی پہلے جملے پر۔ لہذا بنی اسرائیل کا عہد مراد ہونا بعید ہے اور سب اقوال سے صحیح قول وہ ہے جو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہاں عہد و میثاق سے مراد وہ عہد ہے جو حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضرت رسالتمآب نے مسلمانوں سے لیا تھا۔ تحریم محرمات، اور کیفیت طہارت اور فرض ولایت نیز آیات کلام اللہ کا ربط و نسق مطالب کا مقتضا بھی یہی ہے کہ عہد و میثاق سے یہاں مراد عہد غدیر ہو پس اس مقام پر نماز کے فریضہ کی طرف متوجہ فرما کر اپنے کئے ہوئے عہد پر پکا رہنے کی تلقین فرما رہا ہے کہ خدا کے احسان کو نہ بھولنا اور اپنے وعدہ کو یاد رکھنا جبکہ تم سب اقرار کر چکے ہو کہ ہم اطاعت کریں گے اور اس بارے میں اللہ سے ڈرنا کیونکہ نظام امت کی برقراری و پائیداری اس امر پر موقوف ہے کہ ان کے اوپر ایک حاکم و متصرف موجود ہو جو ان کو اپنے اپنے فرائض کی طرف بھی متوجہ کرتا رہے اور ان کے باہمی حقوق کی نگہداشت بھی کرے اور بحکم خدا مقام غدیر میں حضرت علیؑ کو جناب رسالتمآب نے اپنا جانشین نصب فرمایا اور تمام لوگوں سے ان کی اطاعت کا عہد بھی لیا پس خدا نے اسلام کو تکمیل کی سند دی اب پھر بطور تاکید کے ارشاد فرماتا ہے کہ اس عہد پر پکا رہنا

إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ: اس فقرے سے ظاہر ہے کہ عہد کرنے والوں میں سے بعض کے دلوں میں کچھ کدورت تھی یعنی زبان پر اقرار اور باطن میں انکار تو خداوند کریم ان کو متنبہ فرما رہا ہے کہ میں سینوں کے بھیدوں کو جانتا ہوں اور تم مجھ سے کوئی چیز چھپا نہیں سکتے ہو۔ لہذا مجھ سے ڈرو اور اپنے عہد سے کنارہ کشی نہ کرو۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

اے ایمان والو! ہو جاؤ اُٹھنے والے اللہ کے لئے حق و انصاف کے گواہ اور نہ آمادہ کرے تمہیں

شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ

ایک قوم کی دُشمنی اس بات پر کہ عدل کو چھوڑ دو (ہاں) عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ نزدیک ہے اور ڈرو اللہ سے ۔ تحقیق اللہ

خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝٨ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

آگاہ ہے جو کچھ تم کرتے ہو وعدہ کیا اللہ نے ان سے جو ایمان لائے اور کام نیک کئے کہ ان

عدل و انصاف کا حکم

كُوْنُوْا قَوّٰامِيْنَ :- قوام قائم سے مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی ٹھیک کاموں میں اُٹھنے کے عادی بن جاؤ کہ خود بھی کرو اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے طریقہ سے لوگوں تک بھی کلمۂ حق پہنچاؤ اور دینِ حق کی حقیقی تبلیغ میں خوب چُستی و ہوشیاری سے کھڑے ہو جاؤ۔

شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ :- یعنی حق و انصاف کی شہادت دو اور کلمۂ حق کا ہی اظہار کرو اور کسی بھی موقعہ پر اپنے اس دستور سے کنارہ کشی نہ کرو اور ایسا نہ ہو کہ اگر کسی سے دُشمنی ہو تو اسے ضرر پہنچانے کی خاطر اس کے حق میں حق کی گواہی سے گریز کر جاؤ ایسا کرنا دُرست نہیں ہے بلکہ کسی وقت بھی حق بیانی کے شیوہ کو نہ چھوڑو اور عدل کو اختیار کرو کہ یہ تقویٰ کے زیادہ نزدیک ہے۔ ھو ضمیر عدل کی طرف راجع ہے جو اِعْدِلُوْا میں ضمناً موجود ہے یہاں دشمن قوم سے مراد کفار ہیں۔ پس جب کفار سے بھی عدل و انصاف برتنے کی تاکید ہے تو اپنے برادران ایمانی کے ساتھ عدل کا وجوب کیوں نہ موکد ہوگا؟ اہل ایمان کے لئے یہ آیت دعوت فکر و عمل ہے اور مومنین کے باہمی حقوق کی رعایت کا بہترین درس ہے اوّل تو مومن کبھی مومن کا دشمن نہیں ہو سکتا اور اگر بالفرض کسی وقت باہمی شکر رنجی ہو بھی جائے تو اس کے حقوق ایمانی کو پھر بھی سبکدوش نہیں کرنا چاہیئے اور جذباتی کارروائی سے بالاتر ہو کر عدل و انصاف کے تقاضوں کو پُورا کرے کیوں کہ مومن کا مومن بھائی کے درپے ایذا ہونا ایمان کی شان سے بعید ہے۔ خداوند کریم جملہ مومنین کو اور مجھ عاصی کو عدل و انصاف کے طریق پر عمل کی توفیق دے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا :- ترمذی اور مشکوٰۃ سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اِنَّ الْجَنَّةَ تَشْتَاقُ اِلٰى ثَلٰثَةٍ عَلِیٍّ وعمار وسلمان یعنی جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے اور وہ علی، عمار و سلمان ہیں نیز منقول ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِیْ بِحُبِّ اَرْبَعَةٍ وَاَخْبَرَنِیْ اَنَّهٗ يُحِبُّهُمْ قِيْلَ سَمِّهِمْ لَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ عَلِیٌّ مِنْهُمْ يَقُوْلُ ذٰلِكَ ثَلَاثًا وَاَبُوْذَرٍّ وَالْمِقْدَادُ وَسَلْمَانُ اَمَرَنِیْ بِحُبِّهِمْ وَاَخْبَرَنِیْ اَنَّهٗ يُحِبُّهُمْ کہ خدا نے مجھے چار کی محبت کا امر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ میں خود بھی ان چاروں کا محب ہوں، پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ان کا نام بتایئے تو فرمایا ان میں ایک تو علی ہے اور یہ فقرہ تین دفعہ دہرایا۔

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٩﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ

ان کے لئے بخشش اور اجرِ عظیم ہے اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیات کو

اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

تو وہ اصحابِ دوزخ ہیں اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت اپنے اوپر جب

اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ج

ارادہ کیا ایک قوم نے کہ پھیلائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھ تو اس نے روک دیئے ان کے ہاتھ تم سے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١١﴾ ع

اور اللہ سے ڈرو اور اللہ پر ایمان والوں کو توکل کرنی چاہیئے

اور ابوذر مقداد اور سلمان ہیں۔ خدا نے مجھے تو ان کی محبت کا حکم دیا ہے اور اس نے خبر دی ہے کہ میں بھی ان سے محبت کرتا ہوں (لوامع التنزیل)

اِذْ هَمَّ قَوْمٌ:۔ تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ اس قوم سے مراد قریش مکہ ہیں جو دست درازی کرتے تھے اور فتح مکہ کے بعد خدا نے ان کی دست درازیوں سے مسلمانوں کو مکمل نجات دے دی اور مفسرین کے اس میں کئی قول ہیں۔

۱۔ جناب رسالتمآبؐ جب ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تھے تو یہود کے ساتھ ترکِ جنگ کا معاہدہ کیا تھا اور ایک دفعہ حضرت رسالتمآبؐ صحابہ کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر قوم یہود بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے تاکہ بعض دیتوں کی ادائیگی کے لئے ان سے مالی امداد طلب کریں اور یہی چیز معاہدہ میں شامل تھی۔ انہوں نے آپس میں حضورؐ کے قتل کی سازش بنالی اور کہا کہ آپ تشریف رکھیں تاکہ ہم آپ کی میزبانی بھی کریں اور حسبِ وعدہ مالی امداد بھی آپ کو دیں تو خداوندِ کریم نے حضورؐ کو ان کی بد باطنی کی اطلاع دے دی تو حضورؐ وہاں سے چلے گئے۔

۲۔ ایک دفعہ قریش نے ایک شخص کو بھیجا تاکہ جا کر رسالتمآبؐ کو قتل کر دے۔ جب وہ شخص آیا تو حضورؐ کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ اس نے کہا حضورؐ ذرا مجھے دکھائیے۔ پس آپ نے وہ تلوار اس کو دیدی۔ جب وہ تلوار لے چکا تو کہنے لگا کہ اب مجھے آپ کے قتل سے کون روک سکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تجھے روک سکتا ہے پس اس نے تلوار پھینک دی اور اسلام قبول کر لیا۔ یہ جنگِ بدر کے بعد کا واقعہ ہے یہ شخص عمر بن وہب جمحی تھا جس کو صفوان بن امیہ نے بھیجا تھا۔

۳۔ ابوسعود نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ جب جناب رسالتمآبؐ غزوہ ذی انمار جسے غزوہ ذات الرقاع بھی

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ

اور تحقیق لیا اللہ نے عہد بنی اسرائیل کا اور بھیجے ہم نے ان سے بارہ نقیب

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ

اور فرمایا اللہ نے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نے نماز کو قائم کیا اور ادا کی زکوٰۃ اور ایمان لائے ساتھ

وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

میرے پیغمبروں کے اور ان کی تم نے مدد کی اور تم نے اللہ کو قرض دیا قرضۂ حسنہ تو ضرور دور کروں گا تم سے تمہاری

وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ

برائیاں اور ضرور تمہیں داخل کروں گا ایسے باغات میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں پھر جو کفر کرے گا اس کے بعد تم میں سے تو وہ

کہتے ہیں) کے موقعہ پر مقام عسفان پر پہنچے اور حضورؐ کے غزوات میں سے یہ ساتواں غزوہ تھا آپ نے بمعہ صحابہ کے نماز ظہر باجماعت ادا فرمائی تو کفار بڑے پشیمان ہوئے کہ کاش نماز جمعہ میں ان پر ہم حملہ آور ہو جاتے کیوں کہ یہ چیز ان کو باپ بیٹوں سے بھی زیادہ محبوب تھی۔ پس ہمیں یقیناً کامیابی ہوتی لیکن کسی نے کہہ دیا کہ ابھی ان کی ایک نماز یعنی نماز عصر باقی ہے۔ لہٰذا جب نمازِ عصر پڑھیں گے تو ہم حملہ کر دیں گے لیکن خدا نے ان کے اس شر کو رد کر دیا کیونکہ نمازِ خوف کا حکم نازل کر دیا۔

رکوع نمبر ۷

بنی اسرائیل کے بارہ نقیب اور عوج بن عنق

اِثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا: حضرت موسیٰ کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں سے بارہ نقیب چن کر انہیں شام اور دوسری اطراف میں بھیجا جائے تاکہ جبّار و سرکش لوگوں کے حالات کی خبر لائیں۔ پس حضرت موسیٰ نے بحکم خدا ہر قبیلہ سے ایک نقیب چنا اور ان کو روانہ کیا لیکن ان نقیبوں نے ان لوگوں کے بڑے بڑے قد دیکھ کر واپس آکر اپنی قوم کو ڈرایا اور جہاد سے بزدل کیا سوائے دو آدمیوں کے کہ ایک کا نام کالب بن یوحنا جو یہودا کی اولاد سے تھا اور دوسرے کا نام یوشع بن نون تھا جو حضرت یوسف کی اولاد سے تھا۔ تفسیر ابوسعود میں ہے کہ جب یہ نقیب کنعانیوں کے علاقہ میں پہنچے تو ان کو راستہ میں عوج بن عنق مل گیا جس کا قد تین ہزار تین سو تینتیس ذراع تھا اور اس کی عمر تین ہزار برس کی تھی اس کے سر پر ایک لکڑیوں کا گٹھا تھا۔ پس اس نے ان سب کو گرفتار کر لیا اور لکڑیوں کے گٹھے میں ان کو باندھ کر گھر لے آیا۔ اپنی عورت کے سامنے جب گٹھا سر سے اُتارا تو ان کو بھی کھول کر رکھ دیا اور عورت

سے کہنے لگا یہ لوگ ہمارے ساتھ لڑائی کا ارادہ رکھتے ہیں اگر تیری مرضی ہو تو ان سب کو پاؤں کے نیچے رکھ کر میں روند دوں تو عورت نے جواب دیا کہ ایسا نہ کر بلکہ ان کو چھوڑ دو تاکہ اپنی قوم کو جا کر اس حقیقت سے آگاہ کریں۔ ان کے ہاں جو انگور پیدا ہوتے تھے ان کے ایک گچھے کو چار پانچ آدمی اٹھا سکتے تھے جب یہ نقیب حالات کا جائزہ لے کر وہاں سے نکلے تو آپس میں مشورہ کیا کہ موسیٰؑ اور ہارونؑ کے علاوہ کسی کو یہ حقیقت نہیں بتانی چاہیے تاکہ وہ مرتد نہ ہو جائیں اور ایک دانہ انگور کا اپنے ہاتھ میں لائے جس کو ایک آدمی بمشکل اٹھا سکتا تھا پس کالب بن یوحنا اور یوشع کے علاوہ ص۲۱۹ باقی نقیبوں نے اپنے قبیلہ کو سارا حال بتا دیا اور کالب بن یوحنا حضرت موسیٰؑ کی بہن مریم بنت عمران کا شوہر تھا (لوامع) حضرت موسیٰؑ کا فوجی کیمپ تین تین میل لمبا چوڑا تھا۔ پس عوج ان کو دیکھ کر پہاڑ کی طرف چلا گیا اور اس نے وہاں سے ایک بڑا پتھر اٹھایا جو حضرت موسیٰؑ کی ساری فوج کی وسعت کے برابر تھا اور اسے سر پر رکھا تاکہ موسیٰؑ کی فوج کے اوپر ڈال دے پس خدا نے پرندہ ہدہد بھیجا جس نے پتھر کو اس کے سر کے مقام سے کرید کر سوراخ کر دیا اور وہ پتھر عوج کی گردن میں پھنس گیا۔ پس حضرت موسیٰؑ اس کی طرف بڑھے۔ آپ کا قد دس ذراع تھا اور آپ کا عصا بھی دس ذراع کا تھا اور آپ نے دس ذراع کی مقدار بلند چھلانگ لگا کر اس کو عصا مارا کہ وہ اس کے ٹخنے پر لگا اور وہ گر گیا اور لوگوں نے تلواروں سے اس کا سر کاٹ لیا اور مجمع البیان میں ہے کہ ان کے انار کے نصف حصہ میں پانچ آدمیوں کو ڈالا جا سکتا تھا اور عوج کے تخت کی لمبائی آٹھ سو ذراع تھی ——— لوامع التنزیل میں ہے کہ بنی اسرائیل کی قد و قامت دس ذراع سے چالیس ذراع تک تھی اور قوم عمالقہ کی قد بالعموم چالیس ذراع سے ایک سو ذراع تک تھی لیکن عوج بن عنق تمام سے طویل القامت تھا حتیٰ کہ بادل سے پانی پی لیا کرتا تھا اور مچھلی کو دریا میں سے پکڑ کر سورج کی گرمی میں بھون کر کھاتا تھا اور کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کا طوفان جب کہ ہر بڑے سے بڑے بلند پہاڑ سے بھی چالیس گز بلند تھا تو عوج کے گھٹنوں تک پہنچا تھا اور اس کی ہر انگلی تین گز لمبی تھی عوج کی ماں کا نام عنق ہے جو حضرت آدم کی لڑکی تھی اور یہی پہلی عورت ہے جس سے بدکاری کی ابتدا ہوئی اور عوج زنا کا نطفہ تھا۔ اس لئے باپ کا نام معلوم نہیں ہو سکا اور کہتے ہیں اس کی پنڈلی کی ہڈی دریائے نیل پر بطور پل کام دیتی رہی۔ واللہ اعلم

اقول بر اس روایت کے ظاہر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اسرائیلیات میں سے ہے اور اصول درایت کے لحاظ سے بالکل بے بنیاد جھوٹ ہے پس عقلاً و نقلاً اس کے مردود ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

وضاحت

حضرت یعقوبؑ جو اسرائیل کے نام سے مشہور ہیں کے بارہ فرزند تھے۔ ہر ایک کو سبط کہا جاتا ہے کیونکہ سبط کلام عرب میں اس درخت کو کہتے ہیں جس کی شاخیں زیادہ ہوں اور چونکہ حضرت یعقوب کا ہر فرزند ایک ایک قبیلے کا باپ بنا اس لئے ان کو اسباط کہا جاتا ہے۔ غالباً اسی بناء پر حضرت امام حسینؑ کو سبط کہا گیا ہے حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ وَالْحُسَیْنُ سِبْطٌ مِنَ الْاَسْبَاطِ اور تمام اعداد میں سے بارہ کا عدد بھی عجب مبارک و محبوب خدا ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَلِیٌّ خَلِیْفَةُ اللّٰهِ میں سے ہر جملہ بارہ حرفوں سے

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا

گمراہ ہوگا سیدھے راستے سے پس بوجہ ان کی عہد شکنی کے ہم نے ان کو لعنت کی اور کردیا ان کے

قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا

دلوں کو سخت بدلتے ہیں کلام خدا کو اپنے ٹھکانے سے اور بھول گئے ایک حصہ اس کا

ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ

جو نصیحت کئے گئے تھے اور ہمیشہ تو خبردار ہوتا ہے ان کی ایک نہ ایک خیانت سے کم ہیں ان سے (جو خائن نہ ہوں) پس ان کو

مرکب ہے پھر نظام کائنات میں بروج کی تعداد بارہ مہینوں کی تعداد بارہ اور ہر شب و روز کی تقسیم بارہ سے اور بنی اسرائیل کے اسباط بارہ پھر ان کے نقیب بارہ اور اسی طرح حضور نے بھی فرمایا اَلْاَئِمَّةُ مِنْ بَعْدِیْ اِثْنَا عَشَرَ یعنی میرے بعد بھی امام کل بارہ ہوں گے۔

ینابیع المودۃ سے منقول ہے کہ ایک یہودی نے اپنے سوالات میں سے ایک سوال حضورؐ سے یہ بھی کیا تھا کہ ہمارے نبی موسیٰؑ نے تو اپنے بعد حضرت یوشع کو اپنا وصی مقرر کیا تھا۔ فرمائیے آپ کا وصی کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا میرا وصی علیؑ بن ابی طالب ہے اور اس کے بعد میرے دو سبط حسنؑ و حسینؑ اور اس کے بعد نو امام ہوں گے حسینؑ کی اولاد سے (لوامع التنزیل) یہ روایت بہت سی کتابوں میں موجود ہے۔ ہم مقدمہ تفسیر میں بھی نقل کر چکے ہیں۔

وَقَالَ اللّٰهُ :- یہ خطاب نقیبوں کو ہے یا تمام بنی اسرائیل کو کہ اگر تم نماز و زکوٰۃ کے پابند رہے اور میرے رسولوں پر ایمان بھی لائے اور ان کے معاون و ناصر رہے نیز خدا کو قرض حسن بھی دیتے رہے یعنی راہِ خدا میں خرچ کرتے رہے یا اور نیکیاں کرتے رہے تو تمہاری لغزشیں معاف کی جائیں گی اور تمہیں جنت عطا کروں گا۔ اور قرآن مجید میں نیکیوں پر قرضہ کا اطلاق ہوا ہے جس طرح سورۂ مزمل میں ارشاد ہے وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا اور اللہ کو قرض حسن دو یعنی نیکیاں کرو۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ :- پس انہوں نے اپنے عہد توڑ دیئے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ عمالقہ سے جنگ کرنے کا عہد تھا لیکن بوقت حکم انہوں نے حضرت موسیٰؑ کو یہ جواب دیا تھا کہ ہم ہرگز نہ جائیں گے تو اور تیرا پروردگار جا کر خود لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ رسولوں پر ایمان کا عہد توڑا کہ ان کو قتل کیا اور ان کی تکذیب کی اور بعض کہتے ہیں کہ جناب رسالتمآبؐ کی صفت پر پردہ ڈالا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ سب کے سب عہد توڑ ڈالے جو بھی کئے تھے۔

لَعَنّٰهُمْ :- لعنت کا معنی ہے رحمت خدا سے دوری جب کہا جائے کہ فلاں پر خدا کی لعنت ہو یعنی اس کو خدا اپنی رحمت سے دور کرے یعنی اس پر اپنا عذاب نازل کرے اور جس کے متعلق خدا فرمادے کہ میں اس پر لعنت کرتا ہوں اور دنیا میں یا آخرت میں تو دنیا کی لعنت سے مراد ہے دنیا کا عذاب اور رسوائی و ذلت اور آخرت کی لعنت سے مراد عذاب جہنم اور آخرت کی خواری ہے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِيْنَ

معاف کر اور درگذر کر تحقیق اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور ان لوگوں سے

قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ

جنہوں نے اپنے آپ کو نصاریٰ کہا ہم نے عہد لیا پس بھول گئے ایک حصہ اس کا جو نصیحت کئے گئے

فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ

پس بھڑکایا ہم نے ان میں دشمنی اور کینہ کو قیامت تک کے لئے اور عنقریب ان کو

یہودیوں پر خداوند کریم کا دنیا میں عذاب یہ نازل ہُوا کہ ان کو بندروں اور سوروں کی شکلوں میں مسخ کر دیا گیا اور آخرت میں تو جو عذاب ہوگا وہ خدا خود بہتر جانتا ہے۔

وَنَسُوْا حَظًّا :۔ اس کا ایک معنی تو وہی ہے جو تحت اللفظ موجود ہے اور دوسرا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ضائع کر دیا بعض ان آیاتِ تورات کو جو ان کے کام کی تھیں اور ان کی ہدایت کی تھیں اور ان کی تلاوت کو ترک کر دیا کہ رفتہ رفتہ ان کو بھول گئیں۔

وَلَا تَزَالُ :۔ یہاں خَائِنَةٌ خیانت کے معنی میں ہے اور اس سے مراد مطلق گناہ ہے۔ یعنی جھوٹ فریب عہد شکنی اور مشرکین سے میل جول وغیرہ کوئی نہ کوئی ان کی برائی آپ ملاحظہ فرماتے رہیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خائنۃ صیغہ صفت ہو اور اس کا موصوف محذوف ہو یعنی فِرْقَةٍ خَائِنَةٍ لیکن بعد میں اِلَّا قَلِيْلًا کا استثناء پہلے معنی کے ساتھ زیادہ موزوں ہے یعنی سارے یہودی پھٹکار خداوندی میں ہیں اور بیان کردہ برائیوں میں مبتلا ہیں سوائے چند ایک کے جیسے عبداللہ بن سلام۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ :۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم جو نصاریٰ کہلاتے ہیں ان سے بھی ہم نے عہد لئے تھے جس طرح کہ حضرت موسیٰ کی قوم سے لئے تھے لیکن انہوں نے یہودیوں کی طرح وہ نصیحتیں بھلا دیں جن پر انہوں نے عمل کرنا تھا تو بطور سزا کے ان کی آپس میں دشمنی پیدا کر دی گئی یا تو اس سے مراد وہ دشمنی ہے جو نصاریٰ اور یہود کی آپس میں ہے اور یا یہ مراد ہے کہ نصرانیوں کی آپس میں دشمنی پیدا کر دی گئی کہ ان کے تین گروہ ہو گئے ① نسطوریہ جو حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں ② یعقوبیہ جو حضرت عیسیٰ بن مریم کو خدا مانتے ہیں۔ ③ ملکانیہ۔ جو تین خداؤں کو مانتے ہیں۔ اللہ۔ عیسیٰ اور مریم۔

درسِ عبرت

آیتِ مجیدہ سے معلوم ہوا کہ خدا کے عہد کو بھلا دینا اور اس کی وفا نہ کرنا دنیا و آخرت میں عذاب کا موجب ہے خداوند کریم نے اس سورۂ مبارکہ میں سب سے پہلے ایمان والوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ میرے عہدوں کو پورا کرو اور پھر حلال و حرام کا ذکر کرنے اور تکمیل دین کا مژدہ سنانے اور نماز کے لئے وضو غسل، تیمم کا حکم بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ میری نعمت اور اپنے عہد کو یاد رکھو جو پختہ کر چکے ہو اور پھر فرمایا حق بیانی کے لئے اپنے میں پختہ ملکہ پیدا کرو اور کبھی حق سے

يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

خبر دے گا اللہ اس کی جو وہ کرتے ہیں

کنارہ نہ کرو یہ تھی ایک حکم کی تعمیل کے لئے تاکید در تاکید۔ اس کے بعد ان امتوں کا ذکر فرمایا جنہوں نے گذشتہ نبیوں سے عہد کیا تھا اور عہد شکنی کی سزا کے مستحق ہوئے تاکہ ان کے واقعات سے عبرت حاصل کی جائے۔ یہ ترتیب و تاکیدی فرمائشات اور پھر حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی امت کی عہد شکنیوں کا تذکرہ صاف بتلاتا ہے کہ ان آیات میں خداوند کریم عزّوجل امتِ اسلامیہ کو ایک بڑے عہد کی پاسداری کی تلقین فرما رہا ہے اور اس عہد کو توڑنے سے باز رہنے کی تنبیہ فرما رہا ہے۔ نیز عہد پہ ثابت قدم رہنے والوں کے لئے مغفرت و جنت کا وعدہ بھی فرمایا اور مخالفت کرنے والوں کو عذاب کی خبر بھی سنائی اور ضمنی طور پہ موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی امت کے عذابوں کا تذکرہ بھی کیا تاکہ امتِ اسلامیہ اپنے کئے ہوئے عہد کو کسی قیمت پر نہ چھوڑے اور وہ وہی عہد ہے جو بروزِ غدیر سرکارِ رسالتؐ نے جمِ غفیر اور مجمعِ کثیر میں علیؑ کو اپنا خلیفہ و جانشین نصب کر کے مسلمانوں سے لیا تھا کہ میرے بعد اس کو سردار سمجھنا اور اس کی اطاعت کرنا۔ پھر بیعت بھی لی اور مسلمانوں نے بخ بخ کہہ کر مبارکباد بھی دی لیکن جناب رسالتمآبؐ نے اپنی امت کو یہ بھی فرمایا تھا کہ سابقہ امتوں میں جو کچھ ہو چکا ہے میری امت میں بھی وہ سب کچھ ہو کے رہے گا۔ پس آپ کا فرمودہ صحیح اور سچ ثابت ہوا۔ آپ نے ثقلین کی اطاعت کی تلقین کی تاکہ امت گمراہ نہ ہو لیکن انہوں نے حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہہ کر عترت کو پسِ پشت ڈال دیا اور خداوند کریم نے یہود و نصاریٰ کے واقعات سے مسلمانوں کو عبرت دلانے کی فہمائش کی لیکن ہوسِ دنیاوی اور اقتدارِ ظاہری نے اندھا کر دیا اور حضرت رسالتمآبؐ کے بعد وہی کر کے رہے جس سے منع کیا گیا تھا اور ہم نے تفسیر ہذا کی دوسری جلد میں صفحہ ۱۶۰ تا صفحہ ۱۷۰ اس مطلب کو ذرا وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ اہل کتاب نے اپنے عہدِ میثاق توڑ دیئے تو مبتلائے عذاب ہوئے اور مسلمانوں نے عہدِ غدیر کو توڑا تو ان پہ بھی ان جیسے عذاب وقتاً فوقتاً نازل ہوتے رہے۔

۱۔ ان پہ پہلا عذاب لعنت کا تھا اور وہ یہاں بھی ہے۔

۲۔ ان پہ دنیاوی عذاب اترا۔ چنانچہ طاعون و قتل و دیگر وباؤں میں مبتلا ہوئے اور بندر و ریچھ و سؤر کی شکلوں میں مسخ ہوئے اور اس امت میں عہدِ غدیر کو توڑنے والوں پہ بھی اس قسم کے عذاب آئے بعض لوگوں نے شہادتِ غدیر کو چھپایا برص میں مبتلا ہوئے۔ قتل کا عذاب بھی چکھا اور حارث بن نعمان فہری کا واقعہ اظہر من الشمس ہے جو بعد میں ذکر کیا جائے گا۔ دربارِ رسالتؐ میں ولاءِ علیؑ کے انکار کی وجہ سے مبتلا عذاب ہوا۔ اسی طرح ریچھ و سور کی شکلوں میں بعض دشمنانِ علیؑ کے مسخ ہونے کی روایات بھی ملتی ہیں جن کے ذکر سے طول ہو جائے گا لیکن عمومی عذاب نازل نہیں ہوا۔ کیونکہ خدا کا وعدہ ہے کہ جب تک حضور اس امت میں موجود ہوں یا یہ لوگ استغفار پڑھنے والے ہوں۔ تو میں عذاب نہ بھیجوں گا۔ البتہ آخرت کا عذاب ایسے لوگوں کیلئے ہی ہے۔

۳۔ ان کے دل سخت کئے گئے تو اس امت کو بھی سنگدلی کے عذاب میں مبتلا کیا گیا۔ جیسا کہ واقعات و تاریخ کے حقائق اس کے شاہد ہیں

يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ

اے اہل کتاب تحقیق آیا تمہارے پاس ہمارا رسولؐ کہ بیان کرتا ہے تمہارے لئے بہت اس سے جس کو تم چھپاتے ہو

۴۔ تحریفِ کلام اللہ جس طرح ان لوگوں نے کی انہوں نے بھی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اگرچہ قرآن مجید کے لفظوں میں تغیر و تبدل کرنے پر قادر نہ ہو سکے لیکن معانی میں وہ ردّ و بدل کیا اور تفسیر بالرائے کا وُہ طوفان لاکر کھڑا کر دیا کہ خدا کی پناہ جبھی تو پرویز جیسوں کو قرآنی مطالب بگاڑنے کی جرارت پیدا ہوئی۔

۵۔ نصیحت کے بہت سے حصص کو جس طرح انہوں نے فراموش کر دیا تھا۔ انہوں نے بھی حضرت پیغمبرِ اسلامؐ کے اکثر نصائح جو اہل بیتؑ کے حق میں تھے ان کو ضائع کر دیا۔

۶۔ انہوں نے خیانت کے مظاہرے کئے سو وہ مسلمانوں میں کیا کم ہیں جس طرح انہوں نے حق کو چھپایا کہ حضرت رسالتمآبؐ کی اوصاف کو ظاہر نہ کیا تو ان لوگوں نے حضرت علیؑ اور اولاد علیؑ جو آئمہ ہیں ان کے حقوق پر پردہ ڈالا اور امّت پہ بالعموم ظاہر نہ ہونے دیا۔

۷۔ ان کو باہمی عداوتوں اور تفرقہ بازیوں میں مبتلا کیا گیا تو یہاں یہ عذاب کیا کم ہے وہ ۷۱ یا ۷۲ فرقوں میں منقسم ہوئے اور یہ امت ۷۳ فرقوں میں بٹ گئی چنانچہ حضورؐ نے فرمایا تھا سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّسَبْعِیْنَ فِرْقَةً كُلُّهُمْ فِی النَّارِ اِلَّا فِرْقَةً وَّاحِدَةً مِّنْهُمْ نَاجِیَةً یعنی میری امّت کے ۷۳ فرقے ہوں گے اور سب جہنّم میں جائیں گے سوائے ایک کے کہ وہ ان میں سے نجات پانے والا ہوگا (لوامع التنزیل) اور شرح جلالی سے نقل کرتے ہیں کہ علّامہ حلّیؒ نے اسی حدیث کے متعلق اپنے استاد محقق طوسی سے دریافت کیا تھا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ناجی فرقہ ان بہتر فرقوں کے مقابلہ میں ایک ہے تو وہ بہتر گویا اس کے مقابلہ میں ایک ہیں۔ پس تتبع و تلاش اور تحقیق و تدقیق سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سوائے شیعہ اثنا عشریہ کے کل مذاہب والے اگر اصول و فروع میں بعض جگہ ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں تو بعض جگہ متحد بھی ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً ثلاثہ کی خلافت پر سب کو اعتماد ہی ہے اور شیعہ گروہ اصول و فروع میں تمام فرقِ اسلامیہ سے جُدا مسلک رکھتا ہے جن کے تمام عقائد و اعمال صرف اہلِ بیتِ نبوت سے ہی ماخوذ ہیں۔ پس صاف معلوم ہُوا کہ ناجی فرقہ شیعہ ہے اور باقی سب کے سب غیر ناجی ہیں اور نقلی طور پر حدیثِ ثقلین و حدیثِ سفینہ و حدیثِ غدیر اور اس قسم کی متعدد احادیث بھی اسی امر کی شاہد ہیں اور شاہ عبدالقادر محدّث دہلوی تفسیر موضح القرآن میں رقم طراز ہیں کہ بنی اسرائیل سے عہد لینا حضرت موسٰیؑ کی آخر عمر میں ہے اور یہ سورت حضرت کے آخر عمر میں نازل ہوئی۔ شائد ہم کو سنایا اس واسطے کہ ہم کو بھی یہی تقلید ہے ایک عہد اس امت سے تھا کہ رسولؐ جو بعد میں پیدا ہوں۔ ان کی مدد کرو۔ اس کی بدل ہم سے یہ ہے کہ خلفاء کی اطاعت کرو اور ذکر بارہ سرداروں کا یہاں فرمایا۔ اسی اشارہ کو کہ حضرت نے بتایا ہے کہ میری امّت میں بارہ خلیفے ہوں گے۔ قوم قریش سے اور فرمایا کہ جو خرابی ہوئی پہلی امّت میں سو ہو گی تم میں سے جیسے وُہ خراب ہوئے پیغمبروں کی مخالفت سے یہ امت خراب ہوئی۔ خلیفہ پر خروج کر کے (اقول) اور صاف ظاہر ہے کہ پیغمبر کے بعد جس خلیفہ پر خروج ہوا ہے وہ صرف حضرت علیؑ کی ہی ذات ہے اور اس خروج کا جنگِ جمل اور جنگِ صفین اور نہروان گواہ ہے اور خلیفہ ثانی یا ثالث۔ اگرچہ قتل ہوئے ہیں لیکن ان کے خلاف خروج نہیں ہُوا اور علمِ بغاوت بلند نہیں ہُوا جیسے کہ تاریخ شاہد ہے۔ كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ۔ اہل کتاب کی چھپائی

مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

کتاب میں سے اور درگذر کرتا ہے بہت سی چیزوں سے تحقیق آچکا تمہارے پاس اللہ سے نور اور کتاب مبین

ہوئی بعض چیزوں کو ظاہر کرنا اور بعض سے درگذر کرنا اس لئے ہے کہ وہ مقامات جن میں حضور کی نبوت صفات اور بشارت کا تذکرہ تھا یا جن کے اظہار سے مقامی طور پر اثباتِ نبوت میں تائید ہوتی تھی تو وہ ظاہر فرما دیئے اور جن کے اظہار کی ضرورت پیش نہ آئی ان سے درگذر فرما لیا۔ تفصیلی واقعہ ص تا ص پر آئے گا۔

نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ :۔ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور نور کے متعلق اختلاف کیا گیا ہے لیکن اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت رسالتمآبؐ ہیں اور یہی صورت عقل کے فیصلہ کے بھی مطابق ہے کیونکہ کتاب پڑھنے کے لئے روشنی کی ضرورت ہوتی ہے اور خدا کی بھیجی ہوئی کتاب کا پڑھنا عام کتابوں کے پڑھنے کی طرح تو ہے نہیں بلکہ اس کو پڑھنے سے مراد اس کا سمجھنا ہے تو جس روشنی میں ہم نے اس کو سمجھنا ہے وہ دنیاوی ظاہری روشنی نہیں ہے کیونکہ اس ظاہری روشنی میں کتاب پڑھی تو جا سکتی ہے لیکن سمجھی نہیں جا سکتی پس اس جگہ نور سے مراد عام روشنی نہیں بلکہ اس سے مراد حضرت رسالتمآبؐ ہیں اور انہی کی بدولت قرآن فہمی ہو سکتی ہے اور چونکہ قرآن مجید قیامت تک کے لئے ہے ورنہ کہنے کو عذر باقی رہ جائے گا کہ ہم کتاب کو کیا کرتے جب کہ ہمارے پاس نور ہی موجود نہ تھا۔ پس خداوند کریم نے قیامت تک کے لئے نور کا انتظام فرمایا چنانچہ حضرت علیؑ کے متعلق خود سرورِ کائنات نے فرمایا اَنَا وَعَلِیٌّ مِّنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ یعنی میں اور علیؑ ایک نور سے ہیں اور خود حضرت امیر علیہ السلام ایک حدیث میں فرماتے ہیں اَنَا مُحَمَّدٌ وَّ مُحَمَّدٌ اَنَا وَ اَنَا مِنْ مُّحَمَّدٍ وَّمُحَمَّدٌ مِّنِّیْ :۔ یعنی میں اور محمدؐ ایک ہیں ۔ میں محمدؐ سے ہوں اور محمدؐ مجھ سے ہیں جس طرح حضورؐ نے فرمایا عَلِیٌّ مِّنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْعَلِیِّ :۔ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں ایک اور حدیث میں ہے اَوَّلُنَا مُحَمَّدٌ وَّاٰخِرُنَا مُحَمَّدٌ وَّ اَوْسَطُنَا مُحَمَّدٌ وَّكُلُّنَا مُحَمَّدٌ :۔ ہمارا اوّل محمدؐ ۔ ہمارا آخر محمدؐ ۔ ہمارا اوسط محمدؐ اور ہم سب کے سب محمدؐ ہیں ۔ اس حدیث کو اور اس قسم کی دیگر احادیث کو ہم نے بالتفصیل تفسیر کی پہلی جلد یعنی مقدمہ تفسیر میں مقبولیتِ اعمال اور ولایت آلِ محمدؐ کے عنوانوں میں بیان کر دیا ہے پس جب حضرت رسالتمآبؐ نور ہیں اور نور کی جگہ نور ہی کام آسکتا ہے تو حضورؐ کی رحلت کے بعد حضرت علیؑ سے لے کر مہدیؑ تک جو سب کے سب نور ہیں اور نورِ محمدی کے ہی اجزا ہیں ۔ وہ اس کتاب کے ساتھ ہیں پس قرآن مجید رسالتمآبؐ کی موجودگی میں ان کے بیان کی کی روشنی کا محتاج تھا اور آپ کے بعد ان کے حقیقی جانشینوں کے بیانات کا محتاج ہے اسی بناء پر تو حضورؐ نے اپنی امت کو متعدد مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اِنِّیْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ الخ یعنی میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری عترت اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی ۔ یہاں تک کہ حوض کوثر تک تمہیں میرے پاس پہنچا دیں گی اور نیز فرمایا عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِیٍّ یعنی علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور ثقلین کے عنوان کے تحت ہم اس بیان کو وضاحت سے مقدمۂ تفسیر میں لکھ چکے ہیں اور صواعقِ محرقہ سے منقول ہے ۔ حضورؐ نے فرمایا لَا تُعَلِّمُوْهُمْ فَاِنَّهُمْ اَعْلَمُ مِنْكُمْ :۔ کہ

يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ

ہدایت کرتا ہے اس کے ذریعے اللہ اس کو جو تابع ہو اس کی رضا کا سلامتی کے رستوں کی اور نکالتا ہے ان کو تاریکیوں

الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۱۶﴾

سے روشنی کی طرف اس کے اذن سے اور ہدایت کرتا ہے اس کو سیدھے راہ کی

اہلِ بیت کو تم نہ سکھانا کیونکہ وہ تم سے اعلم ہیں لیکن ان تصریحات کے باوجود کہنے والوں نے کہہ دیا کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ۔ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے اور یہی وجہ ہے کہ امّت اسلامیہ تشتّت و افتراق کا شکار بن گئی ورنہ اگر وصیّتِ رسولؐ پر عمل ہوتا اور قرآن کو خدا کے فرستادہ نور کی روشنی میں پڑھا سمجھا جاتا تو اسلام کا شیرازہ منتشر نہ ہوتا۔

خداوندکریم نے اپنی کتاب بھیج کر اس کے معلّم بھی اپنی جانب سے بھیجے اور ان کو نور کے مقدّس لقب سے نوازا اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ سکولوں کا کورس اور کتابیں جب حکومت تجویز کرتی ہے تو ان کے مدرس بھی حکومت اپنے مقرّر کردہ معیار کے ماتحت متعین کرتی ہے ایسا کبھی نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے کہ کورس حکومت بھیجے اور مدرس خود سکول کے لڑکے مل جل کر تجویز کر لیں ورنہ نتیجہ معلوم ہی ہے لیکن عجیب منطق ہے امّتِ رسولؐ کی کتاب بھیجے خدا اور کتاب کے معلّم تجویز کریں۔ ہم بریں عقل و دانش بباید گریست

اور قمی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ یہاں نور سے مراد حضرت امیرالمومنین اور باقی آئمہ طاہرین علیہم السلام ہیں۔ وَهُوَ الْحَقُّ

يَهْدِي بِهِ :۔ یہاں ضمیر بِهٖ کے مرجع میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں اس کا مرجع نور ہے اور بعض کے نزدیک اس کا مرجع کتاب ہے اور بعض کہتے ہیں اس کا مرجع دونو ہیں۔ بتاویل واحد یعنی يَهْدِي بِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا معنی یہ ہے کہ خدا ہدایت کرتا ہے نور اور کتاب ہر دو کے ذریعے اُن کو جو اس کی رضا کے پیچھے جانے والے ہوتے ہیں لیکن جو اپنی مرضی کے پیچھے چلیں ان کو نہ نور فائدہ دیتا ہے اور نہ کتاب۔ پس اس آیت سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ نور اور کتاب ایک دوسرے سے جُدا نہیں اور جو بھی خدا کی خوشنودی چاہتا ہو اس کو چاہیئے کہ دونو سے تمسک پکڑے کیونکہ سلامتی کا راستہ ان دونو کی اتباع میں ہے نیز ظلماتِ جہنّم سے نجات اور جنّت کی بشارت بھی ان دونو کی اطاعت سے وابستہ ہے صراطِ مستقیم پر بھی وہی ہوگا جو ان دونو سے تمسک رکھتا ہو۔

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ :۔ مشکوٰۃ سے بروایت احمد بن حنبل منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ علیؑ کو تم ہادی و مہدی پاؤ گے اور وہ تمہیں صراطِ مستقیم پر چلائے گا۔ عَلِيٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِيٍّ يَدُورُ حَيْثُمَا دَارَ۔ علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؑ کے ساتھ ہے حق اسی طرف ہوتا ہے جس طرف علیؑ ہو۔ اس حدیث کو ترمذی اور حاکم نے بھی نقل کیا اور صواعقِ محرقہ میں بھی موجود ہے بلکہ فضل بن روزبہان جیسے متعصب شخص نے بھی اس حدیث کی صحت کو تسلیم کیا ہے چنانچہ کتبِ صحاح اہلسنّت میں موجود ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے عمار کو فرمایا تھا میرے بعد اختلافات ہوں گے قتل و غارت کا بازار گرم ہوگا بعض بعض سے بیزاری کریں گے۔ اے عمار!

لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ مَرۡيَمَ‌ؕ قُلۡ فَمَنۡ يَّمۡلِكُ

تحقیق کافر ہوئے وہ جنہوں نے کہا تحقیق اللہ وہی عیسیٰ بن مریم ہے کہہ دیجئے کہ کس کا بس چلتا

مِنَ اللّٰهِ شَيۡـئًا اِنۡ اَرَادَ اَنۡ يُّهۡلِكَ الۡمَسِيۡحَ ابۡنَ مَرۡيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ

ہے اللہ کے آگے اگر وہ چاہے کہ مار دے عیسیٰ بن مریم کو اور اس کی ماں کو اور جو بھی زمین میں

جَمِيۡعًا‌ ؕ وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا‌ ؕ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ‌ ؕ

ہیں سب کو اور اللہ کا ہے ملک آسمانوں اور زمین کا اور جو ان کے درمیان ہے پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۷﴾ وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ وَالنَّصٰرٰى

اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے اور کہا یہود و نصاریٰ نے کہ ہم

تجھے باغی جماعت قتل کرے گی۔ حالانکہ تو اس وقت حق پر ہوگا اور حق تیرے ساتھ ہوگا۔ علیؑ تجھے گمراہی کے قریب نہ لے جائے گا۔ اور نہ تجھے وہ ہدایت سے نکالے گا۔ اے عمار جو تلوار گلے سے لٹکا کر علیؑ کی امداد کرے گا بروز محشر اس کو موتیوں کے ہار پہنائے جائیں گے اور جو تلوار گلے سے حمائل کرکے علیؑ کے دشمن کی امداد کرے گا اس کو جہنم کے دو ہار پہنائے جائیں گے۔ جب ایسا زمانہ آئے تو تو علیؑ کو نہ چھوڑنا اور اگر سب لوگ ایک رُخ کو اور تنہا علیؑ ایک رُخ کو چلے تو تو تمام لوگوں کو چھوڑ کر علیؑ کے رُخ پر چلنا۔ اے عمار علیؑ ہمیشہ ہدایت پر رہے گا اور اس کی اطاعت میری اطاعت ہے اور میری اطاعت اللہ کی اطاعت ہے (دلائل الصدق)

اَللّٰهُمَّ اجۡعَلۡنَا مِنَ الۡمُتَمَسِّكِيۡنَ بِوِلَاءِ عَلِيٍّ وَاَوۡلَادِهِ الۡمَعۡصُوۡمِيۡنَ۔

لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ۔ اہل کتاب کی گمراہی کے دو طریقے تھے ایک یہ کہ نبی کی تعلیم کو بالکل جھٹلایا اور ان کے عہدوں کو پس پشت ڈال دیا اور اس پاداش میں وہ خدا کے عذابوں کی گرفت میں آگئے اور اس کا بیان ابھی ہو چکا ہے۔ اب دوسری صورت ان کی گمراہی کی بیان فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے بھی کفر کیا جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو حد سے بڑھا کر خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ گویا جس طرح عیسیٰؑ کی فرمائشات کو بھلانے والے اور ان کے عہد کو توڑنے والے کافر تھے اسی طرح جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو اپنی حد سے بڑھا دیا وہ بھی کافر ہیں پس مسلمانوں کو گمراہی کے دونوں طریقوں سے بچنے کی کنایہ کے طور پر تلقین فرمادی اور اشارہ کے طور پر فرمادیا کہ جس طرح عہد غدیر اور پیغمبر کی جملہ فرمائشات کو پس پشت ڈالنے والے گمراہ اور مستحق لعنت و عذاب ہیں اسی طرح جو نبی یا نبی کے جانشین کو اپنی حدود سے بڑھا کر خدا کہیں یا اس کی صفات ان کے لئے ثابت کریں وہ بھی ان جیسے گمراہ ہیں اگر خدا چاہے تو عیسیٰؑ اور اس کی ماں بلکہ جمیع زمین پر بسنے والی مخلوق کو ہلاک کر دے کیونکہ جس طرح وہ پیدا کرنے پر قادر ہے ان سب کے فنا پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے اور یہ سب کچھ اس کی ملکیت میں ہے جسے چاہے فنا کرے

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ

اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں کہہ دیجئے پھر کیوں تم کو عذاب کرتا ہے گناہوں کے بدلے بلکہ تم بھی انسان ہو

مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

اس کی مخلوق میں سے وہ بخشتا ہے جسے چاہتا ہے اور عذاب کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ کا ہے ملک آسمانوں

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ

اور زمینوں کا اور جو ان کے درمیان میں ہے اور اسی کی طرف بازگشت ہے اے اہل کتاب تحقیق آیا تمہارے پاس

کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ اگرچہ یہاں ذکر عیسیٰؑ کو خدا ماننے والوں کا ہے لیکن معنوی طور پر یہ آیتیں تمام ان لوگوں کی تنبیہ کے لئے ہیں جو کسی بندۂ خدا کو خدا کہیں۔ پس حضرت علیؑ کو خدا ماننے والے یا ان کو خالق و رازق کہنے والے ان آیات سے سبق حاصل کریں۔

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ ۔ جب نصرانیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہا تو تجاوز کر کے کہنے لگے کہ ہم بھی خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ اسی طرح جب جناب رسالتمآبؐ نے یہودیوں کو خوفِ خُدا کی تلقین فرمائی اور اللہ کے عذاب اور اس کی گرفت سے ان کو ڈرایا تو یہودیوں کے سرغنے کعب بن اشرف اور کعب بن اسید وغیرہ کہنے لگے۔ ہمیں ان باتوں سے نہ ڈراؤ کیونکہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے محبوب ہیں اگر وہ ہم پر ناراض بھی ہوگا تو اس طرح کہ جس طرح باپ اپنے بیٹوں پر بعض اوقات ناراض ہوجایا کرتا ہے اور پھر فوراً معاف کر دیتا ہے۔

قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ ۔ یعنی ان سے فرما دیجئے کہ اگر یہ بات صحیح ہے کہ تم خدا کے پیارے ہو تو پھر حبیب تو کبھی اپنے محبوب کو عذاب نہیں دیا کرتا بتاؤ تم کیوں عذاب میں گرفتار ہوگئے مثلاً گوسالہ پرستی کے بدلے چالیس دن تک مبتلائے عذاب رہنے کا ان کا اپنا عقیدہ ہے۔ ممکن ہے اس سے ماضی کے عذاب مراد ہوں کہ گوسالہ پرستی کے بعد تمہیں کیوں عذاب ہوا؟ نیز بندر و سور کی شکل میں مسخ کیوں ہوئے۔ بخت نصر کا عذاب تم پر کیوں نازل ہُوا؟ حالانکہ محب و محبوب کی شان یہ نہیں ہے۔ پس اس قسم کی بے ہودہ باتوں سے باز آجاؤ اور یہ اعتقاد رکھو کہ تم بھی باقی انسانوں جیسے ہو نیکی کرو گے تو جزا پاؤ گے اور برائی کرو گے تو سزا پاؤ گے یہ خطاب بظاہر یہود و نصاریٰ کی طرف ہے لیکن مسلمانوں میں سے بھی اگر کوئی آدمی اس جیسا بے ہودہ عقیدہ رکھے گا تو یہ خطاب اس کو بھی شامل ہے کیونکہ یہ کتاب قیامت تک کے لئے ہادی ہے ہمارے بعض جہال یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ بس جنت تو ہمارے ہی لئے ہے اور ہم یقیناً جنت میں جائیں گے خواہ اعمال جس قسم کے بھی ہوں تو یہ بعینہ وہی عقیدہ ہے کہ ہم خدا کے پیارے ہیں اور دوزخ میں نہ جائیں گے حضرت علیؑ اور اس کی اولاد امجاد کی ولاء کا یہ مقصد نہیں کہ احکام شریعت کو پس پشت ڈالا جائے کہ ہمیں علیؑ اور اس کی اولاد جنت میں لے جائے گی بلکہ وہ تو شریعت کے محافظ تھے اور جو لوگ شریعت کی مخالفت کرتے ہیں وہ زبان سے ہزار کہتے رہیں۔ درحقیقت آلِ محمدؐ

رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُولُوا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيرٍ

تمہارا پیغمبر بیان کرتا ہے تمہارے لئے ایک وقفہ کے بعد پیغمبروں سے مبادا یہ کہو کہ نہیں آیا ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا

وَّلَا نَذِيرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيرٌ وَّنَذِيرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○

اور نہ کوئی ڈرانے والا بس آپکا بشیر بھی اور نذیر بھی اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے

وَاِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيكُمْ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم یاد کرو اللہ کی نعمت اپنے اوپر کہ بنائے اس نے تم میں

اَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوكًا وَّاٰتٰكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِينَ ○

نبی اور کیا تم کو بادشاہ اور دی تمہیں وہ جو نہ دی کسی کو عالمین میں

سے وہ دشمنی کر رہے ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایسے عقیدوں سے توبہ کر کے سیرتِ آلِ محمدؐ پر چلنا چاہیئے اور یہ توقع رکھنی چاہیئے کہ اگر کوئی غلطی ہوگئی تو بحقِ محمدؐ و آلِ محمدؐ خدا معاف کرے گا اور اسی وسیلہ سے دُعا مانگنی چاہیئے۔

فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ :۔ پہلے بنی اسرائیل میں متواتر نبی مبعوث ہوتے رہے اور حضرت عیسیٰؑ کے بعد نبوت کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور اسی انقطاعِ نبوت کے زمانہ کو زمانہ فترت کہا جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت اور حضرت رسالتمآبؐ کی ولادت کے درمیان ۵۶۹ شمسی سال کا فاصلہ تھا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت رسالتمآبؐ کے درمیان بھی چار نبی مبعوث ہوئے اور تفسیر مجمع البیان میں ان کا زمانہ ایک سو چونتیس برس ہے اور ان چار نبیوں کے ناموں میں اختلاف ہے ۱۔ یونس ۲۔ یحییٰ ۳۔ شمعون الصفا ۴۔ خالد بن سنان عبسی اور بعضوں نے کچھ اور ذکر کیا ہے (لوامع) اور تفسیر صافی میں اکمال صدوق سے منقول ہے کہ فترت سے مراد یہ ہے کہ کوئی نبی یا وصی اس زمانہ میں ظاہر اور مشہور نہیں تھا ورنہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت رسالتمآبؐ کے درمیان نبی اور امام گذرے ہیں جو مخفی رہ کر تبلیغ کرتے رہے اور ان میں سے خالد بن سنان عبسی ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اور اس کی بعثت اور جناب رسالتمآبؐ کی بعثت میں پچاس برس کا فاصلہ ہے اور حضرت امیرؑ کا فرمان بھی واضح ہے کہ زمین حجت خدا سے خالی نہیں ہو سکتی یا حجت ظاہر و مشہور ہوگی۔ یا خائف اور غائب ہوگی اور یہ خالد بنی اسرائیل سے نہ تھا بلکہ عرب تھا)

رکوع نمبر ۸

وَاٰتٰكُمْ :۔ یعنی تم کو خدا نے نبوت دی کہ جس قدر نبی بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے اور کسی قوم میں نہیں ہوئے اور من و سلویٰ تم پر نازل ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ان کی بادشاہی سے بھی یہی مراد ہے کہ بغیر کمائے ہوئے اور بلا ہاتھ ہلائے تم تک شاہی غذا پہنچتی رہی

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا

اے قوم داخل ہو زمین پاکیزہ میں وہ جو لکھی ہے اللہ نے تمہارے لئے اور نہ مڑو پیچھے کی طرف

عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢١﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ

ورنہ جا پڑو گے نقصان میں کہنے لگے اے موسیٰ تحقیق اس میں ایک سرکش قوم موجود ہے

وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾

اور ہم ہرگز نہ داخل ہوں گے یہاں تک کہ وہ نکل جائیں اس سے پس اگر وہ نکل جائیں گے اس سے تو ہم داخل ہونے والے ہوں گے

پس تم گویا بادشاہ ہو اور ممکن ہے ظاہری حکومت مراد ہو۔

اَلْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ :۔ اس سے مراد بیت المقدس یا شام یا فلسطین یا اردن یا زمین طور اور اس کا نواح ہے باختلاف آرائے مفسرین اور حضرت باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ مراد زمین شام ہے ۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰى :۔ جب فرعون غرق ہو گیا اور خداوند کریم نے بنی اسرائیل کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا تو وہ روانہ ہوئے جب نہر اُردن پر پہنچے تو آگے جانے سے ڈر گئے پس ہر قبیلہ سے ایک نقیب کا انتخاب ہوا اور بارہ نقیب پتہ کرنے کے لئے گئے جیسے کہ تفصیل گذر چکی ہے پس دس نقیبوں نے حقیقت سنائی تو بنی اسرائیل نے واپس مصر کو جانے کا ارادہ کیا اور یوشع اور کالب کے قتل پر آمادہ ہوئے تو حضرت موسیٰؑ کو غصہ آیا اور انہوں نے دعا مانگی ۔ پس چالیس برس ان کو سرگرداں زمین پر پھرنا پڑا جس طرح تفسیر ہذا کی دوسری جلد ص۱۱۳ پر ذکر ہو چکا ہے وہ کل ۱۶ یا ۹ یا ۶ فرسخ کا علاقہ تھا جس میں وہ چالیس برس گھومتے رہے اور مروی ہے کہ موسیٰ و ہارون کا انتقال تیہ میں ہوا تھا اور ہارون موسیٰ سے ایک سال پہلے فوت ہوا تھا ۔ پس موسیٰؑ کی وفات کے بعد خدا نے یوشع کو نبوت دی اور ان کی معیت میں بنی اسرائیل نے اریحا کو فتح کیا اور حضرت موسیٰؑ کی عمر ایک سو بیس برس تھی اور حضرت یوشع حضرت موسیٰ کے ستائیس برس بعد تک زندہ رہے ۔ تفسیر لوامع التنزیل میں ہے کہ حضرت یوشع نے چھ ماہ تک اریحا کا محاصرہ جاری رکھا اور ساتویں مہینہ میں ان کا لشکر شہر میں داخل ہوا اور قوم عمالقہ کو قتل کرنا شروع کیا وہ جمعہ کا دن تھا اور سورج غروب ہو گیا لیکن ابھی تک قوم عمالقہ کے کئی افراد باقی موجود تھے اور کل کو سنیچر کا دن تھا جو قوم موسیٰؑ کے لئے متبرک دیوم عبادت تھا تو حضرت یوشع نے ان الفاظ سے دعا مانگی ترجمہ یہ ہے ۔ اے اللہ سورج کو واپس لوٹا میرے لئے پھر سورج سے خطاب کر کے کہا تو بھی اطاعت خدا میں ہے اور میں بھی اطاعت خدا میں ہوں ۔ پس سوال کیا کہ شمس و قمر اپنے مقامات پر رکے رہیں تاکہ میں دشمنان خدا سے انتقام لے لوں ۔ سنیچر سے پہلے پہلے چنانچہ سورج واپس پلٹا اور ایک گھنٹہ دن بڑھ گیا ۔ یہاں تک کہ ان سب کو قتل کر دیا ۔ تفسیر مجمع البیان میں بھی ہے کہ لڑائی کے دوران میں سورج غروب ہو گیا تھا حضرت یوشع نے دعا مانگی تو خدا نے سورج کو دوبارہ پلٹایا اور انہوں نے اریحا کو فتح کر لیا ۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ابتدائے

عالم سے تا ایں وقت سورج نے کبھی اُفقِ مغرب سے طلوع نہیں کیا مگر چار شخصوں کے لئے حضرت سلمان پیغمبر، دوسرے حضرت یوشع بن نون وصیٔ موسیٰؑ اور تیسرے خود جناب رسالتمآبؐ اور چوتھے حضرت علی بن ابی طالب۔ حضرت رسالتمآبؐ کے لئے دو دفعہ سورج نے پلٹا کھایا۔ ایک معراج سے واپسی پر جب آپ نے کفار کو ان کے قافلہ کی واپسی کی اطلاع دی تھی کہ صبح کو پہنچ جائے گا تو باذنِ خدا حضور کی دعا سے سورج نے ایک گھنٹہ طلوع میں تاخیر کردی کہ وہ قافلہ حسبِ ارشادِ نبوی پہنچ گیا اور دوسرے جنگِ خندق کے موقع پر کہ نمازِ عصر قضا ہوگئی تھی پس آپ کی دعا سے سورج دوبارہ پلٹا اور حضورؐ نے بمعہ صحابہ کے نماز ادا فرمائی اور حضرت علیؑ کے لئے بھی دو مرتبہ سورج واپس پلٹا، ایک دفعہ جناب رسالتمآبؐ کی موجودگی میں اور دوسری مرتبہ جنگِ نہروان سے واپسی پر اور اسی واقعہ پر اخبارِ متواترہ دلالت کرتی ہیں۔

زمانِ رسولؐ میں ردِّ شمس

ابنِ مغازلی شافعی سے منقول ہے کہ اسماء بنتِ عمیس کہتی ہیں۔ جناب رسالتمآبؐ پر وحی ہو رہی اور آپ کا سر علیؑ کی گود میں تھا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا تو جناب رسالتمآبؐ نے دعا مانگی۔ اے اللہ اگر علیؑ تیری اور تیرے رسولؐ کی اطاعت میں تھا تو اس کے لئے سورج کو پلٹا دے۔ پس میں نے دیکھا کہ غروب کے بعد دوبارہ سورج نے طلوع کیا۔ نیز ابن مغازلی نے ابورافع سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسالتمآبؐ حضرت علیؑ کے زانو پر سوگئے اور نمازِ عصر کا وقت تھا حضرت علیؑ نے ابھی نماز نہیں پڑھی تھی اور جناب رسالتمآبؐ کو جگانا بھی پسند نہ کیا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا جب حضور بیدار ہوئے تو دریافت کیا کہ اے ابوالحسن تو نے نماز نہیں پڑھی۔ آپ نے جواب دیا نہیں حضور! پس سورج واپس پلٹا حالانکہ غروب کر چکا تھا اور مقامِ عصر تک پہنچا اور حضرت علیؑ نے نمازِ عصر پڑھی اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو فوراً غروب ہوگیا اور ستارے موجود ہوگئے نیز اسی حدیث کو خطیب موفق بن احمد بن ابوبکر بن مردویہ نے طحاوی، حموینی، قسطلانی اور طبرانی سے بھی نقل کیا گیا ہے نیز جامی نے کتاب شواہد النبوۃ میں اور ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ جن لوگوں نے عناد و تعصب کے پیشِ نظر اس حدیث کو موضوع ثابت کرنے کی کوشش کی اور حضرت علیؑ کی اس فضیلت کا انکار کیا ہے ان کی رد میں سبط بن جوزی نے تذکرہ خواص الامت میں کہا ہے کہ اگر یوشع بن نون کے لئے سورج واپس آسکتا ہے اور وہ بھی حضرت موسیٰؑ کا معجزہ یا حضرت یوشع کی کرامت ہی تھی تو جب موسیٰ کیلئے یہ شرف ثابت ہے تو ہمارے پیغمبر جو حضرت موسیٰؑ سے افضل ہیں ان کے لئے کیوں بعید ہے اگر یوشع کے لئے ہو سکتا ہے تو حضرت علیؑ تو یوشع سے افضل تھے۔ ان کے لئے کیوں نہ ہو؟ اور حضور کی حدیث ہے عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ۔ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔ جب عام علماء کی یہ شان ہے تو حضرت علیؑ کی شان کا پھر کیا اندازہ ہوگا اور نیز حضورؐ سے منقول ہے کہ اَلصِّدِّیْقُوْنَ ثَلٰثَةٌ حِزْقِیْلُ مُؤْمِنُ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَحَبِیْبُ النَّجَّارِ وَهُوَ مُؤْمِنُ اٰلِ یٰسٓ وَعَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَهُوَ اَفْضَلُهُمْ۔ یعنی صدیق تین ہیں۔ ایک حضرت حزقیل جو مومن آلِ فرعون ہیں دوسرے حبیب نجار جو مومن آلِ یٰسین ہیں اور تیسرے علیؑ ابن ابیطالب ہیں اور یہ ان سے افضل ہیں لیکن حزقیل حضرت یوشع کی طرح ایک نبی تھا۔ پس یہ حدیث صاف دلالت کرتی ہے کہ حضرت علیؑ بنی اسرائیل کے پیغمبروں سے افضل تھے یہ جواب دینے کے بعد ذکر کرتا ہے کہ اس مقام پر ایک عجیب حکایت ہے جو یہاں ذکر کی جاتی ہے۔ مجھے عراقی لوگوں نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابو منصور مظفر واعظ بغداد میں واعظ کر رہا تھا اور عصر کا وقت تھا اس نے حضرت علیؑ کے فضائل میں

سے ردِ شمس کا واقعہ پڑھا اور اپنے دل کش فقرات اور پُر لطف لفاظی اور دل آویز لہجہ میں اسے خوب نبھایا۔ پھر اور فضائل بھی بیان کئے اتنے میں ایک بادل نمودار ہوا اور افق مغرب پر چھا گیا اور سورج کے چھپ جانے پر لوگوں نے یہی سمجھا کہ اب شام ہو گئی ہے تو ابو منصور واعظ منبر پر اٹھ کھڑا ہوا اور سورج کو مخاطب ہو کر اس نے اشعار پڑھے :-

لَا تَغْرُبِيْ يَا شَمْسُ حَتّٰى يَنْتَهِيْ
مَدْحِيْ لِاٰلِ الْمُصْطَفٰى وَلِنَجْلِهٖ
وَاثْنِيْ عِنَانَكِ اِنْ اَرَدْتِ ثَنَاءَهُمْ
اَنَسِيْتِ اَنْ كَانَ الْوُقُوْفُ لِاَجْلِهٖ
اِنْ كَانَ لِلْمَوْلٰى وُقُوْفُكِ فَلْيَكُنْ
هٰذَا الْوُقُوْفُ لِخَيْلِهٖ وَلِرَجْلِهٖ
قَالُوْا فَانْجَابَ السَّحَابُ عَنِ الشَّمْسِ فَطَلَعَتْ

اے سورج غروب نہ کرنا تاکہ پوری ہو جائے میری مدح وثنا جو آلِ نبی و ذریت پیغمبر کے لئے ہے اور اپنی باگ موڑ لے اگر ان کی تعریف سننا چاہتا ہے۔ کیا تجھے وہ وقت بھول گیا ہے جب کہ ان کے لئے تجھے رکنا پڑا تھا۔ اگر وہاں مولیٰ کے لئے توقف کیا تھا تو اب یہ وقوف اس کے غلاموں اور نوکروں کے لئے بھی ہونا چاہیئے۔ کہتے ہیں جونہی اس نے یہ اشعار پڑھے تو فوراً بادل پھٹ گیا اور سورج ظاہر ہو گیا تو لوگوں نے ابو منصور واعظ کو بڑے مال و عطیئے بلکہ زیورات تک پیش کئے

ردِ شمس بعد از جنگِ صفین

ثاقب المناقب سے نقل کیا گیا ہے اور ملا جامی سے شواہد النبوہ میں بھی مروی ہے۔

عن جويرية بن مسهر قال لمّا رجعنا من قتال اهل النهروان من ارض بابل فقال امير المومنين ان هذا ارض معذبة قد عذبت مرتين وفي اخرى ان هذه الارض ملعونة عذبت فيها اهلها ثلث مرات وقد هلك فيها مائة الف ومائتان لا يصلي فيها نبي ولا وصي نبي فمن اراد منكم فليصلّ فسرنا الى ان غابت الشمس و واشتبكت النجوم ودخل وقت العشاء الاخره فلما خرجنا من ارض بابل نزل عن البغلة ثم انفض التراب من حوافرها وقال لي يا جويرية اذّن للعصر فقلت تكلتك امك يا جويرية ذهب النهار وهذا الليل واذنت للعصر

جویریہ سے مروی ہے کہ جب ہم نہروانیوں کی لڑائی سے واپس پلٹے بابل کے علاقہ سے تو حضرت امیر علیہ السّلام نے فرمایا یہ زمین عذاب کردہ ہے تحقیق دو دفعہ اس پر عذاب نازل ہو چکا ہے (اور ایک روایت میں ہے کہ یہ زمین ملعونہ ہے اس کی اہل تین دفعہ مبتلائے عذاب ہوئی ہے اور اس میں ایک لاکھ دو سو آدمی لقمۂ اجل ہوئے ہیں) لہٰذا اس میں نبی یا وصیٔ نبی نماز نہیں پڑھتے البتہ جو شخص تم میں سے پڑھنا چاہے پڑھ لے۔ پھر ہم چلے۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا ستارے نکل آئے عشاء کا وقت ہو گیا۔ جب آپ بابل کی زمین سے نکلے تو آپ خچر سے اُترے اور مٹی کو اس کے سموں سے جھاڑا۔ اور فرمایا۔ اے جویریہ عصر کی اذان کہو۔ میں نے اپنے آپ کو دل میں کہا۔ اے جویریہ تیری ماں تجھے روئے دن تو گیا یہ تو رات ہے۔ خیر میں نے عصر کی اذان کہی تو سورج واپس

فرجعت الشمس راجعة کالفرس الجواد ثم غربت وصلینا العصر ثم قال اذن العشاء ثم قلت وصی محمد و رب الکعبة ثلث مرات لقد ضل وھلك وکفر من خالفك

پلٹا تیز رو گھوڑے کی طرح (کڑکڑاتا ہوا) اور پھر غروب ہوگیا۔ ہم نے نمازِ عصر پڑھی۔ پھر فرمایا عشاء کی اذان کہو تو میں نے کہا تو بیشک محمد کا وصی ہے خدا کی قسم اور تین دفعہ کہا اور یہ کہ جو بھی تیری مخالفت کرے وہ گمراہ ہے ہلاک ہے اور کافر ہے۔

اس روایت کو ہمارے علماء اعلام نے معتبر اور صحیح کتب میں درج فرمایا ہے مثلاً کافی من یحضرہُ الفقیہ تفسیر ابوالفتوح رازی۔ عیون المعجزات سید مرتضیٰ۔ خصائص علوی سید رضی۔ مناقب شہر آشوب ارشاد مفید اور بحار الانوار وغیرہ (لوامع)

دشمنانِ علیؑ۔ حضرت علیؑ کے اس قسم کے فضائل سن کر سیخ پا ہوتے ہیں اور بدحواس ہوکر قسم قسم کی لایعنی باتیں کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں ایسی قضا نماز پڑھنے سے حضرت علیؑ کی کیا فضیلت ثابت ہوتی ہے کبھی کہتے ہیں حدیث موضوع ہے۔ ورنہ بخاری ومسلم نے ضرور نقل کی ہوتی۔ ہاں! بے شک ان کو ہر وہ حدیث موضوع نظر آتی ہے جس میں آلِ محمدؐ کے فضائل مذکور ہوں اور بخاری ومسلم کیوں ذکر کرتے وہ بھی تو اسی مکتبِ خیال کے انسان تھے کہ جو حدیث فضائل علیؑ پر دال ہو اُسے موضوع یا ضعیف قرار دے کر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے۔ بعض مقامات پر جو تائیدِ حق ان کے قلم سے ہوئی ہے وہ بے ساختہ ہوئی اور علیؑ کو ایک عام صحابی سمجھ کر انہوں نے ان کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ لکھ دیا ہے اور یہ حضرت علیؑ کی فضیلت وکمال کا معجزہ ہے کہ دشمن کی زبان سے بھی نکل ہی آتا ہے معجزہ میں نے اس لئے کہہ دیا کہ جن لوگوں کا اقتدار تھا اور جن کے معتقد اطرافِ مملکت اسلامیہ میں پھیلے ہوئے تھے اور جن کے فضائل ومناقب نقل کرنے اور بیان کرنے پر کوئی پابندی نہ تھی بلکہ انعامات واکرامات کے اہل گردانے جاتے تھے باوجود اس کے اسی مکتبِ خیال کے مصنّفین کی کتابوں میں ان کے فضائل ومناقب اتنے نہیں مل سکتے جس قدر آلِ محمدؐ کے ملتے ہیں حالانکہ بنی امیّہ وبنی عباس کا دَور جو سادات وغلامانِ سادات کا انتہائی مظلومیّت کا دور تھا۔ حضرت علیؑ اور آلِ علیؑ کو اعلانیہ سبّ کیا جاتا تھا۔ ان کا نام لینا حرام تھا۔ ان کی منقبت بیان کرنا گناہ تھا۔ ایسے پُرخطر و پُرفتن دَور میں جب کہ اپنے پرائے فضائل کو چھپاتے تھے۔ اپنے چھپاتے تھے دشمنوں کے ڈر سے اور دشمن چھپاتے تھے عناد وتعصب کے پیشِ نظر۔ اور باوجود ان سب باتوں کے پھر انہی دشمنوں کی کتابوں میں علیؑ کے فضائل کا دوسروں کے فضائل سے زیادہ ملنا معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟ نیز ان لوگوں کے فضائل میں تو احتمال ہو سکتا ہے کہ موضوع ہوں کیونکہ ان کے فضائل بیان کرنے پر انعام ملتا تھا لیکن جن کا نام لینا جرم اور نام لینے والے کو قتل کی سزا کا مستوجب قرار دیا جاتا ہو۔ بھلا اسے کیا ضرورت کہ خواہ مخواہ کی بات بناکر موت کو خریدے۔ پس اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے فضائل جو دشمن کی زبان سے نکلے بے ساختہ نکلے ہیں اور وہ اس قدر واضح اور متواتر تھے کہ دشمن بھی ان کو چھپا نہ سکے اور ان فضائل کے مقابلہ میں جہاں دوسروں کی تعریفیں درج ہیں ان میں احتمال ہے کہ ممکن ہے انعام کی خاطر ہوں۔ لہٰذا موضوع ہوں۔ چونکہ خداوند کریم نے سورۂ مزمل میں جناب رسالتمآبؐ کو حضرت موسیٰؑ سے تشبیہ دی ہے اور خود حضورؐ نے بھی اپنی امّت میں ہونے والے واقعات کو بنی اسرائیل میں ہونے والے واقعات سے تشبیہ دی تھی اور فرمایا تھا کہ اس امّت میں سب کچھ وہی ہوگا جو گذشتہ امّتوں میں ہو چکا ہے اور اپنے آپ کو حضرت موسیٰؑ اور حضرت علیؑ کو کبھی حضرت ہارونؑ سے اور کبھی یوشع سے مثال دی

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۚ

کہا دو شخصوں نے ان سے جو ڈرتے تھے (اللہ سے) انعام تھا اللہ کا ان پر کہ داخل ہو جاؤ ان پہ دروازہ سے

فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۳﴾

جب تم داخل ہو گئے تو پس غالب ہو گے اور اللہ پہ بھروسہ کرو اگر تم ایمان رکھنے والے ہو

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ

کہنے لگے اے موسیٰؑ ہم ہرگز نہ داخل ہونگے کبھی جب تک وہ وہاں ہیں پس جاتو اور تیرا رب

تو من جملہ تمثیلات و تشبیہات کے جو امتِ اسلامیہ میں مثل بنی اسرائیل کے ظہور پذیر ہوئیں ۔ روشش کا واقعہ بھی ہے ۔

قَالَ رَجُلٰنِ :۔ یہ دو شخص یا تو قوم عمالقہ میں سے تھے اور اندرونی مومن تھے اور ظالموں کے ڈر سے ایمان کو ظاہر نہ کرتے تھے ۔ پس جب ان کو موسیٰؑ کے آنے کی اطلاع ملی تو انہوں نے اگر سارے بنی اسرائیل کو جرأت دلائی اور یا یہ دو شخص کالب بن یوحنا اور یوشع بن نون ہیں اور تفسیر عیاشی میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ یہ دونوں حضرت موسیٰؑ کے چچازاد تھے اور انہوں نے پیشین گوئی اس لئے دی کہ حضرت موسیٰؑ کی زبانی خدا کی نصرت کا وعدہ سُن چکے تھے اور ان کو یقین تھا کہ ہماری فتح ہو گی یا ممکن ہے کہ قرائن و حالاتِ حاضرہ سے ان کو ان کی بزدلی کا علم ہو گیا ہو اور بعض کے نزدیک یہ خود عہدۂ نبوت پر فائز تھے اگرچہ تا حیات موسیٰؑ محکوم تھے لہذا بذریعہ وحی ان کو معلوم تھا ۔ بعینہ حضرت موسیٰؑ کی عمالقہ سے جنگ کی صورت اس طرح ہے جس طرح حضرت رسالتمآبؐ کی کفار عرب کے ساتھ جنگِ خندق ہوئی ۔ معارج النبوۃ میں ہے کہ جب عمرو بن عبدود نے مبارز طلبی کی اور اس کو ایک ہزار کے مقابلہ کا جوان گنا جاتا تھا ۔ تو لشکرِ اسلام میں سے حضرت عمر بولے ۔ ایّامِ جاہلیت میں ہم نے شام کا سفر کیا تو یہ شخص ہمارا رفیق سفر تھا ۔ ایک ڈاکوؤں کی ایک بھاری تعداد جو ایک ہزار تھے انہوں نے سب قافلہ والوں کا مال و اسباب لوٹ لیا عمرو بن عبدود کو جب معلوم ہوا تو تلوار علم کی اور ایک پنج سالہ اونٹ کو بطور ڈھال کے اٹھا کر ڈاکوؤں پہ حملہ کر دیا پس تمام مال و اسباب ڈاکو چھوڑ کر جان بچا کر بمشکل بھاگ گئے اس کلام کے سننے سے تمام صحابہ میں بزدلی کی ایک لہر دوڑ گئی اور لوامع التنزیل میں ہے کہ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُعَوِّقِیْنَ کی آیت اسی وقت نازل ہوئی ۔ اس وقت عمرو کی مبارز طلبی کے مقابلہ میں صرف حضرت علیؑ ہی تھے جو فرماتے تھے اَنَا اُبَارِزُكَ میں ہی تجھ سے لڑوں گا اور ارشادِ نبوی کے ہی منتظر رہے اور جونہی اجازت ملی بَرَزَ الْاِیْمَانُ کا خطاب بھی پایا اور کامیابی کے بعد ضَرْبَةُ عَلِیٍّ یَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَیْنِ کی سند بھی حاصل کی ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ

قَالُوْا :۔ ان دو شخصوں نے تو یہ کہا تھا کہ دروازہ سے داخل ہو جاؤ پس تمہاری کامیابی ہے تو انہوں نے از روئے جہل و عناد جواب

فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ

پھر دونو لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں عرض کی اے رب میں نہیں مالک مگر اپنا اور اپنے بھائی کا فیصلہ کر

بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ

ہمارے اور اس فاسق قوم کے درمیان فرمایا پس یہ (زمین) حرام ہے ان پر چالیس سال کہ سرگردان رہیں گے

یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾ ع وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ

زمین میں پس نہ ارمان کر اوپر اس قوم کے جو فاسق ہے اور پڑھو ان پر خبر دو آدمؑ

ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ یُتَقَبَّلْ مِنَ

کے بیٹوں کی سچی جب انہوں نے کوئی قربانی کی پس قبول ہوئی ایک کی اور نہ قبول ہوئی دوسرے

الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۷﴾ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ

کی تو اس نے کہا کہ میں ضرور تجھے قتل کرونگا (جس کی قبول ہوئی) اس نے جواب دیا کہ خدا صرف خلوص والوں سے قبول کرتا ہے اگر تو نے لمبا کیا

دیا۔ اے موسیٰؑ تو اور تیرا پروردگار دونو چلے جاؤ اور لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی کہ اے پروردگار تو خود ہی فیصلہ فرما تو ارشاد ہوا کہ اب ان پہ اس زمین کا داخلہ چالیس برس تک حرام ہے۔ ان لوگوں نے چالیس دن گوسالہ پرستی کی تھی اور ہر دن کے بدلہ میں ایک سال کی سزا ہوئی۔ صبح کو جہاں سے چلتے تھے شام کو پھر وہاں ہوتے تھے اور شام کو جہاں سے چلتے تھے صبح کو اپنے آپ کو وہاں ہی پاتے تھے اور مروی ہے کہ حضرت ہارونؑ اور موسیٰؑ کا انتقال اسی تیہ میں ہو گیا تھا اور حضرت موسیٰؑ کے انتقال کے دو ماہ بعد یوشعؑ اور کالب فاتحانہ انداز میں اسی شہر میں داخل ہوئے باقی بیان جلد دوم صفحہ ۱۱۴ پہ ملاحظہ ہو اور تفسیر الوسعود میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک کل ایک ہزار پیغمبر مبعوث ہوئے اور درمیان میں فاصلہ ایک ہزار سات سو برس کا تھا

یَتِیْهُوْنَ مادہ یتیہ تیہًا :۔ اس کا معنی ہے سرگردان ہونا۔ بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ صرف مرد تھے۔ اسی زمانہ میں ان پر دن میں بادل کا سایہ اور رات کو روشنی کیلئے عمودِ نور ان کے لئے ہوتا تھا ان کے بال نہ بڑھتے تھے اور بچہ کی پیدائش کے ساتھ اس کے جسم پر ایک جلد سی پیدا ہو جاتی تھی جو کپڑے کا کام دیتی تھی اور وہ بھی ساتھ ساتھ بڑھتی جاتی تھی نہ وہ میلی ہوتی تھی اور نہ پھٹتی تھی (تفسیر الوسعود) لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تیہ میں چالیس سال برابر بنی اسرائیل کی پریشانی ان کیلئے بطور سزا و عذاب کے تھی تو حضرت موسیٰؑ و یوشعؑ و ہارونؑ وغیرہ اس سزا میں کیوں ان کے شریک تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح آگ ان لوگوں کیلئے آگ تھی لیکن حضرت ابراہیم کیلئے برد و سلام تھی۔ اسی طرح بنی اسرائیل کیلئے یہ سرگردانی تیہ میں عذاب تھی اور حضرت موسیٰؑ پہ اس کو برد و سلام کیا گیا تھا۔

ہابیل و قابیل کا واقعہ

رکوع ۹ :۔ وَاتْلُ عَلَیْهِمْ :۔ مقصد اس بیان سے یہ ہے کہ جو بھی نبی کے فرمان پہ عمل نہ کرے وہ

إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ

میری طرف اپنا ہاتھ میرے قتل کے لئے تو میں نہیں لمبا کروں گا ہاتھ اپنا تیری طرف تجھے قتل کرنے کیلئے میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو

رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۸﴾ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ

رب ہے عالمین کا میں چاہتا ہوں کہ تو پلٹے میرے (قتل کے) گناہ اور اپنے باقی گناہ کے ساتھ پس ہوتو دوزخ

النَّارِ ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ

والوں میں اور یہ بدلہ ہے ظلم کرنے والوں کا پس آسان کیا اس کے لئے اس کے نفس نے بھائی کا قتل

فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ

پس اس کو قتل کیا تو ہوگیا خسارہ پانے والوں میں سے پس بھیجا خدا نے ایک کوّا کہ کریدتا تھا وہ زمین کو تاکہ دکھائے اس کو طریقہ

بالآخر خسارہ وندامت اُٹھاتا ہے بنی اسرائیل نے موسیٰؑ کا کہا نہ مانا تو مصائب وتکالیف اٹھاتے رہے اور یہ سلسلہ ابتداء سے ہے چنانچہ حضرت آدمؑ کے دو فرزندوں میں سے ایک یعنی ہابیل نے اپنے باپ حضرت آدمؑ کی نصیحتوں پر عمل کیا اور وہ متقی ہُوا ۔ اور دوسرے قابیل نے کوئی خاص اثر نہ لیا پس دونوں نے کوئی قربانی کی یعنی صدقہ خیرات اپنے مال سے نکالا تو چونکہ ہابیل کی قربانی (صدقہ) خلوص دل سے تھا اور پاکیزہ وعمدہ مال سے تھا تو وہ مقبول ہُوا اور قابیل نے چونکہ اپنی ردّی اور کھوٹی چیز پیش کی تھی لہذا ردّ ہُوا ۔ اور نشانی یہ تھی کہ مقبول قربانی کو آسمان سے آگ نازل ہو کر کھا جاتی تھی کیونکہ اس وقت فقیر تو کوئی موجود نہ تھا جس کو وہ صدقہ دیا جاتا پس قبولیت کی یہ ہی علامت قرار دی گئی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ ہابیل کی قربانی جنّت میں پلتی رہی اور آخر اسمٰعیلؑ کا فدیہ بنی ۔ اس سے قابیل کو حسد پیدا ہُوا ۔ اور ہابیل کو قتل کر دیا کہتے ہیں ایک پتھر اٹھا کر اس کے سر پر مارا کہ وہ جاں بحق ہوگیا اور ہابیل کی اس وقت عمر بیس برس تھی۔

أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي ۔ یہاں محذوف ہے یعنی بِإِثْمِ قَتْلِي تفسیر صافی میں حضرت صادق علیہ السّلام سے وجہ سبب قتل ہابیل کے متعلق منقول ہے کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو وحی کی کہ ہابیل کو وصی بنائے اور اسے اسم اعظم سپرد کرے تو قابیل نے کہا کہ میں زیادہ سزاوار ہوں پس دونوں کو قربانی کرنے کا حکم ہُوا اور حضرت باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ قربانی نامنظور ہونے کے بعد قابیل نے آتشکدہ بنا کر آگ کو پوجنا شروع کیا تاکہ کسی طریقہ سے قربانی مقبول ہو جائے اور بالآخر قتل کا مرتکب ہُوا۔

فَبَعَثَ اللَّهُ ۔ کہتے ہیں کہ خُدا نے ایک فرشتہ کوّے کی صورت میں بھیجا جو مقتول پر مٹی ڈالنے لگا تاکہ قابیل کو مقتول کے دفن کی تعلیم دے اور تفسیر صافی میں بروایت قمی حضرت سجاد علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جب قابیل ہابیل کو قتل کر چکا تو حیران تھا کہ اب کیا کیا جائے پس خدا نے دو کوّے بھیجے کہ وہ آپس میں لڑے یہاں تک کہ ایک مر گیا پس دوسرے نے اپنے پنجوں سے گڑھا کھودا اور مقتول کوّے کو اس

كَيْفَ يُوَارِي	سَوْءَةَ أَخِيهِ	قَالَ	يَا وَيْلَتَا	أَعَجَزْتُ	أَنْ أَكُونَ	مِثْلَ	هَٰذَا
دفن کرے لاش	اپنے بھائی کا	کہنے لگا	ہائے	کیا میں عاجز ہوں	کہ ہو جاؤں	مثل	اس کوّے
الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ	سَوْءَةَ أَخِي	فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ (۳۱)	مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ	كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي			
کے پس دفن کرلوں	لاش اپنے بھائی کی	پس ہوا پشیمانوں میں سے	اسی لئے	ہم نے فرض کیا بنی اسرائیل پر			

میں دفن کر دیا تو قابیل نے بھی سیکھ لیا اور قبر کو کھود کر ہابیل کو دفن کر دیا جب واپس تنہا آیا تو حضرت آدمؑ نے ہابیل کے متعلق پوچھا۔ قابیل نے جواب دیا میں اس کا محافظ تھوڑا تھا۔ پس آدمؑ اس کو قربانی کے مقام تک ساتھ لائے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ہابیل قتل ہو گیا ہے تو اس زمین کو لعنت کی جس نے ہابیل کا خون پیا اور قابیل کو آسمان سے ندا پہنچی کہ بھائی کے قتل کی وجہ سے تیرے اوپر لعنت ہے یہی وجہ ہے کہ اب زمین کسی کا خون نہیں پیتی۔ پس حضرت آدمؑ ہابیل کے غم میں چالیس شب و روز روتے رہے اور خداوند کریم سے اپنے غم و اندوہ کا شکوہ کیا تو اللہ نے وحی کی کہ میں تجھے ہابیل کا قائمقام دوں گا۔ چنانچہ حضرت حوّا کو ایک پاکیزہ و مبارک لڑکا عطا ہوا پھر ساتویں دن وحی ہوئی کہ یہ چونکہ بڑا عطیہ ہے لہٰذا اس کا نام ہبۃ اللہ رکھو پس اس کا نام حضرت آدمؑ نے ہبۃ اللہ رکھا طاؤس یمانی نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ لوگوں کی ایک تہائی پر کب موت آئی تو آپ نے فرمایا ایک تہائی نہیں بلکہ ایک چوتھائی۔ اس نے کہا کیسے تو آپ نے فرمایا ایک آدمؑ دوسرے حوّا، اور تیسرے قابیل اور چوتھا ہابیل جو قتل ہوا۔ اس نے کہا بالکل ٹھیک ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ جب سے ہابیل قتل ہوا اور درختوں پہ کانٹے۔ کھانے کی چیزوں میں تغیر۔ میووں میں تلخی، پانی میں کڑواہٹ اور زمین پر گرد و غبار ظاہر ہوا۔ نیز مروی ہے کہ حضرت آدمؑ برابر ایک سال غمگین رہے اور کبھی نہ ہنسے اور اس وقت حضرت آدمؑ کی عمر ایک سو پچیس برس ہو چکی تھی۔ پس اس کے پانچ برس بعد جبکہ آپ کی عمر ۱۳۰ برس تھی خدا نے ہبۃ اللہ عطا فرمایا اور یہی حضرت آدمؑ کا وصی اور ولی عہد تھا اور قابیل عدن کی طرف چلا گیا تو ابلیس نے اسے یہ سبق پڑھایا کہ ہابیل کی قربانی صرف اس لئے مقبول ہوئی کہ وہ اس کی پرستش کرتا تھا۔ لہٰذا تو بھی ایسا کر۔ پس اس نے آتشکدہ بنایا اور آتش پرستی کی بنیاد رکھی اور اس کی اولاد نے آلاتِ لہو و لعب، طبلے، سارنگی اور ساز وغیرہ ایجاد کئے اور شراب نوشی۔ آتش پرستی۔ زناکاری اور بدکاری میں منہمک ہوئے۔ یہاں تک کہ یہ طوفان نوحؑ سے غرق کر دیئے گئے۔ اور ہبۃ شیث کی نسل بچی۔

سَوْءَةَ أَخِيهِ: سوءۃ کا معنی عیب یا ہر وہ چیز جس سے کراہت پیدا ہو اور یہاں لاش مراد ہے۔

كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ: لفظ اگرچہ بنی اسرائیل کے ساتھ خاص ہے لیکن اس کا معنی و حکم تمام بنی آدمؑ کے لئے ہے۔

إِسْرَآئِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ

کہ جو بھی قتل کرے کسی جان کو بغیر بدلے کسی جان کے یا (بغیر) فساد کرنے کے زمین میں تو گویا اس نے

النَّاسَ جَمِيعًا ۭ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۭ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ

قتل کیا تمام لوگوں کو اور جس نے جلایا اس کو گویا اس نے جلا دیا سب لوگوں کو اور تحقیق آئے ان کے پاس

أَوْ فَسَادٍ: مقصد یہ ہے جو شخص کسی کو قتل کرے تو اس قاتل کو قصاص کے طور پر قتل کرنا جائز ہے۔ اسی طرح جو شخص فسادی ہو یعنی ڈاکو ہو یا مشرک و کافر ہو تو اس کا قتل کرنا بھی جائز ہے اور واضح رہے کہ شرک و کفر فساد کی سنگین قسمیں ہیں۔ اسی لئے ان کے متعلق فرمایا کہ مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی پاؤ ان کو۔

فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ: یعنی اوپر کی دو صورتوں کے علاوہ کسی انسان کو قتل کرنا جائز نہیں اور جو شخص کسی کو قتل کرے تو ایسا ہے جس طرح کہ اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا ہو اور صافی میں مروی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ جہنم میں قاتل کے لئے ایک جگہ مقرر ہے کہ تمام روئے زمین کے لوگوں کو قتل کر دینے کے برابر اس جگہ کا عذاب ہوگا اور مروی ہے کہ دنیا میں جو بھی ناحق قتل ہوگا اس کا گناہ قابیل کی گردن میں بھی ہوگا کیونکہ وہ پہلا بنیاد رکھنے والا ہے (لوامع)

وَمَنْ أَحْيَاهَا: مثلاً کسی پر قصاص واجب ہو اور اس کو معاف کر کے اس کی زندگی کا موجب بنے یا قتل ہونے سے کسی کو بچائے یا بعض اسباب موت سے اس کو نجات دے تو گویا اس کا یہ احسان تمام لوگوں پر احسان کرنے کے برابر ہے اور تفسیر قمی سے منقول ہے کسی کو جلنے یا ڈوبنے یا گرنے سے یا درندے سے بچائے یا کسی تنگدست کی کفالت کرے یا کسی فقیر کی دستگیری کر کے اس کو فقر سے نجات دلوائے اور ان سب سے افضل یہ ہے کہ کسی گمراہ کو راہ راست پر لائے تو ان سب صورتوں میں وہ شخص اس آیت کا مصداق ہوگا اور بروایت عیاشی صادق علیہ السلام سے مروی ہے اگر کسی کو ہدایت کی طرف لے جائے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندگی بخشی اور اگر کسی کو ہدایت سے گمراہی کی طرف لے جائے تو گویا اس نے تمام لوگوں کے قتل کا وبال اپنے سر لیا۔ ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص ایسے مقام پر پانی پلائے جہاں پانی نہ ملتا ہو تو گویا اس نے ایک آدمی کو زندہ کیا اور جس نے ایک کو زندہ کیا گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ کیا اور تفسیر مجمع البیان میں اس آیت مجیدہ کی کئی توجیہات کی گئی ہیں۔

۱۔ چونکہ ایک آدمی کے بے گناہ قتل ہونے سے تمام انسان غمزدہ ہوتے ہیں۔ جن میں انسانیت ہو۔ لہذا گویا اس نے تمام کو قتل کیا اور ایک آدمی کو زندگی عطا کرنے سے تمام انسانوں میں مسرت اور خوشی کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے۔ تو گویا اس نے تمام کو زندہ کر دیا۔

۲۔ جو شخص نبی یا امام کو قتل کرے گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا اور جو نبی یا امامؑ کی امداد کرے گویا اس نے تمام انسانوں

رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

ہمارے پیغمبر ساتھ دلیلوں کے پھر تحقیق بہت سے لوگ ان میں سے اس کے بعد زمین میں زیادتی کرتے ہیں

کو زندہ کیا۔

۳۔ قتل کرنے والا چونکہ قتل کی سنّت قائم کرتا ہے لہٰذا تمام انسانوں کے قتل کا وبال گویا اس کے سر پر ہے اور انسان کو بچانے والا چونکہ نیکی کی سنّت قائم کرتا ہے لہٰذا تمام انسانوں کے زندہ کرنے کا گویا وہ موجب ہے۔

۴۔ جس نے قتل کیا گویا مقتول کے لئے تو سب آدمی ہی قتل ہو گئے اور جس نے کسی کو بچایا تو اس کے لئے ایسا ہے کہ گویا تمام انسانوں کو بچا لیا گیا۔

۵۔ جو ایک انسان کو قتل کرتا ہے گویا اس کے دل میں انسان کی کچھ قدر نہیں ہے پس وہ سب کو بھی قتل کر سکتا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا ایک سو برس یا اس سے بھی زیادہ تک حضرت ہابیل کا غم کرتے رہے چنانچہ آدمؑ کی طرف ایک مرثیہ بھی منسوب ہے نیز ایک مرثیہ حضرت حوّا کی طرف بھی منسوب ہے اور بعض مصائب میں حضرت آدمؑ کا سر میں خاک ڈالنا بھی موجود ہے جیسا کہ معارج النبوۃ میں مرقوم ہے اور حضرت آدمؑ کا ہابیل کے لئے گریہ صرف محبتِ پدری کی بنا پر نہیں تھا کیونکہ جس طرح ہابیل فرزند تھا اسی طرح اس کا قاتل قابیل بھی فرزند تھا۔ اگر صرف محبتِ پدری ہوتی تو قابیل کو لعنت نہ کرتے اور اس کو آنکھوں سے دُور نہ کرتے۔ بلکہ ہابیل کے غم میں رُلانے والی سب سے بڑی چیز تو یہ تھی کہ وہ عالم و متقی تھا اور وارثِ نبوّت تھا اور پھر ان صفاتِ حمیدہ کے باوجود اس کی موت مظلومیت اور بے گناہی کی موت تھی۔ اس کے مقابلہ میں قابیل شریر النفس خواہش پرست تھا اور علاوہ بریں ظالم تھا اور حضرت آدمؑ اسی وقت سے جان گئے تھے کہ یہ بدباطن اور شریر مزاج ہے جس وقت بحکمِ خدا حضرت آدمؑ نے ہابیل کو اپنا جانشین اور خلیفہ بنانا چاہا جیسا کہ اسی بیان میں حضرت صادق علیہ السلام سے ایک روایت نقل کی جا چکی ہے لیکن اس کو اپنی بارگاہ سے دُور نہ کیا۔ بلکہ قربانیوں کا حکم دیا تاکہ اس کو اپنی نااہلیت معلوم ہو جائے اور آخر کار اس کی نااہلیت نے ظلم و قتل کا رنگ اختیار کر لیا جس سے ابدی لعنت کا مستحق ہوا۔ تکمیلِ دین کے اعلان کے بعد وفائے عہد کی تاکید در تاکید پھر یہودیوں کے واقعات سے عبرت اور نصرانیوں کے عبرتناک تشتّت و افتراق کا تذکرہ یہ سب مسلمانوں کا عہدِ غدیر کے توڑنے سے باز رکھنے کی تلقین و تفہیم ہے اور چونکہ حسد کا بُرا ہو یہ بیماری انسان کو کچھ سوچنے نہیں دیتی اور بڑے بڑے عہد اور اہم اہم فرائض کو سبکدوش کرا دیتی ہے بنا بریں خداوند کریم نے حضرت آدمؑ کے دو فرزندوں کا قصہ بیان فرما دیا تاکہ مسلمان اس سے عبرت حاصل کریں اور حضرت علیؑ کے بارے میں حسد سے متاثر نہ ہوں تاکہ بروزِ محشر ان کو ندامت کا سامنا نہ ہو واقعہ صرف قصّہ خوانی کیلئے نہیں بلکہ عبرت لینے اور سبق حاصل کرنے کیلئے ہے کہ آدمؑ نے ہابیل کو اپنا جانشین مقرر کیا تو اس کے بھائی نے حسد کی بنا پر اسے قتل کر ڈالا اور

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُّقَتَّلُوٓا أَوْ

پس یہی سزا ہے ان کی جو لڑتے ہیں اللہ اور اس کے رسولؐ سے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد کی کہ ان کو قتل کیا

يُصَلَّبُوٓا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ؕ

جائے یا سولی دی جائے یا ان کے کاٹے جائیں ہاتھ اور پاؤں جانب مخالف سے یا نکال دیئے جائیں ملک سے

بعد میں پشیمان ہُوا۔ لہٰذا اے مسلمانو! تم ایسی حرکات سے گریز کرنا اور عہدِ غدیر کو نہ بھولنا اور اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ نبوت کی خلافت یا جانشینی کسی رشتہ کے قرب کے پیشِ نہیں ہوا کرتی بلکہ وہ ایک معیار کے ماتحت ہے جس میں پایا جائے وہ اہل ہوتا ہے اور جس میں وہ معیار نہ ہو وہ نا اہل ہوا کرتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل پر یہ دفعہ لگا دیا کہ جو ایک نفس کو قتل کرے گا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا۔ غور تو کیجئے کتاب مسلمانوں کی ہے اور ارشاد ہے کہ اسرائیل کے بیٹوں پر ہم نے یہ دفعہ عائد کر دیا۔ ہاں ہاں یہ حکم بھی مسلمانوں کیلئے ہے لیکن کنایہ کرنا تصریح سے موثر ہوا کرتا ہے کہ خبردار اپنے میں نا اہلیت ہو تو اہل کے قتل کے درپے نہ ہو جانا ورنہ تمام انسانوں کے قتل کا وبال سر پر ہوگا اور مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت جناب رسالتمآبؐ کی تسلّی کیلئے اتری ہے چنانچہ فخرالدین رازی نے بھی اس امر کا اعتراف کیا ہے تو معلوم ہُوا کہ یہ جناب رسالتمآبؐ کے حقیقی جانشینوں کے بے گناہ مقتول و شہید ہونے کی پیشگوئی بھی کر رہی ہے اور یہ کہ قتل کرنے والے صرف حسد کی بناء پر قتل کریں گے اور مقتول و شہید کی حیثیت حضرت ہابیل کی سی ہوگی کہ وہ جوابی کارروائی نہ کریں گے۔ بلکہ صبر و سکون کا منظر پیش کریں گے اور حضرت علیؑ نے جب جنگِ احد کے بعد شہادت کی تمنّا کا اظہار کیا تھا تو حضورؐ نے فرمایا تھا کہ یا علیؑ تجھے وہ شرف بھی نصیب ہوگا جیسا کہ تفسیر کی چوتھی جلد میں گذر چکا ہے اور حضرت آدمؑ اپنے وارثِ نبوت اور بے گناہ مقتول شہید بیٹے کے غم میں کافی مدّت سوگوار رہے تو اس کا مطلب صاف ہے کہ نبوّت کے وارثین کی شہادت و مظلومیت کا غم منانا حضرت آدمؑ کی سنّت ہے، اور آدمی وہی ہے جو آدمؑ کی سنت پر ہے

ڈاکو کی سزا

الَّذِينَ يُحَارِبُونَ :- مجمع البیان میں اہلبیتؑ سے مروی ہے کہ جو بھی ہتھیار اعلانیہ اٹھا کر لوگوں کے خوف و ہراس کا موجب بنے۔ خواہ شہر میں ہو یا جنگل میں وہ اس حکم میں داخل ہے اور صادقینؑ علیہما السلام سے منقول ہے کہ ڈاکو کی سزا اس کے جرم کی نوعیت کے مطابق ہوگی۔ اگر صرف قتل کرے تو اس کی سزا قتل ہے اور اگر قتل بھی کرے اور مال بھی لوٹے تو اس کی سزا قتل بھی اور بعد میں سولی پر لٹکانا بھی ہے اور اگر صرف مال لوٹے قتل نہ کرے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کے مقابل کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیئے جائیں یعنی دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں اگر قتل نہ کرے اور نہ مال لوٹے بلکہ صرف خوف و ہراس کا موجب بنے تو اس کی سزا ہے ملک بدر کر دینا

يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ :- تفسیر صافی میں امام رضا علیہ السّلام سے دریافت کیا گیا کہ ملک بدر ہونے کا کیا معنی ہے؟ تو آپ نے فرمایا شہر سے نکالا جائے اور جس دوسرے شہر میں جائے تو اس شہر والوں کو پیغام بھیجا جائے کہ یہ شخص شہر بدر ہے لہٰذا اس کے ساتھ

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ

یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کا آخرت میں عذاب بڑا ہوگا مگر وہ لوگ

تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٤﴾

جو توبہ کرلیں قبل اس کے کہ تم ان پر قدرت حاصل کرو تو جان لو کہ تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

میل جول، خرید و فروخت، کھانا پینا اور رشتہ ناطہ کوئی نہ کرے اور سال تک یہ سزا ہو اگر وہاں سے کسی اور شہر میں جائے تو وہاں بھی یہی پیغام بھیجا جائے اور حدیث میں ہے کہ وہ سال سے پہلے ہی ذلیل ہو کر توبہ کرے گا۔ **اقول** :- اگرچہ توبہ کرے تاہم سزا بھگتنی پڑے گی یعنی سال کی شہر بدری) اگر وہ دار الشرک میں داخل ہو جائے اور دار الشرک والے اس کو گرفتار کر کے واپس بھیج دیں تو اس کی سزا قتل ہوگی اور اگر وہ اس کو اپنے ساتھ ملالیں تو یہ اس کا اعلان جنگ سمجھا جائے گا اور امام محمد تقی علیہ السّلام سے ایک روایت میں ہے کہ ملک بدر کا معنی یہ ہے کہ اُسے قید کر لیا جائے۔

تنبیہ :- مذہب امامیہ میں دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹنے کا حکم ہے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے القطع من وسط الکف ولا یقطع الابھام و اذا قطعت الرجل ترکت العقب ولم یقطع یعنی ہاتھ کو ہتھیلی کے درمیان سے کاٹا جائے گا اور انگوٹھا بچا لیا جائے گا اور پاؤں کو ایسی جگہ سے کاٹا جائے گا کہ ایڑی بچ جائے اور پاؤں کی حد قبتہ القدم ہے یعنی کف پا میں اوپر اُبھرے ہوئے مقام سے اس کو قطع کرنا چاہیے کہ ایڑی اس کی بچ جائے اور ہاتھ کی صرف چار انگلیاں کاٹی جائیں گی مسلمانوں کے باقی فرقوں میں ہاتھ کاٹنے کی جگہ میں اختلاف ہے بعض کا مذہب ہے کہ شانے سے جدا کیا جائے کیونکہ عرف لغت میں انگلیوں سے شانے تک سارا ہاتھ ہے اور بعض کے نزدیک صرف کہنیوں تک کاٹا جائے کیونکہ آیت وضو میں ہاتھ کی حد کہنی ہے اور بعض کہتے ہیں کلائی تک کیونکہ تیمم میں ہاتھ کی حد یہی ہے لیکن مذہب شیعہ میں حکم ہے صرف انگلیوں کی جڑوں سے کاٹنے کا اور قرآن مجید میں اس حصہ پر بھی ہاتھ کا اطلاق ہوا ہے جیسے یَکْتُبُوْنَ الْکِتَابَ بِاَیْدِیْھِمْ وہ کتاب کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں۔ پس جب ہاتھ کی حدیں مختلف بیان کی گئی ہیں تو حدود میں احتیاط کو زیادہ ملحوظ رکھا جاتا ہے حتیٰ کہ اَلْحُدُوْدُ تُدْرَءُ بِالشُّبُھَاتِ یعنی حدیں شبہات کی بنا پر ختم کی جایا کرتی ہیں۔ پس یقینی حد جس سے کم کا امکان نہیں وہ یہی ہے کہ انگلیوں کی جڑوں سے کاٹا جائے اور یہی احتیاط کا مقتضیٰ ہے نیز مقصود یہ ہے کہ مجرم کو سزا مل جائے تاکہ دوسروں کے لئے بھی عبرت ہو اور اس کو بھی آئندہ جرأت نہ ہو تو یہ اس حد کے کاٹنے سے بھی حاصل ہو جاتی ہے اور وہ آئندہ اپنے کاروبار سے بھی معطل نہیں ہوتا اور اسی قسم کا ایک واقعہ چوری کی سزا کے متعلق معتصم کے زمانہ میں ہوا اور امام محمد تقی علیہ السّلام نے جب دلیل سے سمجھایا تو معتصم کو سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ ہم نے پورا واقعہ مقدمہ تفسیر صفحہ ۹۶ پر ذکر کیا ہے۔ چور کی سزا کا مفصل بیان صفحہ ۹۹ سے شروع ہو رہا ہے۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا :- یعنی جب ڈاکو گرفتار ہو جائے اور گواہ ہو جائیں تب تو سزا کا ملنا حتمی ہوتا ہے۔ اب کوئی لاکھ توبہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝۳۵

اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ اور جہاد کرو اس کی راہ میں

کرے تو یہ سزا ٹل نہیں سکے گی لیکن اگر گرفتاری سے قبل یا حاکم شرع کے سامنے ثبوت سے قبل توبہ کرلے تو اس کی یہ توبہ مقبول ہوگی اور اس سے سزا دفع کی جائے گی۔ پس قاضی کو اس پر قدرت اس وقت حاصل ہوگی جب ثبوت ہو جائے اور اس سے پہلے وہ آزاد ہے اور اس کیلئے توبہ کی گنجائش ہے۔

رکوع نمبر ۱: وسیلہ تلاش کرنے کا حکم

وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ :۔ وسیلہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے مقصود تک پہنچا جائے۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ خدا تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ڈھونڈو اور اس میں شک نہیں کہ اللہ کی رضامندی کا ذریعہ دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ جن جن چیزوں سے اس نے روکا ہے ان سے رُکا جائے اور دوسرا یہ کہ جن چیزوں کی بجا آوری کا اس نے حکم دیا ہے ان کو بجا لایا جائے یعنی محرمات سے پرہیز اور واجبات کی ادائیگی کی جائے اور مفسرین عامہ نے یہاں وسیلہ سے یہی معنی مراد لیا ہے لیکن یہ دیکھنا ہے کہ واجبات ومحرمات کا ہمیں از خود تو علم ہو نہیں سکتا اور قرآن مجید میں اگرچہ سب کچھ موجود ہے لیکن وہ محتاج تفصیل ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ ہمیں اچھائی اور برائی کی تفصیل بتلانے والا کوئی ہوتا کہ اچھے کام کرکے اور برائیوں سے بچ کر ہم خدا کا قرب حاصل کریں اور یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ نہ ہم خود تمام عبادات کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ تنہا قرآن مجید سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اس کے بیان کے لئے ایک ایسے ہادی کی ضرورت ہے جو حرام وحلال اور جائز و ناجائز کی ہمارے سامنے وضاحت کرے اور وہ وجود ذیجود جناب رسالتمآبؐ کا ہے تو پس معلوم ہوا کہ خدا تک پہنچنے کے لئے سب سے بڑا وسیلہ حضرت رسالتمآبؐ کا وجود مبارک ہے اور چونکہ شریعت قیامت تک اور قرآن کے احکام بھی قیامت تک ہیں لہٰذا وسیلہ کی ضرورت بھی قیامت تک ہے تو ضروری ہے کہ قیامت تک کیلئے ایسے ہادی متعین ہوں جو ہر دور میں خدا کی اطاعت کے طریقے تعلیم کرتے رہیں تاکہ ہم نیکیوں پر عمل کرکے اور برائیوں سے بچکر خدا کا قرب حاصل کرسکیں اور اس کا معین کرنا خدا کا کام ہے جس طرح جناب رسالتمآبؐ کو اس نے ہی منتخب فرما کر بھیجا اسی طرح ان کے بعد ان کا ہر قائمقام جو امت کیلئے وسیلہ ہوگا وہ ہی بھیجے گا چنانچہ اس نے نامزد فرمایا اور حضرت رسالتمآبؐ نے غدیر کے بھرے مجمع میں بازو پکڑ کر اعلان فرمادیا یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ میری رضامندی ڈھونڈنے کیلئے وسیلہ بناؤ بلکہ فرمایا ڈھونڈو یعنی تمہارا کام وسیلہ بنانا نہیں بلکہ وسیلہ ڈھونڈھ کر اس سے تمسک پکڑنا ہے اور میرا کام ہے وسیلہ بنانا اور تم تک پہنچانا جس طرح میرا کام ہے نبی بنا کر بھیجنا اور تمہارا کام ہے عمل کرنا۔ اسی بنا پر تفسیر قمی میں ہے کہ اس سے مراد ہے امام؛ اور عیون میں جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ آئمہ امام حسینؑ کی اولاد سے ہوں گے جو ان کی اطاعت کرے گا گویا اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے ان کی نافرمانی کی گویا اس نے اللہ کی نافرمانی کی وہ عروہ وثقی ہیں اور وہ اللہ کی طرف وسیلہ ہیں۔ (تفسیر صافی)

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ

تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اگر ان کے پاس ہو جو کچھ زمین میں ہے سب اور اتنا اور بھی تاکہ فدیہ دیں اس کو

مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۳۶﴾ یُرِیْدُوْنَ

عذاب یوم قیامت سے تو نہ لیا جائے گا اور ان کا عذاب دردناک ہوگا چاہیں گے

اہلبیتِ عصمت کی جانب سے احادیث متواترہ موجود ہیں کہ اس مقام پر وسیلہ سے مراد آلِ محمدؐ ہیں اسی بنا پر اپنی دعاؤں میں بھی انسان اس وسیلہ کو مقدم رکھے کیونکہ ان کے واسطے سے دعا جلد مقبول ہوتی ہے۔ لوامع التنزیل میں دُرِ منثور اور معجم طبرانی وغیرہ سے منقول ہے کہ حضرت آدمؑ نے اپنی دُعا میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کا واسطہ دیا تھا اور نیز مروی ہے کہ نوحؑ نے بوقت طوفان حضرت ابراہیمؑ نے بوقتِ آتشِ نمرود عیسیٰؑ نے بوقتِ گرفتاری یہود یونسؑ نے شکم ماہی میں اور حضرت موسیٰؑ نے بوقتِ عصا مارنے کے حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ کے واسطہ و وسیلہ سے دُعا مانگی تھی جو مستجاب ہوئی اور مروی ہے کہ وہ دعا جس کے اول و آخر میں درود ہو مستجاب ہوتی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۔ یہ آیت اس مطلب کی تائید کرتی ہے کہ پہلی آیت میں وسیلہ کا معنی محمدؐ و آلِ محمدؐ کی ولا تھی کیونکہ وہاں ایمان والوں کو وسیلہ تلاش کرنے کا حکم تھا اور یہاں فرماتا ہے کہ جو لوگ کافر ہیں۔ ان کے لئے عذاب ہوگا اور ان کا فدیہ بھی قبول نہ کیا جائے گا اور ظاہر ہے کہ اصول کے ترک سے کفر لازم آتا ہے نہ کہ فروع کے ترک سے پس معلوم ہوا کہ وہاں وسیلہ سے مراد اصول تھا جس سے تمسک کے بعد فلاح و کامیابی کی بشارت تھی اور یہاں کفر سے مراد اسی وسیلہ کا انکار ہے تاکہ مقدم و مؤخر کا آپس میں ربط بھی بحال رہے اور اگر تسلسل آیات اور ترتیب مضامین کو بغور دیکھا جائے تو یہ سب عہدِ غدیر کے ایفاء کے تاکیدی پیغامات ہیں اور عناد رکھنے والوں کے لئے تہدیدی سرزنش ہے چنانچہ صحیح بخاری جلد چہارم باب مناقب حضرت عمر سے منقول ہے کہ جب حضرت عمر کو زخم لگا اور صاحبِ فراش ہوئے تو درد سے گھبرائے ہوئے تھے پس ابن عباس نے پوچھا اے امیر المومنین اگر یہ تکلیف ہوگئی ہے تو تسلی کرو۔ آپ تو جنابِ رسالتمآبؐ کی صحبت کا شرف پا چکے ہیں۔ یہانتک کہ حضرت عمر نے فرمایا اے ابن عباس یہ میری گھبراہٹ اور جزع فزع جو تو دیکھ رہا ہے صرف تیرے اور تیرے ساتھیوں کی وجہ سے ہے (یعنی حضرت علیؑ وغیرہ) خدا کی قسم اگر تمام روئے زمین میرے لئے سونا بن جاتی تو میں وہ سب فدیہ دیتا اس عذاب خدا کا جو میں دیکھ رہا ہوں۔ اسی طرح تاریخ الخلفاء سیوطی اور استیعاب سے بھی منقول ہے اب دانشمند انسان خود ہی فیصلہ کر سکتا ہے

لیکن دوسری طرف امام الاولیاء، سید الاوصیاء حضرت علیؑ مرتضیٰ ہر جنگ میں بغیر زرہ کے شامل ہوتے ہیں اور اپنے فرزند محمد اور دیگر موالیان کے سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ لَا یُبَالِیْ اَبُوْكَ اَسَقَطَ عَلَی الْمَوْتِ اَمِ الْمَوْتُ سَقَطَ عَلَیْهِ ۔ تیرے باپ کو پرواہ نہیں کہ موت میں جا پڑے یا موت اس پر آجائے اور اسقدر اطمینانِ نفس کہ بوقت شہادت فرماتے ہیں فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ کعبہ کے پروردگار کی قسم میں کامیاب ہوا ہوں اور نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں مجھے موت سے اس طرح محبت ہے جسطرح بچے کو اپنی ماں کے سینے

أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴿٣٧﴾ وَالسَّارِقُ

کہ نکل جائیں آگ سے حالانکہ نہ نکل سکیں گے اس سے اور ان کا عذاب دائمی ہوگا جو چوری کرے

وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٣٨﴾

مرد یا عورت پس کاٹ دو ہاتھ ان کے بدلے میں اس کے جو انہوں نے کیا سزا ہے خدا کی جانب سے اور اللہ غالب حکمت والا ہے

سے ہوا کرتی ہے۔

چور کی سزا

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ: مشہور قرأت رفع کی ہے اور اس لحاظ سے اس کی نحوی ترکیب میں نحویوں کے دو گروہ ہیں: مبرّد اور اس کی جماعت کہتے ہیں۔ یہ دراصل دو جملے ہیں اَلسَّارِقُ مبتدا معطوف علیہ اور اَلسَّارِقَةُ اس کا معطوف ہے اور ان کی خبر حکمھما ما یتلی علیکم بعد محذوف ہے اور فَاقْطَعُوا اِلٰی اٰخرہ نیا جملہ انشائیہ ہے اور پہلے جملہ میں خبر کے حذف کا بھی یہی جملہ قرینہ ہے لیکن سیبویہ کے نزدیک ایک جملہ ہے وہ فَاقْطَعُوا کو ہی اس کی خبر مانتے ہیں کیونکہ جب مبتدا میں شرطیّت کا معنی پایا جائے تو خبر پہ فا کا داخل ہونا جائز ہوا کرتا ہے اور یہاں مبتدا میں شرطیّت کا معنی یقیناً پایا جاتا ہے

فَاقْطَعُوا: بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے ¼ دینار کی چوری میں ہاتھ کٹے گا۔ خواہ اس کی قیمت جو بھی ہو اور اس سے کم چوری کرنے والوں کو چور تو کہا جائے گا اور وہ اللہ کے نزدیک بھی تو چور ہے لیکن ہاتھ اس کا نہ کاٹا جائے گا اگر ¼ دینار سے کم کی چوری کرنے والوں کا بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم ہوتا تو تم دیکھتے کہ اکثر لوگوں کے ہاتھ کٹ گئے ہوتے (کیونکہ اتنی چوری تو عام لوگ کر لیا کرتے ہیں اور اس کی پرواہ نہیں کرتے) ایک روایت میں ہے صرف چار انگلیاں کاٹی جائیں گی اور انگوٹھا نہ کاٹا جائیگا تاکہ وضو کر سکے اور نماز کے وقت اس پہ سہارا بھی دے سکے اور نیز فرمایا کہ جب پاؤں کاٹا جائے گا تو ایڑی چھوڑ دی جائے گی حضرت امیر نے ایک چور کا ہاتھ اس طرح کاٹا تو لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ نے زیادہ حصّہ تو چھوڑ دیا ہے۔ آپ نے فرمایا خدا نے اس کیلئے توبہ کی گنجائش رکھی ہے پس اگر یہ شخص توبہ کرے تو پھر وضو کس طرح کرے گا اگر سارا ہاتھ کٹ جائے اور امام محمد تقی علیہ السلام نے اِنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ سے معتصم کے دربار میں استدلال فرمایا تھا کہ جو اللہ کے لئے ہو اس کو نہ کاٹا جائے اور ہتھیلی مساجد میں داخل ہے اور مساجد اللہ کیلئے ہیں۔ بہرکیف آئمہ اہل بیت کی طرف سے روایات اس مضمون کی بہت زیادہ ہیں۔

مزید وضاحت

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ ۗ یعنی چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو اس سے دو معنی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ آیت کے ظاہری مدلول کے مطابق چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جائے (۲) دوسرے یہ کہ اس کو کنایہ قرار دیا جائے اور مقصد یہ ہو کہ اسے سخت تنبیہہ کی جائے یا ایسے اسباب و ذرائع کو عمل میں لایا جائے کہ چور کو آئندہ چوری کرنے کی جرأت نہ ہو یا کہ دوبارہ چوری کرنے کی نوبت ہی نہ آئے جس طرح بے جا بولنے والے یا اعتراض کرنے والے کے متعلق کوئی

کہنے والا کہہ دے کہ اس کی زبان کاٹ دو تو اس فقرے کے بھی دو معنی نکل سکتے ہیں ایک یہ کہ اس کا بولنے والا یہ عضو کاٹ دو۔ اور دوسرا یہ کہ اسے اس طرح ڈانٹو یا مطمئن کرو کہ اسے دوبارہ لب کشائی یاوہ گوئی یا اعتراض کرنے کی جرأت یا ضرورت نہ رہے۔ آیت مجیدہ مذکورہ بالا میں فقہائے اسلام نے ہاتھ کاٹنے سے عضو مخصوص کا کاٹ دینا مراد لیا ہے کیونکہ بانیٔ شریعت حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور ان کے بعد اوصیائے طاہرین آئمہ علیہم السلام سے آیت کی تشریح یہی وارد ہے اور سلف صالحین کی سیرت مستمرہ بھی اسی کی مؤید ہے نیز آیت مجیدہ کا اگلا حصہ بھی اسی معنی کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ اس میں ہاتھ کاٹنے کی علت ومصلحت نکال (سزا) بیان کی گئی ہے چنانچہ ارشاد ہے: نَكَالًا مِنَ اللّٰهِ یعنی چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر ہے۔

دوسرے وُہ اسباب وذرائع جن کو عمل میں لانے سے چوری کا قلع قمع ہوسکتا ہے ان کی چند موثر صورتیں ہیں۔

(۱) اسلامی تعلیمات کو حکومتی طور پر اور سرکاری سطح پر عام کیا جائے تاکہ لوگوں کے دلوں میں خوفِ خدا پیدا ہو اور احادیث پیغمبر اور سلف صالحین کی عملی زندگی لوگوں کیلئے نیک اعمال اور حلال خوری کے لئے موثر محرک بن سکے پس لوگ از خود قناعت کرتے ہوئے فاقہ مستی کو چوری پر ترجیح دے سکیں۔

(۲) زکوٰۃ خیرات وصدقات کی تقسیم کا ایسا مناسب وموزوں نظام قائم ہو کہ ضرورتمند اور حاجتمند لوگ صاحبانِ ثروت وارباب دولت کی زائد از ضرورت آمدنی سے استفادہ کرکے اپنے اخراجات سے عہدہ برآ ہوسکیں پس نہ دوسروں کے اموال کی طرف للچائی ہوئی نظر اٹھانے کی نوبت آئے نہ چوری کریں۔

(۳) حفاظتی تدابیر سے غفلت نہ برتی جائے اور ظاہر ہے کہ ہر صاحب مال اپنے مال کی حتی الامکان حفاظت کیا کرتا ہے اور سابق دَور کی بہ نسبت اب مال وزر (جو زائد از ضرورت ہو) کی حفاظت کے ذرائع وسیع اور آسان ہیں چنانچہ بنکاری نظام اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔

دورِ رسالتؐ میں جرائم کا انسداد

دورِ رسالتؐ میں تعلیماتِ اسلامیہ کی ہمہ گیری محتاج بیان نہیں کیونکہ حکومتی سطح پر اسلامی تعلیم کے علاوہ اور کوئی دوسری صورت مروّج نہ تھی حضرت پیغمبر بنفس نفیس اپنے مواعظِ حسنہ سے اصلاح معاشرہ کا فریضہ خود انجام دیا کرتے تھے اسلامی معاشرہ میں ہر ایک فرد دوسرے کو خوفِ خدا کی تلقین کرنے میں پیش پیش نظر آتا تھا۔ پرائیویٹ اور نجی مجالس میں بھی قرآن وحدیث کے مضامین زیب زبان ہوتے تھے نیز نزولِ قرآن کا زمانہ تھا اور یہ ڈر بھی ہوتا تھا کہ اگر کوئی غلطی ہوئی تو آمد جبریل اور نزولِ وحی کے ذریعے سے اس غلطی پر غلط کار کو فوراً روک ٹوک دیا جائے گا اور پورے معاشرہ میں خفت وذلت ہوگی چنانچہ بعض کو اعلانیہ طور پر ٹوکا گیا جس سے دوسروں کے لئے بھی تنبیہہ ہوگئی اور بعض مقامات پر قرآن مجید نے ایک عمومی بیان کے ذریعے سے اس طرح غلطی پر ٹوکا کہ کسی کی نشاندہی نہ فرمائی تاکہ وہ سوائے خدا کے اور کسی کے آگے شرمندہ نہ ہُوا اور جب حضورؐ نے نزولِ وحی کے بعد آیات کی تلاوت فرمائی تو دوسروں نے تو اسے عام وعظ سمجھا اور غلط کار نے فوراً سمجھ لیا کہ یہ مجھے ہی سرزنش ہو رہی ہے پس وہ ظاہری خفت اُٹھائے بغیر اپنے دل میں شرمندہ ہُوا اور اپنے گناہ سے توبہ کرلی اسی طرح نیکی کرنے والوں کی

قرآن مجید حوصلہ افزائی کرتا تھا چنانچہ جب کسی سے ایک لائق تقلید اچھا عمل سرزد ہوا تو قرآن نے اس کی مدح کر دی پس تمام صحابہ کیلئے اس کی نیکی باعثِ رشک بن گئی اور بعض اوقات قرآنی آیات میں عمومی طور پر نیک کام انجام دینے والوں کی تعریف کی گئی تو جن لوگوں سے اس قسم کی نیکی سرزد ہوئی ہوتی تو وہ دل ہی دل میں پھولے نہ سماتے کہ قرآن نے میری نیکی کا ذکر کیا ہے پس اس طریقہ سے لوگوں میں یہ جذبہ پیدا ہو گیا کہ نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لیں اور برائیوں کو چھوڑنے میں ایک دوسرے سے پہل کریں پس یہی تحریکات معاشرہ کے سلجھاؤ کا بہترین ذریعہ تھیں اس کے علاوہ اسلامی تعلیم کے ساتھ ساتھ زکوۃ وصدقات کا سلسلہ پیہم جاری تھا اور قرآن مجید کا نزول اس سلسلہ کا مزید محرک ومؤید رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواعظِ حسنہ اس کے لئے سونے پر سہاگہ کا کام کرتے تھے پس ہر شخص عموماً اپنی زائد از ضرورت اشیاء کو پس اندازی اور ذخیرہ اندوزی کے جذبہ کے ماتحت کہیں چھپا کر نہیں رکھتا تھا بلکہ دوسرے حاجتمند لوگوں کی حاجت روائی کے پیشِ نظر اسے عام منڈی میں فروخت کے لئے پیش کر دیتا تھا۔ پس جہاں ایک طرف معاشی نظام قابلِ رشک تھا وہاں معاشرہ انسانی بھی پوری طرح پُرسکون تھا۔

لہٰذا ایسے سلجھے ہوئے معاشرہ میں کسی کا چوری کرنا صرف اس کی بدباطنی اور بے ضمیری کی بدولت ہی ہوا کرتا ہے جس کی سزا ہاتھ کا ٹنا مقرر ہوا فقہ جعفریہ کے مطابق چور کو سزا اس وقت دی جائے گی جب حاکمِ شرع کی عدالت میں اس کی چوری پر دو عادل گواہ قائم ہوں یا ملزم خود اعترافِ جرم کرلے کسی شبہ کی بناء پر ملزم کو سزا نہیں دی جائے گی نیز اگر ملزم اپنے فعل کی کوئی قابلِ قبول تاویل بیان کرے یعنی کسی شبہ کا دعویٰ کرکے اپنی صفائی پیش کرے تو اُسے صفائی کا موقعہ دیا جائے گا اور اَلْحُدُوْدُ تُدْرَأُ بِالشُّبُهَاتِ کے اصول کے ماتحت شبہ کا فائدہ ملزم کو دیتے ہوئے سزا کو روک دیا جائے گا اور جرم ثابت ہونے کے بعد حاکم شرع کی جانب سے جب سزا کا حکم ہوگا تو ملزم کو سزا فقہ جعفریہ کے ماتحت دی جائے گی۔ یعنی چور کا دایاں ہاتھ چاروں انگلیوں کی جڑ سے کاٹا جائے گا۔

چور کی سزا میں ہاتھ کی حد کے تعیّن پر دلائل

ہم فقہی مسائل کے استنباط کے اصول قرآن وحدیث وعقل کو قرار دیتے ہیں اور اجماع کی بازگشت چونکہ ہمارے نزدیک قول معصوم کی طرف ہے لہٰذا اس کو الگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہمارے پاس ہاتھ کاٹنے میں متذکرہ بالا حد کے تعیّن میں ناقابل تردید براہین عقلاً ونقلاً موجود ہیں۔ (۱) ائمہ معصومین علیہم السّلام کی جانب سے احادیث وارد ہیں جو تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ جن میں سے بعض کو ذکر کیا جاچکا ہے

(۲) اللہ چاہتا ہے کہ ہر انسان جو اعضاء وجوارح صحیح سالم رکھتا ہو اور کما سکنے پر قادر ہو خود کما کر کھائے اور اپنے واجب النفقہ افراد کی کفالت بھی کرے پس اگر خود نہ کما سکتا ہو یا کما سکنے اور کمانے کے باوجود خود کفیل نہ ہو تو جن لوگوں کی آمدنی اپنی ضروریات سے وافر ہو ان کے اموال میں سے اُس نے زکوٰۃ وصدقات وغیرہ حقوق مقرر کر دیئے جن سے اپنی کفالت نہ کر سکنے والوں کی دست گیری کی جا سکے۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تندرست انسان خواہ مخواہ معاشرہ پر بوجھ بن کر رہے یا دوسروں کی کمائی پر للچائی ہوئی نگاہیں ڈال کر ان کے اموال کو ناجائز طور پر تصرف میں لائے پس اسی مصلحت کی بناء پر چوری کو اس نے قابلِ سزا جرم قرار دیا تاکہ معاشرہ انسانیہ پر بوجھ بننے والوں اور دوسروں کی کمائی کو ناجائز طریقہ سے حاصل کرنے والوں کی ہمت شکنی ہو سکے اور تمدّنِ انسانی کو امن وسکون نصیب ہو پس اگر چور کا ہاتھ کلائی یا کہنی سے کاٹا

جائے تو یہ مصلحت فوت ہو جائے گی۔ کیونکہ معاشرہ سے بوجھ ہلکا ہوتا تو درکنار ہاتھ کٹا انسان معاشرہ پر مستقل بوجھ بن جائے گا اور نہ کما سکنے کے بہانہ سے وہ مستقل گداگر بنے گا یا جرائم میں مزید اضافہ کر کے معاشرہ کے لئے امن کی تباہی کا موجب ہوگا لیکن انگلیوں سے ہاتھ کٹنے کی صورت میں اس کے لئے سزا عبرت ناک اور درس آموز ہوگی اور کما سکنے کی صورت میں اس کے مزید بوجھ بننے کے امکان میں یقیناً کمی ہوگی (۳) کلائی سے ہاتھ کٹنے کی صورت میں وہ دائیں ہاتھ سے کھانا نہیں کھا سکے گا بلکہ ہر شریف کام کے لئے اسے بائیں ہاتھ کا سہارا لینا پڑیگا جس سے خسیس کام انجام دیئے جاتے ہیں لیکن انگلیوں سے ہاتھ کٹنے کی صورت میں یہ مشکل پیش نہیں آئے گی، حالانکہ اللہ فرماتا ہے:۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (۲پ بقرہ ۱۸۵) یعنی اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور وہ تمہارے لئے عسر نہیں چاہتا (۴) کلائی سے ہاتھ کٹنے کی صورت میں اس کے لئے طہارت کرنا ناممکن ہو جائے گا بلکہ وہ دائمی طور پر نجس رہنے کیلئے مجبور ہوگا کیونکہ حاجات ضروریہ کے بعد یا جسم کے نجس ہو جانے کی صورت میں اگر بائیں ہاتھ سے صفائی کرنا چاہے گا تو چونکہ دایاں ہاتھ کوزا یا کوئی برتن پکڑنے سے قاصر ہے لہذا پانی ڈالنا ناممکن ہوگا اور اگر بائیں ہاتھ سے پانی کا برتن پکڑے گا تو صفائی کرنے کیلئے ہاتھ کہاں سے لائیگا کیونکہ دایاں ہاتھ تو مستقل طور پر بے کار کیا جا چکا ہے لیکن انگلیوں سے ہاتھ کاٹنے کی صورت میں یہ مشکل پیش نہیں آئے گی (۵) کلائی سے ہاتھ کٹنے کی صورت میں یہ شخص سجدہ خداوندی میں (جو نماز کا اہم رکن ہے) زمین پر ہاتھ ٹیکنے سے معذور ہوگا۔ اور فقہ جعفریہ کے مطابق سزا کے طور پر ہاتھ کی انگلیوں کے کٹنے سے نہ اس کی طہارت میں فرق آئے گا اور نہ اس کی نماز ناقص ہوگی۔ (۶) ہاتھ کا اطلاق چار طریقوں پر صحیح ہے (۱) پورے بازو پر ہاتھ بولا جاتا ہے جو کندھے سے شروع ہو کر انگلیوں کے کناروں تک ہے جب اطلاق عام میں کہا جائے کہ اللہ نے انسان کو دو ہاتھ اور دو پاؤں عطا فرمائے ہیں تو اس مقام پر پاؤں کے مقابلہ میں ہاتھ کندھوں سے شروع ہوگا (۲) آیت وضو میں ہاتھ کا اطلاق کہنیوں سے انگلیوں تک ہے (۳) آیت تیمم میں ہاتھ کلائی سے شروع ہوتا ہے (۴) اور جب ہاتھ کی طرف لکھنے، پڑھنے یا کھانے وغیرہ کی نسبت دی جائے تو اس سے مراد انگلیاں ہوا کرتی ہیں پس ہاتھ کی حد کا تعین ان چاروں طریقوں سے صحیح اور لسان کے محاوراتی لہجوں کے اعتبار سے مطابق واقع ہے اب چور کا سزا کے طور پر ہاتھ کاٹنا ہے تو سوال پیدا ہوگا کہ ان چار معانی میں سے ہاتھ کا کونسا معنی لیا جائے؟ تو چونکہ شرعاً و عقلاً شبہ کا فائدہ ملزم کو دیا جانا چاہیئے لہذا ہاتھ کے کم از کم اطلاق کے پیش نظر اس کا ہاتھ انگلیوں سے کاٹا جائے گا ورنہ ملزم کی حق تلفی بلکہ اس پر ظلم ہوگا۔ جو عقلاً و شرعاً ناقابل قبول ہے (۷) ہاتھ کی حد چار احتمالات کی صورت میں اگر کم از کم حد کو اختیار نہ کیا جائے تو خلاف احتیاط ہوگا۔ کیونکہ بازو یا کہنی یا کلائی کے کاٹنے کی صورت میں اس کی حق تلفی کا قوی احتمال موجود ہے۔ پس احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اس کا ہاتھ انگلیوں سے ہی کاٹا جائے (۸) بعض احکام ایسے ہوا کرتے ہیں کہ ان کے اثبات کیلئے الگ دلیل ثابت کرنے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ دلیل اس دعویٰ کے اندر پنہاں ہوتی ہے مثلاً جب کہا جائے کہ قاتل کو پھانسی دے دو تو سننے والا پھانسی کے حکم کی علت کو خود ہی سمجھ جاتا ہے۔ یعنی اس کا قاتل ہونا اس کی سزا پھانسی کی علت ہے لہذا الگ دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں بعینہٖ اس طرح ہے جب اس طرح کہا جائے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دو تو فوراً سمجھ میں آجاتا ہے کہ چوری کرنا ہی ہاتھ کٹنے کی علت ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ مشتق پر حکم لگانا حکم مع الدلیل ہوا کرتا ہے۔

پس جب چوری کی سزا میں ہی ہاتھ کاٹنا ہے تو ہاتھ کا وہی حصہ کاٹنا چاہیئے جو بلا واسطہ چوری کے ارتکاب میں ملوث ہے لہذا کندھے یا کہنی یا کلائی کا دخل چوری میں اتنا ہے جتنا پاؤں کا دخل ہے کہ ان سے چوری کے مال کی طرف وہ چل کر گیا یا جتنا آنکھوں کا دخل ہے کہ اس نے ان کے ذریعہ سے چوری کے مال کو دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر اٹھایا درحقیقت چوری میں براہ راست ملوث صرف ہاتھ کی انگلیوں کا حصہ ہی ہے لہذا سزا اسی حصہ تک محدود ہونی چاہیئے اور ہاتھ کاٹنے میں چوری کی نسبت کا بیان اس امر کا قرینۂ واضحہ ہے کہ ہاتھ کا وہی حصہ کاٹا جائے جو چوری میں استعمال کیا گیا ہے پس فقہ جعفریہ کے مطابق ہاتھ کی چاروں انگلیوں کا کاٹنا ہی قرآنی حکم سے پوری مطابقت رکھتا ہے ⑨ قرآنی آیات میں بعض آیات کو دوسری بعض پر حق حکومت حاصل ہے پس جب حاکم آیت سامنے آجائے تو محکوم آیت کا حکم خود بخود ساقط ہو جاتا ہے مثلاً آیت وضو میں مطلقاً حکم دیا گیا ہے کہ جب بھی تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو پہلے وضو کر لیا کرو یعنی منہ اور ہاتھوں کو دھو لیا کرو اور سر اور پاؤں کا مسح کر لیا کرو اس حکم میں عموم ہے کہ خواہ تم بیمار ہو یا تندرست ہو خواہ تمہیں پانی ضرر دے یا نہ دے ہر حالت میں نماز کے لئے تم نے وضو کرنا ہے لیکن قرآن مجید میں ایک دوسری آیت موجود ہے مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (پ۱۷ سورۂ حج آیت ۷۸) یعنی اللہ نے دین کے معاملہ میں تم پہ حرج نہیں رکھی پس یہ آیت وضو کی آیت پر حاکم ہے کہ جہاں بھی وضو کرنے میں ضرر اور حرج کا خطرہ لاحق ہوگا۔ وضو کی آیت کا حکم خود بخود ختم ہو جائیگا اگر کسی کی آنکھوں کا آپریشن ہو چکا ہو اور ڈاکٹر نے پانی کے استعمال پہ پابندی لگا دی ہو تو رفع حرج والی آیت کی حکومت کے پیش نظر وضو کا حکم ساقط ہوگا پس پانی سے وضو کرنے کے بجائے ایسے بدل کا انتظام کیا جائیگا جو بعض اوقات پانی کا قائم مقام بن سکتا ہو اور وہ تیمم ہے چنانچہ وجوب غسل کی صورت میں پانی کی عدم موجودگی کے وقت قرآن نے تیمم کو اس کا بدل قرار دیا ہے پس مقامات حرج میں اسی تیمم کو وضو کا بدل بھی بنایا جائے گا ـــــ اسی طرح حد جاری کرنے کے لئے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے اور اس کے مقابلہ میں ایک دوسری آیت میں موجود ہے اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ یعنی مساجد اللہ کے لئے مخصوص ہیں۔ پس وہ شعائر اللہ کہلاتی ہیں۔ اور شعائر اللہ کی تعظیم کو اللہ نے تقویٰ کی نشانی قرار دیا ہے (سورۂ حج آیت ۳۲)

اب دیکھنا یہ ہے کہ مساجد سے مراد کیا ہے عام اصطلاح میں تو مساجد کی لفظ صرف زمین کے ان ٹکڑوں سے مخصوص ہے جو نماز کیلئے معین ہوتے ہیں لیکن اصطلاح اہلبیت میں انسانی جسم کے وہ اعضاء جو بوقت سجدہ زمین سے مس ہوتے ہیں ان کو بھی مساجد کہا جاتا ہے چنانچہ جسم انسانی میں مقامات سجدہ سات عضو ہیں۔ پیشانی ۲ دو ہتھیلیاں ۲ دو گھٹنے اور پاؤں کے دو انگوٹھے جن کا سجدہ کے وقت زمین پر ٹیکنا واجب ہے اور انہی کو مساجد سبعہ کہا جاتا ہے اور انسانی جسم کے یہی مساجد سبعہ زمین کے جس حصہ کو مس کرتے ہیں وہ زمین مسجد کہلاتی ہے تو گویا مسجد کا اطلاق جسم انسانی کے اعضاء سبعہ پہ اولاً و بالذات ہے اور زمین پہ مسجد کا اطلاق انہی کی بدولت ہے کہ زمین سے یہ اعضاء اگر مس نہ ہوتے تو زمین مسجد نہ بنتی۔

پس چونکہ انسان کی ہتھیلی مساجد سبعہ میں سے ایک مسجد ہے یعنی سجدہ کے سات اعضاء میں سے ایک عضو ہے لہذا تعظیم و احترام کی سزاوار ہے اس کے مقابلہ میں چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کا حکم موجود ہے تو ہتھیلی کے احترام کے پیش نظر اور چونکہ وہ مسجد

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

پس جو توبہ کرے بعد اپنے ظلم کے اور نیک ہو جائے تو اللہ توبہ قبول کرے گا اس کی ۔ تحقیق اللہ

ہونے کی حیثیت سے واجب الاحترام ہے) اس کو سزا سے مستثنیٰ قرار دینا پڑے گا پس اسی حصہ پر سزا جاری ہوگی جو ہتھیلی سے باہر ہے تاکہ حدود و تعزیرات کے احکام بھی معطل نہ ہوں اور شعائر اللہ کی تعظیم بھی اپنے مقام پر برقرار رہے اور قرآن مجید میں انگلیوں پر ہاتھ کا اطلاق موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے :۔ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ : (پ۱ بقرہ ۷۹) پس ویل ہے ان کیلئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں اور پھر (ازراہِ افترا) کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے ۔ اس آیت میں کتابت ہاتھ کی طرف منسوب ہے حالانکہ صرف انگلیوں سے ہی لکھا جاتا ہے اسی طرح چوری ہاتھ سے کی جاتی ہے لیکن مسروقہ اموال کا پکڑنا صرف انگلیوں کا ہی کام ہے پس سزا کے طور پر انگلیوں کا کٹنا ہی قرین انصاف اور قریب عقل ہے اور فقہ جعفریہ کا یہی دعویٰ ہے کیونکہ چوری نہ کندھے سے نہ کہنی سے نہ کلائی سے ہوا کرتی ہے لہذا براہِ راست مجرم حصہ سے سزا میں تجاوز کرنا ایک انسانی جسم پر ظلم بے جا ہے جو اسلام میں ناقابلِ برداشت ہے اور میری اس دلیل کا مقصد یہ ہے کہ مساجد کے احترام و تعظیم کو برقرار رکھنے پر دلالت کرنے والی آیت کو چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنے کے حکم پر دلالت کرنے والی آیت پر حقِ حکومت حاصل ہے پس ہاتھ کا وہی حصہ کٹے گا جو ہتھیلی سے خارج ہے ⑩ قرآن مجید میں قطع ید کا استعمال بھی وارد ہے اور اَلْقُرْاٰنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا یعنی قرآن کا بعض حصہ دوسرے بعض حصوں کی تفسیر کرتا ہے) چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں جب مصری خواتین نے زلیخا کو حُبِّ یوسف میں مطعون کیا تو زلیخا نے ان کو کھانے پر مدعو کر لیا اور ہر ایک کے سامنے ناشپاتی و چھری رکھدی چنانچہ ادھر انہوں نے ناشپاتیوں کو کاٹنا چاہا اور ادھر حضرت یوسفؑ ایک کمرے سے برآمد ہوئے اور جونہی مصری عورتوں نے حضرت یوسفؑ کے باجمال چہرہ کی طرف نظر اٹھائی تو حُسنِ یوسفؑ کے دیدار میں ازخود رفتہ ہو کر انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ (پ۱۲ یوسف ۳۱) اس جگہ صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے انگلیاں ہی کاٹ ڈالیں کیونکہ ناشپاتی کے پکڑنے کا تعلق کہنی یا کلائی سے تو ہوتا نہیں بلکہ انگلیوں سے ہوتا ہے اگرچہ یہ وضاحت نہیں کہ پوری انگلیاں کاٹ ڈالیں یا ان کا کچھ حصہ کاٹا لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ انگلیوں کے کٹنے پر قرآن مجید نے قطع ید کا استعمال فرمایا ہے تو کیوں نہ اس وضاحت کے ماتحت چور کی سزا میں قطع ید کو اسی معنی پر محمول کیا جائے جس پر قرآن کی تصریح دوسرے مقام پر موجود ہے ۔

یہ دس دلیلیں ہیں جن کے پیش نظر فقہ جعفریہ کے مطابق چور کے جُرم ثابت ہونے کے بعد حاکم شرع کے حکم پر چور کے ہاتھ کی صرف چار انگلیاں ہی کاٹی جائیں گی ۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ ۔

فَمَنْ تَابَ :۔ اگر امام تک پہنچنے سے پہلے توبہ کر لے تو حد معاف ہو جائے گی لیکن اگر بعد میں تائب ہوا تو ہاتھ ضرور کٹے گا اگرچہ صاحبِ حق معاف بھی کرے ۔ البتہ آخرت کا عذاب نہ ہوگا ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اگر کوئی شخص چور کو پکڑ کر چھوڑ دے تو کر سکتا ہے لیکن اگر امام تک معاملہ پہنچ جائے تو وہ بغیر ہاتھ کاٹے نہ چھوڑے گا کیونکہ معافی اس وقت تک ہو سکتی ہے

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٩﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

بخشنے والا مہربان ہے کیا تم جانتے نہیں کہ اللہ کا ملک ہے آسمان و زمین

جب تک معاملہ امام تک نہ پہنچے اور خدا فرماتا ہے :- وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ امام جب حدود خدا کا محافظ ہے تو وہ کیسے اس کو چھوڑے فرمایا صفوان بن امیہ کی مسجد الحرام سے چادر چوری ہوگئی تو چور کو گرفتار کر کے خدمت نبوی میں پہنچایا گیا تو آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ صفوان نے عرض کی حضور! میری چادر کی وجہ سے! فرمایا ہاں! صفوان نے کہا میں نے اس کو بخش دیا تو آپ نے فرمایا پہلے کیوں نہ بخشا تھا گویا اب بخشش کا وقت گذر گیا ہے۔

مسئلہ :- چوری اس وقت صادق آئے گی جب چیز حرز سے نکالی جائے۔ ورنہ آوارہ پڑی ہوئی چیز کو اٹھانے والا چور نہ ہوگا اور نہ اس پر چور کی سزا عائد ہوگی۔ بلکہ اس پر غصب کا حکم آئے گا۔ حرز سے مراد ہے مقام محفوظ یعنی ہر وہ مقام جہاں مالک کے علاوہ کسی غیر کا دخول بغیر اذن مالک کے ممنوع قرار دیا گیا ہو۔

تنبیہ :- چور کا ہاتھ کاٹنا عقل کے عین مطابق ہے کیونکہ یہ سزا مال کے مقابلہ میں نہیں۔ ورنہ مال کا بدلہ تو مال ہی ہوا کرتا ہے جیسے غصب کے احکام ہیں بلکہ یہ سزا اشرف المخلوقات انسان کو امن و اطمینان کی زندگی سے محروم کرنے کی ہے۔ کما لا یخفیٰ۔

نصبِ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ امام کا مقرر کرنا اس امت پر واجب ہے کیونکہ خدا نے امت پر واجب کیا ہے کہ چور پر حد لگائیں اور اس کا ہاتھ کاٹیں۔ اسی طرح زانی کے سنگسار کرنے کا حکم بھی امت کو دیا گیا ہے اور اس پر اجماع قائم ہے کہ ہر ایک فردِ امت کو حد جاری کرنے کا حق نہیں۔ بلکہ حد جاری کرنے کا حق صرف امام کو حاصل ہے تو پس معلوم ہوا کہ امت پر واجب ہے کہ اپنے درمیان ایک امام مقرر کریں۔ ورنہ امت کو حدود کا حکم دینا بغیر امام کے تکلیف غیر مقدور ہے اور وہ محال ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ امت پر واجب ہے حدود کا قائم کرنا اور حدود کا قائم کرنا موقوف ہے تعین امام پر لہٰذا امت پر تعین امام واجب ہے گویا امت کو اقامت حدود کا امر بعینہٖ تعین امام کا امر ہے تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں۔

۱۔ آیت مجیدہ کی دلالت جس سے رازی کو بھی اتفاق ہے اس امر پر یقینی ہے کہ ہر زمانہ میں امام کا موجود ہونا ضروری ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ رازی کہتا ہے وہ ہمیں بنانا چاہیئے اور ہم کہتے ہیں یوں نہیں بلکہ یہ خدا کا کام ہے جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو اس نے امام بنایا ہے اور حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میرا عہد امامت ظالموں کو نہیں پہنچ سکتا اور اپنے مقام پر ثابت ہو چکا ہے کہ ہر گناہ ظلم ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ گناہ گار کو امامت نہیں مل سکتی اور بعض اہلسنت مفسرین نے بھی اس امر کا اعتراف کیا ہے اور ناممکن ہے کہ ہم ایسے شخص کو امامت کے لئے چن لیں جو گناہ گار واقعی نہ ہو کیونکہ ہم تو اس کو چنیں گے جو ظاہراً ہمیں نیک معلوم ہوتا ہوگا لیکن کیا معلوم وہ واقعاً گناہ گار ہو اور عند اللہ ظالم ہو۔ پس یہ انتخاب اللہ کے ہاتھ

میں ہے اور اس نے ہر زمانہ کے لئے امام نامزد فرما دیئے ہیں جو معصوم ہیں ۔ اور وہ آلِ محمدؐ ہیں ۔

۲۔ واجب کا مقدمہ واجب تب ہوتا ہے کہ پہلے موجود نہ ہو ۔ مثلاً کوٹھے پر چڑھنے کے لئے سیڑھی کا نصب کرنا واجب تب ہوگا کہ سیڑھی پہلے نصب شدہ نہ ہو جب ثابت ہوگیا کہ امامِ امّت خدا کی جانب سے نامزد ہو چکے ہیں تو پھر امّت پر دوبارہ نصب کرنے کا وجوب کیسے عائد ہوگا ۔ ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ عناد و تعصب کی پٹی آنکھوں پر اگر کوئی باندھ لے اور کہے کہ امام نصب نہیں ہوا اور یہی رٹ لگاتا رہے تو اس کا کوئی علاج ہی نہیں ورنہ خم غدیر کے ایک لاکھ چوبیس ہزار کے مجمع میں برسرِ عام حضرت رسالتمآبؐ نے امام کا اعلان فرمایا اور تمام کو سنایا اور فخر الدین رازی اس طرف سے آنکھیں بند کر کے کہتا پھرے کہ نہیں انہوں نے نہیں بنایا بلکہ ہم خود بنائیں گے تو بے شک بناتا پھرے کسی کو کوئی روک نہیں سکتا ۔

۳۔ ہر واجب کا مقدمہ واجب نہیں ہوتا بلکہ اس واجب کا مقدمہ واجب ہوتا ہے جو واجب مطلق ہو جیسے نماز وغیرہ لیکن اگر واجب مشروط ہو جیسے زکوٰۃ حج تو ان کا مقدمہ واجب نہیں کیوں کہ زکوٰۃ موقوف ہے نصاب پر اور نصاب کا حاصل کرنا ہم پر واجب نہیں اسی طرح حج موقوف ہے زادِ راہ کے وجود پر اور وہ ہم پر واجب نہیں اسی طرح اقامت حدود بھی واجب مشروط ہے کہ اگر امام ہو تو حدود واجب ہیں لیکن امام کی تعیین ہم پر واجب نہیں ہے ۔

۴۔ کسی شے کا امر اس کے موقوف علیہ کا امر اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ شے کا موقوف علیہ از قبیل اسباب ہو ۔ کیونکہ مسبب کا امر درحقیقت سبب کا امر ہوا کرتا ہے جس طرح آگ سبب ہے جلنے کا تو کسی شے کو جلانے کا امر درحقیقت آگ لگانے کا امر ہے اور سبب اسے کہتے ہیں جس کے پائے جانے کے بعد مسبب خواہ مخواہ پایا جائے ۔ پس اگر موقوف علیہ شے کا سبب نہ ہو بلکہ عام شرط ہو تو شے کا امر اس کا امر نہ ہوگا بلکہ وہ کسی اور دلیل کا محتاج ہوگا اور یہ بات واضح ہے کہ وجودِ امام اقامتِ حدود کے لئے سبب نہیں ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ امام بھی موجود ہو اور حدود بھی معطل ہوں جبکہ امام ظالمین کے تشدد میں مجبور ہو ۔ پس معلوم ہوا کہ امام کا وجود نصبِ حدود کے لئے شرط ہے سبب نہیں ۔ پس اقامت حدود کا امر نصب امام کا امر نہیں بن سکتا ۔

۵۔ اگر اس آیت مجیدہ سے یہ ثابت کیا جائے کہ اقامتِ حدود کا وجوب امام کے نصب کرنے کو واجب کرتا ہے تو پھر اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوگا کہ نبی کا نصب کرنا بھی امّت پر واجب ہے کیوں کہ قرآن کے احکام ابتداءِ اسلام سے قیامت تک سب مسلمانوں کے لئے یکساں ہیں ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کچھ مسلمانوں کے لئے نصبِ امام ہو کہ نبی علیہ السلام تھے خود خدا کرے اور باقیوں کو بغیر نصب امام کے چھوڑ دے اور اقامت حدود کا بھی حکم دے دے کہ امام خود بناتے پھرو ۔ تو گویا اسلام کے فرائض سابقہ مسلمانوں کے لئے کچھ اور تھے اور ہمارے لئے کچھ اور ہیں ۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے اور باطل ہے پس ثابت ہوا کہ جس طرح پہلے دور کے مسلمانوں کے لئے نصبِ امام اللہ نے کیا اور نبی بنا کر بھیجا جو اقامت حدود کرے تو اس کے بعد قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے بھی نصبِ امام خدا خود ہی کرے گا اور وہ امام جناب نبی علیہ السلام

کے قائم مقام ہوں گے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ہر زمانہ کا امام معصوم ہی ہوگا۔ ورنہ امت کے بعض افراد کی بعض پر ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی کہ دور اوّل کو تو خدا نے معصوم ہادی عطا فرمایا جو اقامت حدود اور باقی فیصلے اپنی عصمت کے پیش نظر صحیح اور بر محل کرتے تھے اور قیامت تک کے مسلمانوں کے ساتھ سوتیلی ماں کا سا سلوک کیا کہ ان کو بلا ہادی چھوڑ دیا تاکہ خود بنالیں یا ایسے ہادی ان کے حصے میں رکھ دیئے جو غیر معصوم تھے اور امت کو الٹی چھری کے ساتھ ذبح کرتے تھے۔ پھر تو عجیب وغریب ہوگئی اسلامی مساوات جب کہ اسلام کی بنیاد ہی ترجیح بلا مرجح پر ہوگئی تو کسی دوسرے حکم میں مساوات کا تلاش کرنا تو فضول محض ہی ہوگا۔ حالانکہ اسلام مساوات کا حامی ہے اور اس کے جملہ اصول وفروع میں مساوات ہے پس معلوم ہوا کہ ہر دور کا امام خدا کی جانب سے نامزد ہے اور وہ بھی نبی کی طرح معصوم اور پاک ہے جس طرح کہ دور اوّل کے لئے نبی خدا کی جانب سے نامزد تھا اور معصوم تھا۔

۶۔ آیت مجیدہ میں چور مرد یا عورت کے ہاتھ کاٹنے کا خطاب امت کے افراد کو ہے ہی نہیں بلکہ خطاب نبی وامام کی طرف متوجہ ہے پس نہ امت کو بالعموم خطاب ہے اور نہ مقدمہ کے وجوب کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح سلطان وقت حکم نافذ کرتے ہیں کہ مجرموں کو فلاں سزا دو تو اگرچہ خطاب عام ہوتا ہے لیکن درحقیقت سرکاری مجسٹریٹ ہی اس کے مخاطب ہوا کرتے ہیں

غیبت امام

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اقامت حدود ونظم امت اور حلال وحرام کی وضاحت نیز جملہ امور دینیہ کی انجام دہی کے لئے امام کا وجود ہر زمانہ میں ضروری ہے تو امام کی غیبت کے زمانہ میں وجودِ امام کا کیا فائدہ ہوگا۔

جواب جس وقت جناب رسالتمآب موجود تھے تو وہ صرف ایک مقام پر رہتے تھے۔ اطراف مملکت کے مسلمانوں سے تو غائب تھے وہ مسلمان جو مدینہ سے دور تھے اور جناب رسالتمآب تک رسائی نہ کرسکتے تھے ان کو وجودِ رسالت سے کیا فائدہ تھا؟ نیز جناب رسالتمآب پر بھی یہ واجب نہ تھا کہ ہر جگہ۔ ہر شہر دیار میں جاکر اپنے فرائض کی ادائیگی فرمائیں۔ جو جواب وہاں ہوگا غیبت امام میں ہمارا جواب بھی وہی ہوگا۔ اگر وہاں یہ کہا جائے کہ ان کی طرف سے نائبین سب کام کرتے تھے اور ان کی نیابت میں امور شرعیہ کی بجاآوری ہوا کرتی تھی۔ تو زمان غیبت میں امام غائب کے نائب ان کی نیابت میں امور شرعیہ دینیہ کی تکمیل اور بجاآوری کے ذمہ دار ہیں اور صاحب الزمانؑ کا فرمان ہے کہ حوادث واقعہ میں ہماری احادیث کے رواۃ کی طرف رجوع کرو۔ کیوں کہ وہ میری طرف سے تم پر حجت ہیں اور میں حجت خدا ہوں اور حضرت صادقؑ سے مروی ہے کہ جو شخص تم میں سے ہماری احادیث کا راوی ہو اور ہمارے حلال وحرام کو پہچانتا ہو تو اس کی حکومت پر راضی ہو جانا چاہیئے کہ میں نے اس کو تمہارا حاکم بنا دیا ہے (لوامع التنزیل)

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ

عذاب دے جسے چاہے اور بخشے جسے چاہے اور اللہ ہر شے پر قدرت والا ہے اے رسول

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ :- جسے چاہے عذاب دیتا ہے یعنی اس کا عذاب اور اس کی مغفرت اس کی مشیّت کے تابع ہے لیکن یہ خیال رہے کہ اس کی مشیّت عین مصلحت ہوا کرتی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ مطابق مصلحت مستحق جہنم ہوں گے ان کو جہنم بھیجے گا اور جو لوگ بمطابق مصلحت جنّت کے حقدار ہوں گے ان کو جنّت بھیجے گا اور ان کی لغزشیں معاف کر دے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ :- اس آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ یہود خیبر میں سے کسی بڑے گھر کے شادی شدہ مرد و عورت نے زنا کیا اور وہ ان کو سنگسار کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ پس یہود مدینہ کو انہوں نے پیغام بھیجا کہ جناب رسالتمآبؐ سے ان کی سزا دریافت کی جائے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ شاید اسلام میں کچھ تخفیف مل جائے اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ اگر تخفیفِ سزا کا حکم دیں تو قبول کر لینا ورنہ قبول نہ کرنا چنانچہ آیت مجیدہ میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ بہرکیف یہودِ مدینہ کے چند معتبر اشخاص مثلاً کعب بن اشرف کعب بن اسید اور کنانہ بن ابی الحقیق وغیرہ حاضر بارگاہِ رسالت ہوئے اور زنا محصن و محصنہ کی سزا دریافت کی اور آپ کے فیصلہ کو تسلیم کرنے کا عہد کیا۔ پس جبرئیل رجم یعنی سنگساری کا حکم لایا تو انہوں نے انکار کر دیا کیوں کہ ان کی پہلے سے سکیم ہی یہی تھی۔ پس جبرئیل نے حضورؐ سے کہا کہ آپ ابنِ صوریا کو فیصل مقرر کریں اور اس کا علیہ بھی بیان کیا تو حضورؐ نے ان سے فرمایا کیا تم سفید رنگ کے بے ریش نوجوان پہچانتے ہو جو یک چشم ہے اور فدک میں رہتا ہے جسے ابنِ صوریا کہتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! آپ نے فرمایا وہ کیسا آدمی ہے تو جواب دیا کہ اس وقت دنیا بھر کے یہودیوں میں وہ مسلّم طور پر اعلم ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو منگوالو چنانچہ وہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا میں تجھے خدائے واحد کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے تورات کو نازل فرمایا موسیٰؑ پر اور تمہارے لئے دریائے نیل کو چیرا اور تمہیں نجات دے کر فرعون کو مع لشکر کے غرق کیا نیز تمہارے اوپر بادل کا سایہ کیا اور من و سلویٰ نازل کیا۔ سچ بتا کہ تورات میں محصن یعنی شادی شدہ زنا کرنے والے کی سزا سنگساری ہے؟ تو اس نے مان لیا کہ ہاں ایسا ہی ہے لیکن فرمایئے آپ کی کتاب میں کس طرح ہے؟ آپ نے فرمایا جب چار عادل گواہ عینی شہادت دیں تو سنگساری کا حکم واجب ہے اس نے کہا کہ تورات میں بھی ایسا ہی ہے۔ آپ نے دریافت کیا کہ تم لوگوں نے یہ حکم کیسے تبدیل کر لیا تو اس نے جواب دیا کہ پہلے بڑے گھر کو چھوڑ کر غریبوں پر تورات کا قانون نافذ کیا جاتا رہا۔ ایک دفعہ بادشاہ کے چچازاد نے زنا کیا اور اسے چھوڑ دیا گیا اور ایک غریب نے کیا تو اسے سزا سنا دی گئی لیکن اس کی قوم بگڑ گئی اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ پہلے فلاں کو سزا دی جائے یعنی بادشاہ کے چچازاد کو پس مل جل کر مشورہ کر کے ایک نیا دستور بنا لیا جو بڑے چھوٹے سب پر عائد ہو اور وہ یہ کہ چالیس کوڑے مارے جائیں اور منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کر کے ان کا منہ پیچھے کو کیا جائے اور شہر میں تشہیر کیا جائے۔ اس پر موجودہ یہودی ابنِ صوریا

لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ

نہ محزون ہوں آپ ان پہ جو جلدی کرتے ہیں کفر میں ان لوگوں میں سے جو آمنا کہتے ہیں اپنے منہ سے

وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ

حالانکہ نہیں مومن ہوتے دل ان کے اور ان لوگوں میں سے جو یہودی ہیں سنتے ہیں جھوٹ کے لئے

پر سخت برہم ہوئے لیکن اس نے عذر پیش کیا کہ انہوں نے مجھے تورات کی قسم دی تھی۔ اس لئے میں حق گوئی پر مجبور ہو گیا۔ پس دونوں کو دروازہ مسجد کے نزدیک سنگسار کر دیا گیا اور اسی پر آیت اتری کہ اے اہل کتاب ہمارا نبی تمہاری بہت سی چھپائی ہوئی چیزوں کو ظاہر کرتا ہے اور بہت سی چیزوں سے درگذر بھی کر لیتا ہے جیسے رکوع ۳ ص۹ میں گذر چکا ہے پس ابن صوریا نے پوچھا کہ وہ کونسی چیزیں ہیں جن سے آپ نے درگذر فرمایا ہے؟ تو حضورؐ نے اس سے اعراض کر لیا تو اس نے پوچھا آپ کی نیند کیسی ہے؟ فرمایا آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا۔ اس نے کہا ٹھیک ہے پھر پوچھا بچہ بعض اوقات ماں کے مشابہ ہوتا ہے اور بعض اوقات بالکل باپ کے مشابہ ہوتا ہے یہ کیوں ہے؟ تو آپ نے فرمایا زن و مرد میں سے جس کا پانی پہلے آجائے بچہ اسی کی مثل ہو جایا کرتا ہے۔ اس نے کہا درست ہے پھر پوچھا بچے کے کون سے اعضاء پر باپ کا اثر ہوتا ہے اور کون سے اعضاء پہ ماں کا اثر ہوتا ہے تو فرمایا گوشت چربی، خون اور ناخن پہ ماں کا اور ہڈیوں رگوں، پٹھوں پہ باپ کا اثر ہوتا ہے اس نے کہا یہ بھی بجا ہے اور واقعی آپ نبی ہیں چنانچہ وہ اسلام لایا اور دریافت کیا کہ وحی کون فرشتہ لایا کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا جبرئیل تو اس نے کہا اس کی وصف بیان کیجئے تو آپ نے اس کے اوصاف بیان کئے۔ اس نے کہا واقعی تورات میں ایسا ہی ہے جب ابن صوریا مسلمان ہوا تو یہودیوں نے اس کو گالیاں دیں اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ پس بنو قریظہ نے بنو نضیر کا دامن پکڑ لیا اور عرض کی حضورؐ ہمارے درمیان ایک اور فیصلہ بھی کیجئے کہ ہم دونوں قبیلے ایک ہی باپ کی اولاد سے ہیں اور ایک ہی دین رکھتے ہیں لیکن جب یہ لوگ ہمارا آدمی قتل کریں تو قصاص نہیں دیتے بلکہ ستر وسق کھجور اس کا خونبہا ہمیں دیتے ہیں۔ لیکن جب ہم لوگ ان کا قتل کریں تو یہ قصاص بھی لیتے ہیں اور دوگنی دیت یعنی ایک سو چالیس وسق کھجور بھی لیتے ہیں اور ان کا مقتول عورت ہو تو ہم میں سے مرد کو قتل کرتے ہیں۔ اور مرد ہو تو ہم میں سے دو مردوں کو قتل کرتے ہیں اور عبد کے بدلہ میں ہم میں سے آزاد کو قتل کرتے ہیں پس رجم اور قصاص کی آیتیں نازل ہوئیں۔

قَالُوْٓا اٰمَنَّا :- یہ آیت صاف بتلاتی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ کے زمانہ میں آپ کے پاس بیٹھنے والوں میں سے ایسے لوگ بھی تھے جو منہ سے مومن تھے اور حقیقت میں کافر تھے گویا کہ منافق تھے۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ :- یعنی یہ لوگ آپ کی باتیں سنتے ہیں تاکہ جھوٹی باتیں بنا کر آپ کی طرف منسوب کریں۔

سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ

سُنتے ہیں اور لوگوں کے لئے جو آپ کے پاس نہیں آئے تبدیل کرتے ہیں کلام کو اپنے اپنے ٹھکانے سے

يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ

کہتے ہیں اگر دیئے جاؤ یہ تو لے لو اور اگر یہ نہ دیئے جاؤ تو بچو اور جس کو چاہے خدا عذاب

فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ

دینا تو آپ نہیں مالک اس کیلئے اللہ سے کچھ بھی یہ وہ لوگ ہیں کہ نہیں چاہتا خدا کہ ان کے دلوں کو

قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ ۖۚ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ

پاک کرے ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے سُنتے ہیں جھوٹ کیلئے کھاتے ہیں

سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ :- یعنی یہ مدینہ کے یہودی خیبر کے یہودیوں کے لئے آپ سے بات سُننے آئے ہیں اور ان کو ہدایت کی گئی ہے کہ اگر دیئے جاؤ یہ بات یعنی سنگساری کی بجائے کوڑوں کی سزا تو قبول کر لینا اور اگر یہ بات نہ دیئے جاؤ یعنی وہ بھی سنگساری کا حکم دیں تو نہ قبول کرنا اور چھوڑ دینا اور یہ حضورؐ کے لئے تسلی ہے کہ وہ آپ پر اگر ایمان نہ لائیں تو آپ محزون نہ ہوں کیونکہ وہ تورات کو جب توڑ مروڑ لیتے ہیں تو آپ کی باتوں کو توڑ مروڑ کرنا ان سے کیا بعید ہے۔

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ :- یعنی ان کے کرتوتوں کا خدا ان کو بدلہ دے گا اور وہ سزا ان کے اپنے اختیار بد کا نتیجہ ہی ہو گی پس جس کو سزا دینے کا خدا ارادہ رکھتا ہو تو آپ اس کو روک نہیں سکتے۔

اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ :- تفسیر صافی میں بہ تفسیر اہل بیت علیہم السلام سُحت مندرجہ ذیل چیزوں کو کہا گیا ہے۔ (۱) حکم میں رشوت (۲) مردار کی قیمت (۳) غیر شکاری کتے کی قیمت (۴) شراب کا پیسہ (۵) زنا کی اُجرت (۶) کاہن کی اُجرت یہ حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہیں (۷) جو چیز امام سے خیانت کر کے لی جائے (۸) مال یتیم اور اس کی مثل ہر مال (۹) سود (۱۰) ہر مسکر کی قیمت یہ حضرت باقر علیہ السلام سے مروی ہیں اور فرمایا کہ رشوت لینا تو کفر ہے (۱۱) حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا اگر کوئی شخص اپنے مومن بھائی کی کوئی حاجت روائی کرے اور پھر اس کا ہدیہ قبول کرے تو یہ سحت ہے۔ سحت کا اصلی معنی ہے تباہ و برباد کرنا کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص مسحوت المعدہ ہے یعنی اس کا معدہ خراب اور تباہ ہے پس وہ مال جو انسان کی مروت کو تباہ و برباد کرنے والا ہو تو اس کو سحت کہا گیا ہے اور لوامع التنزیل میں درمنثور سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے سحت کی تفسیر میں فرمایا رشوت فی الحکم زنا کی مزدوری۔ کتے کی قیمت۔ بندر کی قیمت۔ سور کی قیمت۔ شراب کی قیمت۔ مردار کی قیمت۔

لِلسُّحۡتِ فَاِنۡ جَآءُوۡكَ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ اَوۡ اَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ ۚ وَاِنۡ تُعۡرِضۡ

حرام اگر آپ کے پاس آئیں تو حکم کرو ان کے درمیان یا منہ پھیر لو ان سے اور اگر منہ پھیرو گے

عَنۡهُمۡ فَلَنۡ يَّضُرُّوۡكَ شَيۡــًٔا ؕ وَاِنۡ حَكَمۡتَ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

ان سے تو ہرگز نہیں نقصان دے سکتے آپ کو کچھ بھی اور اگر حکم کرو تو حکم کرو ان میں انصاف کا تحقیق اللہ دوست

يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ ۝۴۲ وَكَيۡفَ يُحَكِّمُوۡنَكَ وَعِنۡدَهُمُ التَّوۡرٰىةُ فِيۡهَا حُكۡمُ اللّٰهِ ثُمَّ

رکھتا ہے انصاف والوں کو اور کس طرح آپ کو یہ لوگ حاکم مانیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات اس میں اللہ کا حکم ہے پھر

خون کی قیمت۔ نر حیوان کو مادہ حیوان سے ملانے کی اُجرت رونے والیوں کی اُجرت، گانے والیوں کی اُجرت، کاہن جادوگر اور قیافہ شناس کی اُجرت، درندوں اور مردہ جانوروں کے چمڑوں کی قیمت لیکن اگر رنگے جائیں تو کوئی حرج نہیں (مذہب امامیہ میں رنگے نہ رنگے سب برابر ہیں اور ان کی قیمت حرام ہے) بت بنانے کی اُجرت سفارش کرنے کا ہدیہ جہاد میں جانے کیلئے مال مقررہ یہ سب سحت ہیں ان کا کھانا حرام ہے اور تفسیر کبیر میں اس کے معنی کی تین وجہیں مذکور ہیں (۱) بنی اسرائیل کے حاکموں اور افسروں کا یہ دستور تھا کہ ان کے پاس اگر کوئی جھوٹے دعوے والا بھی رشوت لے کر آتا تھا تو وہ اسی کی ہی سنتے تھے اور اس کے مقابل والا اگرچہ حق بجانب ہی ہوتا تھا تاہم اس کی کوئی شنوائی نہ تھی پس آیت کا یہی معنی ہے کہ جھوٹ کی سنتے ہیں اور رشوت کھاتے ہیں (خدا رحم کرے آجکل کے مسلمان افسر تو ان یہودیوں کو بھی مات کر چکے ہیں اور غالباً ان کے مظالم سُن کر تو ان یہودیوں کی رُوح بھی تڑپ جائے گی جن کی قرآن مجید مذمت فرما رہا ہے۔ سُننے میں تو ایسا ہی آیا ہے کہ موجودہ دَور کے افسر دونوں طرف سے لیتے رہے ہیں اور معاملہ کو طول دیئے جاتے ہیں بالآخر دونوں میں سے جس کے پیسے بڑھ جائیں گے اس کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا یا کسی کی سفارش چل گئی تو وہ جیت گیا اور اگر دیکھا کہ ترجیح کسی جانب کو نہیں تو تبادلہ کرا کے چل دیئے اور وہ اپنا سر دھنتے رہ گئے)

۲۔ غریب لوگ امراء طبقہ سے وظائف لیا کرتے تھے اور یہودیت پر صرف اسی لالچ کی خاطر باقی رہ رہے تھے پس ان کی جھوٹی باتیں سُنیں اور پیسہ کھایا۔

۳۔ نبی علیہ السلام کے متعلق جھوٹی باتیں جو وہ تورات کی طرف منسوب کرتے تھے، سنتے تھے اور سود کھاتے تھے۔

فَاِنۡ جَآءُوۡكَ: مقصد یہ ہے کہ ان کے درمیان حکم کرو یا ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دو، آپ کے اختیار میں ہے جو مناسب ہو کرو۔

فِيۡهَا حُكۡمُ اللّٰهِ: یہ یہودیوں کی تنبیہ کے لئے ہے کہ یہ لوگ ایمانداری کے لئے آپ کے پاس نہیں آتے۔ ورنہ جب یہ لوگ تورات کو کتاب خدا جانتے ہیں اور اس میں یہ حکم موجود ہے پس اگر ایماندار ہوتے تو اس سے کیوں منہ پھیرتے اور یہ یہودی

يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ وَمَا أُولٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٣﴾ إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ

روگردانی کرتے ہیں اس کے بعد اور یہ لوگ ایماندار نہیں ہیں ہم نے اتارا توراۃ کو

فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا

اس میں ہدایت اور نور تھا اس سے حکم کرتے تھے نبی جو تابع حکم تھے ان پر جو یہودی تھے

وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ۚ

اور خدا پرست علماء ساتھ اس کے کہ امین و محافظ کیا گیا ان کو کتاب خدا کا اور تھے وہ اس پر گواہ

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ

پس نہ ڈرو لوگوں سے اور ڈرو مجھ سے اور نہ خریدو میری آیات کے بدلے ثمن قلیل اور جو نہ حکم کرے

کے الزام کے لئے ہے لہٰذا اس فقرہ سے یہ نہیں ثابت کیا جا سکتا کہ توراۃ میں تحریف نہیں ہوئی۔

رکوع نمبر ۱۱

هُدًى وَّنُورٌ :- ہدایت سے مراد وہ حکم ہے جو یہودی لوگ دریافت کرنے آئے تھے اور نور سے مراد قرآن نبوی کی صداقت ہے قرآن کریم کا یہ خبر دینا کہ توراۃ میں بھی یہ حکم موجود ہے جناب رسالتمآبؐ کی صداقت و نبوت کا ظاہر و باہر اعجاز تھا جس کو یہودی اپنے اپنے مقام پر تسلیم کر گئے کیونکہ انہیں یہ معلوم تھا کہ حضورؐ نے کسی سے توراۃ پڑھی نہیں اور باوجود اس کے پھر توراۃ کا صحیح فیصلہ بتانا ان کی نبوّت کی اٹل دلیل ہے۔

يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ :- کہتے ہیں اس سے مراد وہ انبیاء ہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے درمیان کے زمانہ میں تھے اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے اور توراۃ کے مبلغ تھے (مجمع البیان)

وَالرَّبَّانِيُّونَ :- اس کا نبیّون پر عطف ہے یعنی نبیوں کے بعد ربانی اور احبار بھی توراۃ کا حکم کرتے ہیں اور اسی کے مبلغ ہیں۔ ربّانی کے معنی میں کئی قول ہیں (۱) عارف (۲) دین خدا سے تمسک رکھنے والا (۳) لوگوں کا مدبر و مصلح (۴) فقیہ مبلغ و واعظ (۵) علم و عمل میں کامل (۶) علم لدنی رکھنے والا۔

وَلَا تَشْتَرُوا :- یہودی علماء عوضانہ لے کر توراۃ کے احکام میں تغیّر و تبدل کیا کرتے تھے تو انہی کو تنبیہ فرماتا ہے کہ ایسا نہ کرو اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ زیادہ پیسے لیا کرو اور تھوڑے پیسے نہ لو۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ تمام دنیا و مافیہا حکم خداوندی

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَکَتَبْنَا عَلَیْھِمْ فِیْھَآ اَنَّ

ساتھ اس کے جو اللہ نے اتارا تو وہ ہیں کافر اور ہم نے فرض کیا ان پر اس میں تحقیق

النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ

جان بدلے جان کے آنکھ بدلے آنکھ کے اور ناک بدلے ناک کے اور کان بدلے کان کے

کے مقابلہ میں ہیچ ہے پس اس ہیچ و پوچ چیز کو حکم خدا کی قیمت نہ بناؤ اور اپنی عاقبت کو محفوظ رکھو۔ لوامع التنزیل میں قصص الحکماء سے نقل کیا ہے کہ شیخ جعفر اوّل اعلی اللہ مقامہٗ نہایت تنگدستی کے عالم میں تھے تو جب کوئی مسئلہ پوچھنے والا آتا تھا تو فرماتے تھے اگر زبانی پوچھنا ہے تو جواب یہ ہے لیکن اگر لکھوانا ہے تو میں لکھائی کی اُجرت لوں گا ورنہ کسی اور سے لکھوالو

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ :۔ تفسیر صافی میں صادقین علیہما السلام سے بروایت کافی منقول ہے کہ جو شخص دو درہموں کے متعلق بھی خدا کے نازل کردہ حکم کے خلاف فیصلہ کرے گا جس کے پاس حکومت کی لاٹھی اور تازیانہ ہو تو گویا شریعت محمدیہ کا اس نے کفر کیا۔

واقعہ :۔ مدینہ میں رہنے والے یہودیوں کے دو گروہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کی آپس میں چپقلش رہتی تھی۔ بنو قریظہ کی تعداد سات سو اور بنو نضیر کی تعداد ایک ہزار تھی اور ان کی مالی حالت بھی اچھی تھی اور ہر اعتبار سے بنو قریظہ کے ساتھ ناانصافی برتتے تھے اور لڑائی لے دے کے بعد ان کا آپس میں معاہدہ یہ ہوا تھا کہ اگر بنو قریظہ کا کوئی شخص بنو نضیر کے ہاتھوں مارا جائے تو قاتل بدلہ میں قتل نہ ہوگا۔ بلکہ اس کا منہ کالا کرکے اونٹ پر سوار کیا جائے گا اور اس کا منہ پیچھے کو کرکے شہر میں پھرایا جائے گا اور نصف خون بہا بھی اس سے وصول کیا جائے گا لیکن اگر بنی نضیر کا کوئی آدمی قتل ہوگا تو قاتل سے خون بہا بھی پورا لیا جائے گا اور اس کو بدلہ میں قتل بھی کیا جائے گا۔ جب حضورؐ ہجرت کرکے وہاں پہنچے اور قبیلہ اوس و خزرج مسلمان ہو گئے تو یہودیوں کی طاقت کمزور ہو گئی۔ پس بنو نضیر کا ایک آدمی بنو قریظہ کے ہاتھوں قتل ہو گیا اور بنو نضیر نے بنو قریظہ سے خون بہا اور قاتل سے قصاص دونوں چیزوں کا مطالبہ کیا لیکن بنو قریظہ نے انکار کیا اور اس میں جناب رسالتمآبؐ کو فیصل مقرر کر دیا۔ بنو نضیر نے عبداللہ بن ابی کو کہا کہ حضورؐ سے یہ خواہش کی جائے کہ وہ ہمارے باہمی معاہدے کی رعایت کریں۔ اس نے جواب دیا کہ میں سفارش کروں گا اگر وہ مان گئے تو ٹھیک ورنہ تم ان کا فیصلہ نہ ماننا۔ پس عبداللہ بن ابی نے اگر یہودیوں کے باہمی معاہدہ کا تذکرہ کیا کہ اب بنو قریظہ اسے توڑنا چاہتے ہیں لہٰذا آپ کو چاہیے کہ بنو نضیر کی رعایت کریں کیوں کہ وہ لوگ تعداد میں زیادہ ہیں اور ان سے ہمیں خطرہ ہے نیز آپ خاموش ہوئے اور جبرئیل یہ آیت لے آئے جو لَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ سے شروع ہوتی ہیں۔ پس آپ نے صاف صاف حکم سنا دیا اور دُرِّ منثور میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا قرظی اور نضیری کا خون برابر ہے

وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ

دانت بدلے دانت کے اور زخموں میں (بدلہ) برابر پس جس نے بخش دیا تو وہ کفارہ ہوا اس کا اور جو

لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ

نہ حکم کرے ساتھ اس کے جو اتارا اللہ نے پس وہ ہیں ظالم اور بھیجا ہم نے ان کے پیچھے

بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ

عیسٰی بن مریم کو جو تصدیق کرنے والا تھا اس کی جو ان کے پاس ہے یعنی تورات اور ہم نے دی

الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ

اس کو انجیل اس میں ہدایت اور نور ہے اور تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو اس سے پہلے ہے یعنی تورات

وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ ؕ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور ہدایت وموعظہ متقیوں کے لئے اور حکم کرنا چاہیئے صاحبانِ انجیل کو جو اتارا ہے اللہ نے

ایک کے بدلہ میں ایک ہی ہوگا تو بنونضیر آپ سے برہم ہو کر چلے گئے۔

فَمَنْ تَصَدَّقَ:۔ صافی میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جسقدر اپنے زخم کا بدلہ معاف کریگا اسی قدر اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ یعنی اگر چوتھائی معاف کرے گا تو چوتھائی گناہ معاف اور اگر نصف معاف کرے گا تو نصف گناہ معاف اور اگر پورا معاف کرے گا تو سارے گناہ معاف۔ بہرکیف ــــــ جُرم معاف کر دینے کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

مُصَدِّقًا:۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصدقاً ایک ہی آیت میں دو دفعہ استعمال ہوا ہے اور تکرار کلام فصحاء میں معیوب ہوا کرتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تکرار تب لازم آتا اگر معنی ایک ہوتا لیکن یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ پہلے مقام پر اس کا ذوالحال عیسٰی ہے اور دوسرے مقام پر ذوالحال انجیل ہے۔ معنی یہ ہے کہ ہم نے اور نبیوں کے بعد حضرت عیسٰیؑ کو بھیجا جو کہ تورات کی تصدیق کرنے والے تھے اور اس کو کتاب انجیل بھی دی جس میں تورات کی تصدیق تھی۔

هُدًى وَّنُوْرٌ:۔ نور سے مراد احکام خداوندی ہیں اور نور اس لئے کہا گیا کہ ان پر عمل کرنے سے انسان کی عاقبت روشن ہوگی۔

هُدًى وَّمَوْعِظَةٌ:۔ یہاں ہدیٰ سے مراد ہے ہادی یعنی فاعل کے معنی میں استعمال ہے اور پہلے مقام پر مصدر کے معنی میں استعمال تھا اور متقیوں کی تخصیص اس لئے ہے کہ صرف وہی فائدہ اٹھایا کرتے ہیں۔

فِيهِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ

اس میں اور جو نہ حکم کرے ساتھ اس کے جو اُتارا اللہ نے تو پس ہیں وہ فاسق اور ہم نے اتاری

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ

تم پر کتاب سچی جو تصدیق کرنے والی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی اور امین ہے ان پر

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ

پس حکم کرو ان کے درمیان جو اتارا اللہ نے . اور پیچھے نہ لگو ان کی خواہشوں کے چھوڑ کر اس کو جو آیا تیرے

وَلْيَحْكُمْ :۔ یہاں اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ انجیل منسوخ نہیں کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ انجیل والوں کو انجیل کے حکم بیان کرنے چاہئیں اگر منسوخ ہوتی تو اس کے احکام کو خدا کیوں نافذ فرماتا ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مقام پر حکایت قول ہے یعنی جب ہم نے ان کو انجیل دی تھی تو ہم نے یہ حکم بھی ساتھ ساتھ دیا تھا کہ اے انجیل والو لوگوں تک انجیل کے صحیح احکام پہنچانا اور اس وقت انجیل کے حکم ہی رائج و نافذ تھے۔

رلطِ بیان :۔ خداوند کریم نے مسلمانوں کو ایفائے عہد کی تلقین اور تاکید کر کے پھر درمیان میں یہود و نصاریٰ کے تذکرے شروع کر دیئے۔ ان میں محض جناب رسالتمآبؐ کو تسلی دینا مقصود ہے کہ اگر منافق لوگ کفر کی طرف جلد بازی کریں یا یہودی اور نصرانی آپ کی بات نہ مانیں تو آپ کو غمزدہ نہ ہونا چاہیے اور نیز یہ بھی کہ جس طرح یہودی تورات کو ماننے کے باوجود تورات کی اور حضرت موسیٰؑ کے احکام کی مخالفت کرتے ہیں اور اسی طرح نصرانی انجیل کو ماننے کے باوجود انجیل اور حضرت عیسیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں تو اگر آپ کی امت قرآن کو مان کر آپ کی ہدایات پر عمل نہ کرے تو یہ نئی بات نہیں ہو گی۔ لہذا آپ کو اس بارہ میں تشویش نہیں لاحق ہونی چاہیے

تنبیہ :۔ ایک مقام پر جو لوگ خدا کے نازل کردہ احکام کے خلاف حکم کریں۔ ان کو کافر کہا گیا ہے اور دوسری جگہ ظالم اور تیسرے مقام پر فاسق کہا گیا ہے تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں کفر سے بھی مراد فسق ہے اور تینوں لفظیں ایک معنی کیلئے مستعمل ہیں

وَأَنْزَلْنَا :۔ حضرت رسالتمآبؐ کی نبوت کا اعلان فرمایا تاکہ یہود و نصاریٰ اپنے مقام پر فکر کریں اور سوچیں کہ ان کی نبوّت کا بھی وہی انداز ہے جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی نبوّت کا تھا اور ان کی کتاب ان کی کتابوں کی مصدق بھی ہے اور یہ طریقہ تبلیغ مخالف کو منوانے کے لئے زیادہ مناسب و موزوں ہے۔

مِنَ الْكِتٰبِ :۔ یہاں کتاب پر الف ولام جنس کا ہے اور مراد سابقہ انبیاء پر نازل ہونے والی کتابیں ہیں۔

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ :۔ ہمزہ کو ہاء سے تبدیل کیا گیا ہے جس طرح اَرَاقَ سے ہَرَاقَ یُہَرِیْقُ بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح اٰمَنَ یُؤَمِّنُ سے ھَیْمَنَ یُھَیْمِنُ فَھُوَ مُھَیْمِنٌ الی آخر بنایا گیا ہے اور اس کا معنی شاہد والی مومن۔ حافظ و نگہبان۔ امین اور

الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً

پاس حق ہر ایک کے لئے تم میں سے ہم نے بنائی شریعت اور راستہ اور اگر چاہتا اللہ تو کرتا تم کو ایک امت

وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ

لیکن تم کو آزماتا ہے اس میں جو تمہیں اس نے دیا پس بڑھو نیکیوں کی طرف اللہ کی طرف ہے

حاکم وقاضی باختلاف، اقوال مفسرین کیا گیا ہے۔

سوال:۔ جب قرآن پچھلی کتابوں کا مصدق ہے تو پھر وہ منسوخ کیسے ہیں؟ بلکہ قرآن کی تصدیق کے پیش نظر وہ قابل عمل ہیں

جواب:۔ قرآن مجید ان کتابوں کا صرف اس حد تک مصدق ہے کہ وہ اللہ نے نازل کیں اور پھر قرآن مجید یہ بھی کہتا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے ان میں رد و بدل کر کے اپنی طرف سے بھی کچھ مطالب گھسیڑ دیئے چنانچہ جا بجا قرآن نے ان کی تحریف کی مذمت فرمائی ہے۔ ہاں جب تک تحریف نہ تھی تو وہ واجب العمل تھیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تحریف کے بعد بھی وہ عمل ہوں پس قرآن میں ان کی تصدیق ان کی حقیقی پوزیشن کے ماتحت ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ قرآن مجید نے تورات و انجیل کے تمام احکام منسوخ کر دیئے ہوں، بلکہ مصلحت کے ماتحت جن احکام کے نسخ کی ضرورت ہوئی وہ منسوخ ہوئے اور باقی کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا گیا کیونکہ دین فطرت جو اسلام ہے وہ حضرت آدمؑ سے چلا آ رہا ہے اور ہر صاحب شریعت کے دور میں فروعی طور پر مصلحت وقتی کے ماتحت بعض احکام میں تغیر ہوتا آیا ہے چنانچہ اس سے پچھلی آیات میں قصاص کے احکام کے متعلق صاف فرمایا ہے کہ تورات میں ہم نے یہ احکام نازل کئے تھے اور قرآن نے ان کو منسوخ نہیں کیا۔ اسی لئے زنا کے لئے سنگساری کا حکم تورات میں بھی تھا اور اسلام میں بھی ہے اور منسوخ نہیں ہوا۔ پس تورات و انجیل کے وہ احکام جو قرآن نے منسوخ نہیں کئے وہ واجب العمل ہیں لیکن نہ اس لئے کہ وہ تورات و انجیل کے احکام ہیں بلکہ اس لئے کہ قرآن نے ان پر عمل کا حکم صادر فرمایا ہے اور موجودہ دور میں رائج شدہ تورات و انجیل کے احکام سب مشکوک ہیں کیونکہ قرآن نے ان کی تحریف کی خبر دی ہے پس ہر حکم کے متعلق تحریف کا شبہ ہو سکتا ہے۔ سوائے چند ان احکام کے جن کی قرآن نے تصدیق کی ہو پس ثابت ہوا کہ قرآن کی تصدیق ان کتابوں کے واجب العمل ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا:۔ یعنی ہر نبی کے لئے ہم نے جدا جدا شریعت مقرر کی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اصل دین اسلام اگرچہ ایک ہے لیکن فروعی اختلاف کے ماتحت ہر صاحب شریعت پیغمبر کا منہاج و طریقہ الگ الگ ہے اس میں ایک مصلحت تو یہ ہے کہ وقتی تقاضاؤں کے ماتحت بعض جزوی تغیرات کا داخل کرنا ناگزیر تھا اور دوسری مصلحت خود ذکر فرما رہا ہے اور وہ لِيَبْلُوَكُمْ یعنی تاکہ تمہیں آزمائے۔ پس اس جزوی اختلاف کے باوجود سب کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا نام ہے اطاعت تو اس فقرہ

مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۴۸﴾ وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ

تمہاری بازگشت سب کی پس وہ خبر دے گا تمہیں ساتھ اس کے جس میں تم کو اختلاف ہے اور یہ کہ حکم کرو ان کے درمیان

بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ

جو اتارا اللہ نے اور نہ پیچھے لگو ان کی خواہشوں کے اور بچو ان سے کہ (مبادا) بہکا دیں تمہیں بعض ان

بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ

چیزوں سے جو اُتاریں اللہ نے آپ پر پس اگر منہ پھیریں تو سمجھ لو کہ یہی چاہا ہے اللہ نے

کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کی ان میں سے شریعت جُدا تھی۔ حضرت عیسیٰؑ حضرت موسیٰؑ کی شریعت پر عامل نہیں تھے اور اگر بعض احکام میں حضرت موسیٰؑ کے موافق تھے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وُہ حضرت موسیٰؑ کے تابع تھے بلکہ ان پر اس حیثیت سے عامل تھے کہ وہ انجیل میں موجود تھے۔ اسی طرح حضرت رسالتمآبؐ کی شریعت ان دونوں سے الگ ہے اور اگر بعض احکام اسلامی تورات وانجیل کے موافق ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام اُن کے تابع ہے بلکہ ہم تو ان کو اس لئے مانتے اور عمل کرنا واجب جانتے ہیں کہ وہ قرآن کی فرمائشات ہیں۔ پس اس مقام پر پہلے حضرت موسیٰؑ کا ذکر، پھر حضرت عیسیٰؑ کا ذکر اور آخر میں حضرت رسالتمآبؐ کا ذکر کرنا اور ہر ایک کو جُدا جُدا کتاب کے عطا کرنے کا احسان جتلانا اور پھر ہر بعد والے کو پہلے کا مصدق کہنا اس وہم کا موجب تھا کہ شاید ان میں سے کسی نبی کی شریعت بھی دوسرے کی شریعت کی ناسخ نہیں بلکہ سب واجب العمل ہیں تو اس آخری فقرے سے اس وہم کو دُور کر دیا کہ مذہب وشریعت جدا جدا ہیں اور یہ اختلاف تمہاری آزمائش کے لئے ہے پس موسیٰؑ کی شریعت حضرت عیسیٰؑ کے وقت تک اور وہ حضرت رسالتمآبؐ کے وقت تک ہی واجب العمل تھی اور بس۔

وَاَنِ احْكُمْ ۔ اس سے پہلی آیت میں بھی فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کو کتاب دی جو پہلی کتابوں کی مصدق و مہیمن ہے تاکہ آپ حکم کریں۔ ان کے درمیان جو خدا نے نازل فرمایا اور اس آیت میں پھر انہی لفظوں کو دھرا دیا گیا ہے اس کی وجہ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہودی حضورؐ کے ہاں دُو مقدمے لے کر آئے تھے ایک خیبر کے دو زن و مرد کے زنا کا اور دوسرا بنو قریظہ اور بنو نضیر کے باہمی جھگڑے کا جیسا کہ بیان کئے جا چکے ہیں۔ پس یہاں ایک حکم کا تعلق ایک قصہ سے ہے اور دوسرے حکم کا تعلق دوسرے قصہ سے ہے۔

وَاحْذَرْهُمْ ۔ خطاب اگرچہ جناب رسالتمآبؐ سے ہے لیکن مراد تمام امت ہے کیونکہ حضورؐ تو ان کی باتوں سے پھسل نہیں سکتے تھے البتہ امت کے پھسلنے کا احتمال تھا اور ان کی چالاکیوں اور مکاریوں کی اہمیت کے پیشِ نظر خطاب کا رُخ حضورؐ کی طرف رکھا تاکہ مسلمان اچھی طرح ہوشیار رہیں اور ان کے دامِ تزویر میں نہ پھنسیں۔

اَنْ یُّصِیْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

کہ سزا دے ان کو اپنے بعض گناہوں کی اور تحقیق بہت سے لوگ فاسق ہیں

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِیَّةِ یَبْغُوْنَ ؕ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور کون ہے زیادہ بہتر اللہ سے فیصلہ کرنے میں واسطے اس قوم کے جو یقین رکھتی ہو

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ ۘؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ

اے ایمان والو نہ بناؤ یہودیوں اور نصرانیوں کو دوست وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو دوست بنائے گا ان کو

اَنْ یُّصِیْبَهُمْ :- اس سزا سے شاید مراد بنو نضیر کی جلاوطنی ہو کہ جب ان کے سرداروں نے ازراہِ سرکشی حق سے منہ موڑا اور سچ کو چھپایا تو خدا نے ان کو یہ عذاب چکھایا اور بنو قریظہ کو اپنی سرکشی اور سرتابی کی سزا قتل سے ملی۔

وَ اِنَّ كَثِیْرًا :- یہ پھر حضورؐ کی تسلی کے لئے ہے کہ باوجود دلائل و براہین کے ان کی سرکشی و سرتابی سے آپ نہ گھبرائیں بلکہ ہمیشہ لوگوں کی اکثریت فاسق ہی رہا کرتی ہے۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِیَّةِ :- حضرت امیر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حکم دو ہیں۔ ایک اللہ کا حکم اور دوسرا جاہلیت کا حکم پس جو حکم خدا سے گریز کرے گویا وہ حکم جاہلیت کا خواہاں ہے اور یہودیوں نے بھی حضورؐ کے حکم کو ٹھکرایا تھا۔ پس یہ خطاب ان کے لئے بھی ہے اور قیامت تک کے تمام ان لوگوں پر جاری ہے جو خدا کے حکم سے اعراض کریں۔

رکوع نمبر ۱۲ :- یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا :- بعض مسلمانوں کی یہودیوں کے ساتھ دوستیاں تھیں۔ چنانچہ جب جنگِ بدر فتح ہوا تو مسلمانوں نے اپنے بعض دوست یہودیوں سے کہا کہ تم مسلمان ہو جاؤ ورنہ کبھی تمہاری بھی باری آجائے گی تو انہوں نے جواب دیا کہ ناتجربہ کاروں سے تمہیں واسطہ پڑا ہے اگر ہمارے ساتھ مقابلہ ہوگا تو تمہاری بھی ہوش ٹھکانے ہو جائے گی۔ اس پر عبداللہ بن صامت خزرجی نے یہودیوں کی دوستی سے بیزاری کا اعلان کر دیا لیکن عبداللہ بن ابی نے کہا میں تو ان کی دوستی سے بیزار نہیں ہوں۔ مبادا کبھی معاملہ برعکس بھی ہو جائے تو پھر کوئی ٹھکانہ تو ہو۔

اور تفاسیر میں یہ بھی مروی ہے کہ احد کے دن جب مسلمانوں پر معاملہ سخت ہوا تو ایک مسلمان نے کہا اگر معاملہ خراب ہوا تو میں فلاں یہودی کے پاس جا کر امان لوں گا اور دوسرے نے کہا کہ میں فلاں نصرانی کے پاس شام چلا جاؤں گا لیکن یہ دونوں کون تھے تو لوامع التنزیل میں تفسیر سدی سے منقول ہے کہ پہلا شخص حضرت عثمان تھا اور دوسرا حضرت طلحہ تھا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی کہ تمہیں یہود و نصاریٰ سے محبت کے روابط قائم نہیں کرنے چاہئیں بلکہ ان سے نفرت کرو اور آپس میں محبت رکھو۔

بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ :- وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں یعنی اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ کفر سب ایک ہی ملت ہے۔

وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ :- یہ حکم بہت سخت ہے کہ جو شخص ان سے محبت کرے گا وہ ان میں ہی شمار ہوگا۔ اسی بنا پر

مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ

تم میں سے پس وہ انہی سے ہوگا تحقیق اللہ نہیں ہدایت کرتا ظلم کرنے والوں کو پس دیکھو گے ان کو جن کے

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ

دل میں بیماری ہے جلدی گھستے ہیں ان میں کہتے ہیں ہمیں ڈر ہے کہ آ جائے ہمیں انقلاب

فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا

تو شاید اللہ بھیج دے فتح یا فیصلہ اپنا پس ہوں گے اس بات پر جو چھپائی ہے

تفسیر صافی میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو آلِ محمدؐ سے محبت رکھے گا اور ان کو غیروں سے افضل سمجھے گا تو وہ ان میں ہی شمار ہوگا جس طرح حضرت ابراہیم نے کہا تھا فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ یعنی جو میرا تابع ہے وہ مجھ سے ہی ہے۔

مومن کی مومن سے محبّت کا ثواب

جامع الاخبار میں جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے قیامت کے روز نور کے منبر ہوں گے اور ان پر نورانی چہروں اور نورانی لباسوں والے لوگ ہوں گے جو نبی نہ ہوں گے لیکن نبیؐ اور شہید ان کے درجہ پر رشک کریں گے تو دریافت کرنے پر آپ نے بتایا کہ وہ وہی لوگ ہوں گے جو اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے میل جول رکھتے ہوں گے اور ایک دوسرے کی زیارت کو جاتے ہوں گے۔ نیز حضرت موسیٰؑ کو وحی ہوئی کہ تو نے کبھی کوئی عمل میرے لئے بھی کیا ہے تو عرض کی اے پروردگار! نماز روزہ صدقہ ذکر سب تیرے لئے ہی ہے ارشاد ہوا نماز تیرے لئے دلیل۔ روزہ تیری ڈھال۔ صدقہ تیرے لئے سایہ اور ذکر تیرے لئے نور ہے پھر میرے لئے کونسا عمل ہے؟ پس لاجواب ہو کر عرض گذار ہوئے کہ تو ہی فرما دے تو ارشاد ہوا۔ اے موسیٰؑ میرے دوست سے دوستی اور میرے دشمن سے دشمنی کرو تو حضرت موسیٰؑ کو معلوم ہوا کہ تمام اعمال سے افضل عمل اللہ کی راہ میں اس کے دوستوں سے تولّا اور اس کے دشمنوں سے تبرّا کرنا ہے۔ اسی لئے خدا دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے کہ کوئی قوم ایسی نہیں پاؤ گے کہ خدا اور روزِ جزا پر ایمان رکھتی ہو اور پھر خدا و رسولؐ کے دشمنوں سے دوستی بھی رکھتی ہو اور یہ قطعاً ہو ہی نہیں سکتا خواہ وہ دشمنانِ خدا و رسولؐ ان کے سگے باپ بھائی یا قبیلہ کے ہی کیوں نہ ہوں۔

فَتَرَى الَّذِيْنَ :- عبداللہ بن صامت خزرجی کے مقابلہ میں عبداللہ ابن ابی نے جو بات کہی تھی اس کو دھرایا جا رہا ہے اور اسی کی ہی مذمت ہے۔

بِالْفَتْحِ :- فتح کا معنی فتح مکہ یا عمومی فتح یا قضائے فیصل باختلاف رائے مفسرین ہو سکتا ہے۔

اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ :- اس میں بھی کئی خیالات ہیں۔ ۱۔ مومنوں کا اعزاز اور کافروں کی رسوائی ۲۔ یہودیوں کا قتل یا ان کی جلاوطنی ۳۔ ان کی اپنی موت۔

فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا

دلوں میں پشیمان اور کہتے ہیں وہ جو ایمان لائے ہیں کیا یہ وہی ہیں جو قسمیں کھاتے ہیں

بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا

اللہ کی پکی قسمیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ضائع ہوئے ان کے اعمال پس وہ ہو گئے

خٰسِرِيْنَ ﴿٥٣﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ

خسارہ پانے والے اے ایمان والو! جو مرتد ہو جائے تم میں اپنے دین سے پس عنقریب

يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ

لائے گا اللہ ایسی قوم کو کہ ان کو محبوب رکھتے گا اور وہ اس کو محبوب رکھیں گے نرم ہوں گے مومنوں پر سخت ہونگے

نٰدِمِيْنَ :۔ دونوں ندامتیں مراد ہو سکتی ہیں۔ ایک مسلمان کی ظاہری فتح سے دنیا میں ندامت اور دوسری بروز قیامت اپنا جہنم کا عذاب دائمی اور مومنوں کے لئے درجات جنت دیکھ کر ندامت

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ :۔ یعنی منافقوں کا یہ رویہ دیکھ کر تعجب کے مارے مومن کہنے لگے تھے کہ یہ تو وہ لوگ ہیں جو بڑی قسمیں کھاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں لیکن درحقیقت منافق تھے پس وہ دنیا میں خسارہ میں رہے کہ ان کو منافق سمجھا گیا۔ نہ ان پر مسلمانوں کو اعتماد رہا اور نہ کافروں کو اور قیامت کا خسارہ تو ظاہر ہے۔

مَنْ يَّرْتَدَّ :۔ اس شرط کی جزا محذوف ہے یعنی اگر کوئی مرتد ہو گا تو مجھے کوئی نقصان نہیں ہے بلکہ وہ نقصان اس کو ہی ہو گا تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ یہ خطاب اصحاب پیغمبر کو ہے جنہوں نے آل محمدؐ کے حقوق غصب کئے اور دین سے مرتد ہو گئے۔

فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ :۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے جناب رسالتمآبؐ سے اس کا معنی دریافت کیا گیا تو آپ نے سلمان کے کندھے پر ہاتھ مارا اور فرمایا یہ اور اس کے ساتھی مراد ہیں۔ پھر فرمایا۔ لَوْ كَانَ الدِّيْنُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَتَنَاوَلَهٗ رِجَالٌ مِّنْ اَبْنَاءِ فَارِسَ۔ کہ اگر دین ثریا پہ لٹکا دیا جائے تب بھی اس کو ایران کے لوگ حاصل کر لیں گے اور یہ قول بھی ہے کہ اس سے مراد حضرت امیر علیہ السلام اور ان کے اصحاب ہیں جنہوں نے جمل صفین اور نہروان میں ناکثین، قاسطین اور مارقین سے جہاد کیا اور صادقین علیہما السلام سے بھی ایسا ہی مروی ہے اور اس کے قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جنگ خیبر کے موقعہ پر حضرت رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کو انہی صفات سے یاد فرمایا جب کہ علم اٹھا کر جانے والے یکے بعد دیگرے علم چھوڑ کر بھاگ

عَلَى الْكَافِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ

کافروں پر جہاد کریں گے راہِ خدا میں اور نہ خوف کریں گے ملامت کرنے والوں کی ملامت کا

آتے تھے کہ وہ ساتھیوں کو بزدل کہتے تھے اور ساتھی ان کو بزدل کہتے تھے تو حضورؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں فرمایا لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ كَرَّارًا غَيْرَ فَرَّارٍ لَا يَرْجِعُ حَتّٰى يَفْتَحَ اللّٰهُ عَلٰى يَدِهٖ ثُمَّ اَعْطَاهَا اِيَّاهُ یعنی ضرور دوں گا کل میں علم فوج اس شخص کو جو اللہ و رسولؐ کو دوست رکھتا ہوگا اور اللہ و رسول اس کو دوست رکھتے ہوں گے کرار وغیرہ فرار ہوگا اور نہ واپس آئے گا۔ یہانتک کہ اس کے ہاتھ پر خدا فتح رکھے گا اور اس کے بعد علم حضرت کو ہی عطا فرمایا تھا۔ پھر مومنوں سے نرمی اور کفار پر سختی اور جہاد راہِ خدا حضرت علیؑ کی وہ صفات ہیں جن کا کوئی انکار نہیں کرسکتا جسے ذرہ بھر بھی تاریخ سے مس ہے اور ایک دفعہ قریشی لوگ حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہمارے بعض غلام آپ کے ساتھ ملحق ہو گئے ہیں وہ ہمیں واپس دے دیجئے تو آپ نے فرمایا اے گروہ قریش ان باتوں سے باز آجاؤ ورنہ خدا تم پر ایک ایسا شخص مسلط کرے گا جو تاویل قرآن کے ماتحت تمہارے سر قلم کرے گا۔ جس طرح کہ میں نے تنزیل کے ماتحت تمہارے سر قلم کئے ہیں کسی نے پوچھا کہ حضور وہ ابوبکر ہے تو فرمایا نہیں بلکہ وہ خاصف النعل ہے جو حجرہ کے اندر بیٹھا ہے اور اس وقت حضرت امیر علیہ السلام جناب رسالتمآبؐ کی نعلین مبارک کی اصلاح کر رہے تھے اور بصرہ میں جنگ جمل کے موقعہ پر حضرت علیؑ نے خود فرمایا تھا کہ اس آیتِ مجیدہ کے مصداق آج تک نہیں آئے تھے گویا ہم ہی اس آیت کے مصداق ہیں (مجمع البیان)

مرتد کون ہوئے؟

تفسیر کبیر میں کشاف سے منقول ہے کہ کل مرتد ہونے والے گیارہ گروہ ہیں۔ تین گروہ جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ میں تھے اور سات گروہ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں اور ایک حضرت عمر کے زمانہ میں تھا۔ وہ تین جو حضرت رسالتمآبؐ کے زمانہ میں تھے (۱) ذوالحمار اسود عنسی جو کاہن تھا اور یمن میں اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور پورے علاقہ پر چھا گیا تھا اور اس کی قوم بنو مدلج اس کے ساتھ تھی۔ انہوں نے حضرت رسالتمآبؐ کے کارندوں کو وہاں سے نکال دیا تھا حضورؐ نے معاذ بن جبل کو لکھا اور آخرکار فیروز دیلمی کے ہاتھوں قتل ہو گیا اور حضورؐ نے اسی وقت مسلمانوں کو مژدہ سنایا کہ ذوالحمار قتل ہو گیا ہے۔

(۲) بنو حنیفہ یہ مسیلمہ کذاب کی قوم تھی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور حضورؐ کو خط لکھا تھا مِنْ مُسَيْلَمَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْاَرْضَ نِصْفُهَا لِيْ وَنِصْفُهَا لَكَ۔ یعنی یہ خط مسیلمہ رسول اللہ کا محمد رسول اللہ کی طرف ہے اما بعد تحقیق زمین نصف آپ کی ہو اور نصف میری ہو تو حضورؐ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا۔ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مُسَيْلَمَةَ الْكَذَّابِ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ یعنی محمد رسول اللہ کی طرف

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾

یہ فضل ہے اللہ کا دے جسے چاہے اور اللہ وسعت و علم والا ہے

سے مسیلمہ کذاب کو۔ اما بعد تحقیق یہ زمین اللہ کی ہے۔ اس کا وارث بنائے گا۔ جسے چاہے گا اور انجام خیر متقیوں کے لئے ہے یہ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں اس وحشی کے ہاتھوں قتل ہوا جس نے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا۔ چنانچہ بعد میں وہ وحشی کہا کرتا تھا۔ قَتَلْتُ خَيْرَ النَّاسِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَشَرَّ النَّاسِ فِي الْإِسْلَامِ۔ یعنی زمانۂ جاہلیت میں میں نے ایسے شخص کو قتل کیا جو لوگوں میں سے بہترین تھا اور مشرف باسلام ہونے کے بعد ایسے شخص کو قتل کیا جو لوگوں میں سے بدترین انسان تھا۔

(۳) قوم بنی اسد جو طلیحہ بن خویلد کے ساتھ تھے۔ اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ رسالتمآبؐ نے اس کی سرکوبی کے لئے خالد کو بھیجا اور یہ شخص شام کی طرف بھاگ گیا اور بعد میں مسلمان بھی ہو گیا۔ اس کے بعد وہ سات گروہ جو حضرت ابوبکر کے زمانہ میں مرتد شمار کئے گئے ۱۔ بنوفزارہ ۲۔ غطفان ۳۔ بنوسلیم ۴۔ بنویربوع ۵۔ بنوتمیم سجاح بنت منذر تمیمیہ کی قوم جس نے نبوت کا دعویٰ کر لیا تھا اور مسیلمہ کذاب سے شادی کی تھی ۶۔ قوم کندہ ۷۔ بنوبکر اور حضرت ابوبکر نے ان کی سرکوبی کی اور حضرت عمر کے زمانہ میں غسان کی قوم مرتد ہوئی اور جبلہ بن ایہم ان کا سردار تھا۔ بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا اور اس کی چادر زمین پر لٹکی ہوئی تھی۔ پس ایک شخص کا پاؤں اس کی چادر پر آگیا۔ اس نے اپنی سرداری کے گھمنڈ میں غصے سے اس کو ایک طمانچہ مار دیا پھر مقدمہ حضرت عمر کے پیش ہوا۔ تو انہوں نے حکم دیا کہ طمانچے کے بدلہ میں طمانچہ ہو گا۔ مگر یہ کہ صاحب حق کو راضی کیا جائے تو اس نے ایک ہزار دینا چاہا لیکن وہ شخص نہ مانا پھر وہ رقم بڑھاتا گیا۔ یہاں تک کہ دس ہزار تک پہنچا لیکن اس شخص نے کہا میں تو بدلہ ہی لوں گا تو جبلہ نے مہلت مانگی اور حضرت عمر نے مہلت دے دی۔ پس وہ وہاں سے روم کی طرف بھاگ گیا اور مرتد ہو گیا۔ فخرالدین رازی نے یہ سب تفصیل نقل کرنے کے بعد حسن کا قول نقل کیا ہے۔ خدا جانتا تھا کہ جناب رسالتمآبؐ کے بعد ایک قوم اسلام سے پھر جائے گی پس خبر دے رہا ہے کہ میں ایسی قوم کو لاؤں گا جو میرے محبوب بھی ہوں گے اور محب بھی پس یہ آیت مجیدہ غیب کی خبروں میں سے ایک خبر ہے جو واقع ہو کے رہی اور اعجاز قرآن کی دلیل ہے۔

حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے اور مطلب میں الجھاؤ پیدا کرنے کی خاطر رازی اور اس کے تمام ہم مشرب مفسرین نے بہت تانا بانا شروع کر دیا اور مرتدوں کو تلاش کرنے کے لئے بہت دُور دُور تک اپنی باریک بین نگاہوں کو دوڑانے لگ گئے پس کسی کو یمن سے ڈھونڈھ لائے اور کسی کا کسی اور جگہ سے کھوج نکال لیا گیا۔ بمثال کے طور پر اگر کسی سفید پوش کی چوروں کے ساتھ سازش ہو تو کبھی پولیس کو چوروں کے گھروں کی تلاشی کا مشورہ نہ دے گا بلکہ اگر پولیس احتیاطاً اس طرف ارادہ کرے بھی تو صاف کہہ دے گا حضور یہ تو بڑے شریف لوگ ہیں اور خود پولیس کے ہمدرد اور خیرخواہ ہیں اور چوروں کو سزائیں دینے والے ہیں۔ ان کے متعلق تو احتمال ہی نہیں ہو سکتا کہ یہ خود چور ہوں۔ پس وہ پولیس کو حقیقی چوروں کے گھروں سے کوسوں دور پھراتا رہے گا اور بے گناہوں اور

غیر خوشامدیوں کو مروا پٹوا کر دفتر سرکار میں سے اپنا نیک نامی کا سرٹیفکیٹ بھی لے لے گا اور کسی نہ کسی بے گناہ کو فرد جرم کی سزا بھی دلوا دے گا۔

آئیے صحیح بخاری کا مطالعہ فرمائیے تاکہ پتہ چل جائے کہ مرتد کون تھے۔ حضور فرماتے ہیں۔ بروز محشر

۱۔ الا وانہ یجاء برجال من امتی فیوخذ بھم ذات الشمال فاقول یارب اصیحابی فیقال انک لاتدری ما احدثوا بعدک (الی ان قال) فیقال ان ھؤلاء لم یزالوا مرتدین (تفسیر سورہ مائدہ)

میرے پاس میری امت کے چند آدمی لائے جائیں گے اور ان کو دوزخ میں لے جایا جائے گا تو میں کہوں گا میرے رب یہ تو میرے اصحاب ہیں تو کہا جائے گا آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا۔ (حتیٰ کہ فرمایا) یہ لوگ مرتد ہو گئے تھے۔

کتاب الفتن میں ایک حدیث صحیح بخاری میں مروی ہے۔

۲۔ قال النبی انا فرطکم علی الحوض لیرفعن الیّ رجال منکم حتّٰی اذا ھویت لاناولھم اختلجوا دونی فاقول ای رب اصحابی فیقول لاتدری ما احدثوا بعدک۔

حضور نے فرمایا میں حوض کوثر پر تمہارا منتظر ہوں گا اور تم میں سے چند آدمی میرے پاس لائے جائیں گے جب میں ان کو جام کوثر دینا چاہوں گا تو وہ ہٹا لئے جائیں گے تو میں کہوں گا اے رب یہ تو میرے اصحاب ہیں تو خدا فرمائے گا آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا گل کھلائے ہیں

۳۔ حدیث حوض میں ہے کہ جناب رسالتمآب نے ارشاد فرمایا کہ جب میں کہوں گا کہ یہ میرے اصحاب ہیں۔

فیقال لاعلم لک بما احدثوا بعدک انھم ارتدوا علی ادبارھم القھقری

تو جواب ملے گا کہ آپ کو علم نہیں جو آپ کے بعد یہ لوگ کرتے رہے ہیں یہ تو مرتد ہو گئے تھے اپنے پچھلے پاؤں

بہرکیف اس باب کی احادیث بہت کافی ہیں۔ ہم نے مقدمہ تفسیر میں ص۱۴۸ و ص۱۴۹ پر بھی بعض کا ذکر کیا ہے۔ ان میں کہیں حضور نے نہیں فرمایا کہ ذوالحمار اسود عنسی یا مسلیمہ کذاب یا طلیحہ کو لایا جائے گا اور ان کا ارتداد مجھے سنایا جائے گا۔ آپ تو فرماتے ہیں کہ میرے اصحاب ہوں گے جن کی عیب پوشی کے لئے یہ مفروضہ حدیث پڑھی سنی جاتی ہے اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے اور رِجالٌ مِنکُم کے خطابی الفاظ تو یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ خطاب مجلس وعظ میں سامنے بیٹھے ہوئے حضرات کو ہو رہا ہے کہ تم میں سے کئی ایسے ہوں گے اور یقیناً یہاں یمن و طائف کے لوگ مقصود نہیں ہیں یا گرد و نواح کے دیہاتی مراد نہیں ہیں بلکہ مہاجرین و انصار میں سے پہلو بہ پہلو بیٹھنے والے ہی مخاطب ہو رہے ہیں اور صحاح ستہ کی مسلّم حدیث کہ حضور نے ارشاد فرمایا لَتَتَّبِعُنَّ سُنَن من کان قبلکُم شبرا بشبر وذراعا بذراع حتی لو سلکوا جحر ضب لسلکتموہ قلنا یا رسول اللہ الیھود والنصاری فقال النبی فمن ہو کہ تم اپنے سے پہلی امتوں کے قدم بقدم چلو گے حتیٰ کہ اگر وہ سوسمار کے سوراخ میں داخل ہوئے ہوں تو تم بھی وہی راہ لو گے تو راوی کہتا ہے کہ ہم نے دریافت کیا کہ یہود و نصاریٰ مراد ہیں؟ تو آپ نے فرمایا پھر اور کون مراد ہے؟ یعنی میں وہی مراد لے رہا ہوں

کہ تم انہی کے قدم بقدم چلو گے یعنی جس طرح انہوں نے اپنے نبیوں کا طریقہ چھوڑ کر ان کے حقیقی دین کو مسخ کر ڈالا۔ تم بھی ایسا ہی کرو گے اور یہ خطاب بھی اپنوں کو اور بالخصوص انہی لوگوں کو ہے جو ساتھ اور آس پاس بیٹھے ہیں نہ کہ گرد و نواح کے دیہاتی بدوی مراد ہیں اور نہ طائف و یمن کے مدعیان نبوت مقصود ہیں۔ نیز دور والے اور جنگل کے باشندے دین کا بگاڑ ہی کیا سکتے ہیں یہ خطاب انہی کو تو ہے جن کے بگڑنے سے دین کو خطرہ تھا۔ نیز حدیث قرطاس جس کو بخاری میں متعدد جگہ ذکر کیا گیا ہے اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدی میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں تاکہ تم گمراہ نہ ہو اگر طبیعت میں انصاف ہو تو بتائیے اس وقت۔ یعنی شدت مرض کے عالم میں آپ کے پاس کون لوگ موجود تھے جن کی گمراہی کا حضورؐ کو خطرہ تھا یہ مجمع عام نہیں تھا تاکہ ہر کہ و مہ کو حضورؐ خطاب فرما رہے ہوں بلکہ یہاں تو وہ لوگ تھے جو رسولؐ کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے تھے جس طرح بیمار کے آخری لمحات میں جو جو مخصوص احباب ہوا کرتے ہیں۔ پس جب بالعموم مدنی بھی مراد نہیں تو بیرونجات کے دیہاتی یا مدعیان نبوت کیسے مراد ہو سکتے ہیں؟ اور اگر کہا جائے کہ حضرت علیؑ بھی تو اس خطرہ سے باہر نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علیؑ یقیناً اس خطرہ سے باہر ہیں۔ جب صحابہ کی بالعموم گمراہی کا خطرہ حضورؐ نے کسی اور موقعہ پر ظاہر کیا تھا تو حضرت عمارؓ سے صاف صاف لفظوں میں فرمایا تھا کہ اگر تمام لوگ ایک وادی میں چلیں اور تنہا علیؑ علیحدہ وادی میں چلے تو تم تمام لوگوں کو چھوڑ دینا اور وہ راستہ اختیار کرنا جو علیؑ اختیار کر رہے ہوں اور اس حدیث کی صحت کو فضل ابن روزبہان جیسا متعصب بھی تسلیم کرتا ہے کہ واقعی صحاح میں حدیث یہی موجود ہے اور حضورؐ نے عمار کو صاف فرمایا تھا علی مع الحق والحق مع علی یعنی علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؑ کے ساتھ ہے حق اسی طرف ہوتا ہے جس طرف علیؑ ہو۔ نیز یہ کہ علیؑ کی اطاعت میری اطاعت اور میری اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور یہ حدیث صحیح ببانگ دہل اعلان کر رہی ہے کہ رسولؐ کے بعد ارتداد اور گمراہی سے صرف وہی لوگ بچ سکے جنہوں نے حضرت علیؑ کا دامن تھام لیا اور جو یکسو ہو گئے وہ گمراہ ہو گئے۔ چنانچہ حدیث ثقلین جو متواتر منقول ہے وہ بھی یہی کہتی ہے۔ کہ علیؑ اور آل علیؑ سے علیحدگی گمراہی کی موجب ہے۔

فخر الدین رازی اپنے متعصبانہ طرز عمل اور معاندانہ ذہنیت کے پیش نظر حقائق و واقعات کے گلے پر چھری پھیرتے ہوئے اور حق کا خون کرتے ہوئے اپنے نظریے کی صفائی میں رقمطراز ہے کہ آیت مجیدہ شیعوں رافضیوں کے مذہب کو باطل کرتی ہے کیوں کہ شیعہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے ابوبکر کی امامت و خلافت کو تسلیم کر لیا وہ کافر و مرتد ہو گئے کیونکہ حضرت علیؑ کی امامت کی نص جلی کا انہوں کا انکار کیا تو ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اگر ابوبکر اور اس کی بیعت کرنے والے مرتد ہوتے تو خدا ایسی قوم کو لاتا جو ان کی سرکوبی کر کے ان کو راہ راست پر لاتی کیوں کہ آیت کا طرز بیان یہی ظاہر کرتا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی مرتد ہو گا تو میں ایسی قوم کو لاؤں گا جو میرے محبوب و محب ہوں گے یعنی وہ مرتدوں کی سرکوبی کریں گے۔ پس اس سے مراد یقیناً علیؑ اور اس کی جماعت نہیں۔ کیونکہ وہ ابوبکر کو اپنے قہر و غلبہ سے صحیح راستہ پر نہ لا سکے اور نہ ان کے شیعہ مراد ہیں کیونکہ یہ تو ہر دور میں مقہور و مغلوب ہی چلے آتے ہیں۔ انتہیٰ۔

جواب:- (۱) رازی کی ناقرآن فہمی ہے کہ خدا اپنا دین قہر و غلبہ سے منوانا چاہتا ہے کیونکہ اس آیت مجیدہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر تم مرتد ہو گئے تو میں تمہاری سرکوبی کے لئے کسی قاہر و جابر جماعت کو بھیجوں گا بلکہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم یہ نہ سمجھو کہ ہمارا اسلام لانا اللہ یا اس کے رسولؐ کو مفید ہے بلکہ یہ فائدہ تمہارے اپنے لئے ہے ورنہ اگر تم مرتد بھی ہو جاؤ گے تو یہ خسارہ تمہیں کو ہو گا۔ دینِ خدا کو کوئی خسارہ نہیں بلکہ تمہارے ارتداد کے بعد خدا ایسی قوم بھیج دے گا جو اس کے دین کو زندہ رکھے گی وہ خدا کے محبوب و محب ہوں گے اور باقی صفات بھی ان میں ہوں گے اور ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ اگر کسی نبی کی امت میں سے کئی لوگ مرتد ہوتے رہے تو بعض ایسے بھی ہوتے رہے جو دین کے محافظ تھے لیکن چونکہ رازی خود اس امر کا قائل ہے کہ صداقت قہر و غلبہ کا نام ہے لہذا وہ اسلام کی خوبی بھی قہر و غلبہ میں سمجھتا ہے اور خلافت آپ کی صداقت کی دلیل بھی قہر و غلبہ کو پیش کرتا ہے۔ صرف رازی نہیں بلکہ تمام اس کے ہم مشرب لوگ اسی نظریئے پر آج تک ہیں کہ ہر ممکن طریقے سے شیعوں کو اپنی لائن پر لانا چاہیئے اور ہر وہ مقام جہاں ان کو غلبہ حاصل ہو تو شیعوں کو ظلم کا نشانہ بناتے ہیں۔ مارتے ہیں۔ پانی بند کرتے ہیں۔ گھر لوٹتے ہیں۔ کافر کہتے ہیں اور قتل کے فتوے دیتے ہیں تاکہ شیعہ اپنے مذہب کو چھوڑ دیں اور انہیں یہ معلوم نہیں کہ عقیدہ اور شے ہے اور قہر و غلبہ اور شے ہے۔ کبھی اعتقاد جبر و تشدد سے نہیں بدل سکتا۔ بلکہ اعتقاد کے لئے دلیل و برہان چاہیئے۔ بنی امیہ کے دور سے آج تک اگرچہ شیعہ مقہور رہے مغلوب رہے۔ بے دردی سے قتل ہوئے اور زندہ دیواروں میں چنے گئے لیکن اعتقاد نہ چھوڑا۔ ہاں رازی وغیرہ کے عقائد و مسالک کی بنیاد ہی چونکہ پہلے دن سے جبر و تشدد پر تھی اور حضرت علیؑ اور جملہ بنی ہاشم کے ساتھ انہوں نے یہ طریق ہی برتا تھا۔ چنانچہ امامت و سیاست میں ابن قتیبہ دینوری نے خوب تصریح کے ساتھ حقیقت کی نشاندہی کی ہے پس آج تک وہی بات چلی آ رہی ہے پھر کس قدر اپنے قہر و غلبہ کے اسوا پر نازاں ہیں۔ کہ رازی شیعوں کو مقہوریت و مغلوبیت کا طعنہ دے رہا ہے کہ یہ لوگ کس طرح محبوب و محب خدا بن سکتے ہیں جو ہمیشہ سے مغلوب رہے ہیں؟ گویا خدا کا محب و محبوب وہی ہو گا جو قاہر و غالب ہو اور اپنے قہر و غلبہ سے دوسرے کو متاثر کر سکے (برین عقل و دانش بباید گریست)

جواب:- (۲) آیت مجیدہ کا ظاہر صاف بتلاتا ہے کہ اس کا مصداق حضرت علیؑ اور اس کے اتباع و اشیاع ہیں اور صحاح ستہ کی روایت کردہ حدیثِ سابق کہ اے عمار اگر تمام لوگ ایک طرف اور علیؑ دوسری طرف ہو تو علیؑ کی طرف ہی جانا کیونکہ حق اس کی طرف اور وہ حق کی طرف ہو گا اور حدیثِ ثقلین متواتر بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ نیز جنگِ خیبر کے موقع پر حضورؐ نے حضرت علیؑ کی یہی صفات گنوائی تھیں جیسے کہ حدیث کے الفاظ بیان ہو چکے ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ ابوبکر و عمر و عثمان کی تینوں خلافتوں میں انہوں نے قہر و غلبہ کو کیوں استعمال نہ کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت قطعاً یہ ظاہر نہیں کرتی کہ خدا جن محافظینِ اسلام کو بھیجے گا وہ قاہر و غالب ہی ہوں گے تاکہ مرتدین کو اسلام کی طرف لا سکیں۔ ہاں منجملہ ان کی باقی صفات کے ایک صفت ان میں یہ بھی ہو گی کہ بلا لومتہ لائم اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور عقلاً جہاد اس وقت واجب ہوتا ہے جب اقتدار

ظاہری بھی حاصل ہوا اور ظاہر ہے کہ پہلی تینوں خلافتوں کے زمانہ میں حضرت علیؑ اقتدارِ ظاہری سے محروم تھے لہٰذا جب اقتدار ملا تو ناکثین کی سرکوبی جنگِ جمل میں کی جو بصرہ میں ہوئی اور قاسطین سے صفین میں جہاد کیا اور مارقین سے نہروان میں نبرد آزما ہوئے

جواب (۳): حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا تھا ان منکم من یقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیلہ قال ابوبکر وعمر انا ھو قال لابل ھو خاصف النعل یعنی علی - یعنی تم میں سے ایک ہوگا جو تاویل قرآن کے ماتحت جہاد کرے گا - جس طرح میں نے تنزیل قرآن کے ماتحت جہاد کیا ہے پس حضرت ابوبکر وعمر نے پوچھا یکے بعد دیگرے - کیا وہ میں ہوں گا؟ تو فرمایا نہیں، بلکہ وہ خاصف النعل ہے - یعنی علیؑ - اس حدیث کو دلائل الصدق میں مسند احمد ج۳ ص۳۳ وص۸۲ اور مستدرک حاکم ج ص۱۲۳ کنز العمال ص۲۹۱ اور خصائص نسائی سے نقل کیا گیا ہے

جواب (۴) تفسیر قمی میں ہے کہ یہ حضرت قائم آل محمد عج علیہ السلام کے حق میں ہے اور مَنْ یَرْتَدِدْ کے مصداق وہ لوگ ہیں جنہوں نے آلِ محمد پر ظلم کیا - ان کو قتل کیا اور ان کا حق غصب کیا اور مجمع البیان میں ہے کہ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ خدا فرماتا ہے فَسَوْفَ یعنی آئندہ کے زمانہ میں خدا ان کو لائے گا اور خلفائے ثلثہ تو وقتِ خطاب میں ہی موجود تھے

رازی نے فیصلہ یہ کیا ہے کہ اس آیت کے مصداق حضرت ابوبکر ہیں کیونکہ انہوں نے جنگ کیا مرتد لوگوں کے ساتھ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مدعیانِ نبوت کے ساتھ جنگ کرنا وہ کفار کے ساتھ جنگ تھا نہ کہ مرتدین کے ساتھ کیونکہ مسیلمہ کذاب اور اس کی زوجہ دونوں کافر تھے اور زکوٰۃ نہ ادا کرنے کے جرم میں جن مسلمانوں کو قتل کیا وہ قطعاً مرتد نہیں تھے - مثلاً مالک بن نویرہ اور اس کا خاندان بنو یربوع اسی طرح بنو حنیفہ یہ لوگ بے چارے پکے مومن تھے لیکن چونکہ بیعتِ غدیریہ کو توڑ کر کسی دوسرے کی بیعت نہیں کرنا چاہتے تھے اور قہر و غلبہ اور ہاؤ ہو سے متاثر ہو کر کسی کو خلیفۂ رسولؐ ماننے کو تیار نہ تھے - پس ان پر ارتداد کا فتویٰ عائد کر کے قتل کر دیا گیا - اگرچہ وہ کلمۂ شہادتین پڑھتے رہے لیکن کسی نے نہ سنی تھی نہ سنی اور جو دھاندلی ہوتی رہی - وہ اسلامی تاریخ کے صفحات کو سیاہ کرنے کے لئے کافی ہے -

بحار الانوار جلد چہارم ص۳۶۶ ایک دفعہ شیخ الطائفہ شیخ ابوجعفر طوسی کا بعض معتزلی علمائے کلام کے ساتھ مکالمہ ہوا - چنانچہ علمائے معتزلہ میں سے ایک شخص ابوبکر بن بصری نے حضرت ابوبکر کی شجاعت پر بہت زور دیا اور کہا کہ وہ شجاعانِ عرب میں بلند مقام کے مالک تھے جب شیخ نے دلیل طلب کی تو اس نے جواب دیا کہ رسولِ خدا کے بعد مرتدین کے ساتھ جہاد کرنے میں صحابہ کی اکثریت پس و پیش کر رہی تھی لیکن انہوں نے پوری جماعت کی مخالفت کے باوجود ارادۂ جہاد کو برقرار رکھا اور ذرہ بھر پیچھے نہ ہٹے اگر وہ غیر معمولی شجاع نہ ہوتے تو باقی صحابہ کی مخالفت اُن کے ارادہ میں لغزش کا باعث ہوتی - شیخ نے نہایت متانت سے جواب میں ارشاد فرمایا کہ کسی کی شجاعت معلوم کرنے کے دو طریقے ہوا کرتے ہیں -

۱- اس کی شجاعت کے کارنامے معرضِ وجود میں آئیں تو معلوم ہوگا کہ شجاع ہے

۲- خداوند کریم کی جانب سے الہامی خبر ہو کہ فلاں شجاع ہے خواہ اس کا کوئی کارنامہ ہو یا نہ ہو لیکن حدس اور قیاس سے کسی

کی شجاعت ثابت نہیں کی جاسکتی اور ہمیں معلوم ہے کہ خدا نے تو حضرت ابوبکر کی شجاعت کی خبر دی نہیں ۔ باقی رہی دوسری بات تو اس کا پتہ چلتا ہے جب کہ کوئی شخص میدانِ حرب و ضرب میں اپنے ہمسروں سے نبرد آزما ہو اور لڑائی میں خوب جم کر دشمن کا مقابلہ کرے اور ڈٹ کر لڑے ۔ یہاں تک کہ اس کے قدم میدان سے پھسلنے نہ پائیں اور صرف ایک دفعہ کا اس قسم کا مظاہرہ بھی کسی کی شجاعت کی دلیل نہیں بنا کرتا ۔ بلکہ ممکن ہے وہ کوئی فوری جذباتی اثر ہو یا اتفاقی صورت ہو بلکہ شجاعت کے ثابت کرنے کے لئے اس طرح کے بار بار کے تجربات حاصل کرنے پڑتے ہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ حضرت ابوبکر میں یہ بات نہ تھی پس جب نہ خدا نے خبر دی اور نہ ان کے کارنامے شہادت دیتے ہیں تو پھر آپ کیسے جان گئے کہ وہ چوٹی کے شجاع تھے ؟ ہاں البتہ ان کی بزدلی ، کمزوری ، جزع و فزع اور خوف و ہراس کے واقعات اس قدر ظاہر ہیں کہ محتاجِ بیان نہیں ۔ کیونکہ تاریخ شاہد ہے کہ وہ کسی مدمقابل کے ساتھ لڑنے کے لئے تشریف نہیں لے گئے اور نہ کبھی میدان میں مبارز طلبی کی ہے اور نہ کبھی اپنے ہاتھ سے کسی کافر کا ذرہ بھر خون بہایا ہے اور آپ جناب رسالتمآب کے تمام غزوات میں شریک رہے اور یہ شرف صرف انہی کی ذات کو حاصل ہے کہ سوائے ان کے باقی تمام صحابہ کا جنگ میں تھوڑا بہت حصہ ہوتا رہا ہے ۔ علاوہ ازیں جنگِ احد میں فرار جنگِ خیبر میں پسپائی ۔ یہ ایسے واقعات ہیں ۔ جن کو چھپایا نہیں جاسکتا ۔ اب فخر الدین رازی بیچارہ وہی چبایا ہوا لقمہ دوبارہ چبا رہا ہے اور اگلی ہوئی تھوک کو دوبارہ نگل رہا ہے ۔ جب تک تعصب کی پٹی انسان کی آنکھوں سے نہ اترے لاکھ اس کو سمجھایئے کروڑ دلیلیں دیجئے ۔ خاک اثر ہوگا ۔

رازی نے شیعہ کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس آیت کا مصداق حضرت علیؑ کو نہیں قرار دیا جاسکتا ۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ جن جن لوگوں کے ساتھ لڑے ہیں وہ مرتد نہیں تھے بلکہ مسلمان تھے ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت رسالتمآب نے حضرت علیؑ کے متعلق کہا ہے لا یحبک الا مومن ولا یبغضک الا منافق اور یہ حدیث مسند احمد اور صحاح ستہ میں موجود ہے اس کو ابن روزبہان نے بھی ذکر کیا ہے اور ابن حجر مکی جیسے متعصب نے بھی اس کو نقل کیا ہے اور منافق اسی کو کہا جاتا ہے جو زبان سے اقرارِ اسلام کرتا ہو اور باطن میں کافر ہو جیسے کہ قرآن کریم گواہ ہے پس جب تک کفر اندر رہے تو اس کی تعبیر ہے منافق اور جب کفر باہر نکل آئے تو اس کا نام ہے مرتد اسی طرح جو لوگ حضرت علیؑ سے بغض رکھتے تھے ۔ جب تک بغض ان کے دل میں تھا وہ منافق تھے اور جب وہ بغض دل سے نکل کر زبان اور عمل تک پہنچ گیا تو وہ ارتداد و کفر بن گیا ۔ لہٰذا جن لوگوں نے حضرت علیؑ سے لڑائی کی وہ پہلے منافق تھے اور بعد میں مرتد و کافر ہو کر سامنے آگئے اور حضرت نے مطابق تاویل قرآن ان سے جہاد کیا جس طرح پیغمبر نے فرمایا تھا ۔

جواب نمبر ۲ ۔ حضورؐ نے فرمایا ۔ مَنْ اٰذٰی عَلِیًّا فَقَدْ اٰذَانِیْ اَیُّهَا النَّاسُ مَنْ اٰذٰی عَلِیًّا بُعِثَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یَهُوْدِیًّا اَوْ نَصْرَانِیًّا ۔ جس نے علیؑ کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی ۔ اے لوگو ! جو علیؑ کو اذیت دے گا وہ بروز محشر یہودی اور نصرانی ہو کر اٹھے گا ۔ یہ حدیث مسند احمد سے منقول ہے اور ابن روزبہان نے بھی اسے تسلیم کیا ہے ۔ نیز حدیث

کا پہلا حصہ مستدرک حاکم سے اور دوسرا حصہ مناقب خوارزمی سے بھی مروی ہے اور ممکن ہے دو حدیثیں جدا جدا ہوں ۔بہرکیف ان حدیثوں سے صاف واضح ہے کہ علی کا دشمن صف اسلام سے خارج ہے ۔

پھر فخر الدین رازی اس بات کو دہراتے ہوئے کہتا ہے کہ حضرت علیؑ سے امامت کے معاملے میں اختلاف کرنا اگر ارتداد ہوتا تو آیت کے مقتضا کے مطابق خدا کسی قہر و غلبہ والے کو بھیجتا جو ابوبکر کو مقہور و مغلوب کرتا۔لیکن چونکہ خدا نے ایسا نہیں کیا لہٰذا معلوم ہُوا کہ علیؑ کی امامت کا انکار یا اس کے بارے میں ان سے اختلاف کرنے والا مرتد نہیں ہے اور اس کا جواب وہی ہے جو پہلے دیا جا چکا ہے کہ آیت کا مفہوم رازی نے غلط سمجھا ہے ۔خدا کسی سے اپنا دین قہر و غلبہ کی بناء پر نہیں منوانا چاہتا۔ اور نہ آیت اس بات کو ظاہر کرتی ہے ۔ہاں جب صاحبانِ حق کے پاس اقتدار آجائے اور ایمانداروں کی من جملہ صفات کے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ باطل پرستوں سے جہاد کریں ۔اگر ہمیشہ قہر و غلبہ خدائی اصول ہوتا تو سینکڑوں برس فرعون ردائے ربوبیت نہ پہنتا بلکہ پہلے دن سے اسے قہر و غلبہ کا نشانہ بنا دیا گیا ہوتا کیوں کہ اس کا مقابلہ تو خدا سے تھا اور ربوبیت کا مدعی تھا اور خدا نے اپنے مقام پر باوجودیکہ برحق خدا اور قہار بھی ہے جبار بھی ہے ۔علیٰ کل شیئٍ قدیر بھی ہے لیکن اس کو مہلت دے دی تو اس کا کیا یہی مطلب ہے کہ اگر فرعون کا دعویٰ غلط ہوتا تو خدا نے قہر و غلبہ سے کیوں نہ دبایا اور چونکہ خدا نے قہر و غلبہ سے اس کو نہیں دبایا ۔لہٰذا فرعون کا دعویٰ حق تھا ۔وعلیٰ ہٰذا القیاس نمرود و شدّاد وغیرہ ۔پس ہم کہتے ہیں علیؑ امام حق تھے ۔ اور ان کی امامت و خلافت میں ان کے ساتھ اختلاف رکھنے والے یقیناً بفرمانِ نبوی مرتد تھے اور حضرت علیؑ نے جن سے جہاد کیا وہ مرتد ہی تھے اور جن سے جہاد نہیں کیا ۔وہ اس لئے کہ ظاہری اقتدار جو جہاد کی شرط ہے ۔موجود نہ تھی ۔

رازی کہتا ہے جب یہ ثابت ہوگیا کہ آیت مذکورہ حضرت ابوبکر کے حق میں ہے تو ماننا پڑے گا کہ حضرت ابوبکر میں وہ تمام صفات موجود تھیں جو آیت میں گنوائی گئی ہیں ۔پس وہ خدا کا دوست تھا اور خدا اس کا دوست تھا ۔نیز پس وہ رحمدل بھی تھا اور کفار پر سخت بھی تھا اور جہاد کی صفت میں کہتا ہے کہ اس صفت میں حضرت ابوبکر اور حضرت علیؑ دونوں شریک ہیں لیکن ابوبکر میں یہ صفت بہ نسبت علیؑ کے اتم و اکمل ہے ۔

جواب :۔حق کا خون دیکھئے ۔جس کے متعلق صاف نص وارد ہے کہ وہ خدا کا دوست اور خدا اس کا دوست ہے ۔ جیسے حدیث رایت جو پہلے گذر چکی ہے وہ ان صفتوں سے خالی اور جس کے متعلق اس باب کی ایک حدیث بھی موجود نہیں وہ ان صفات سے متصف ہے ۔ہاں حضرت علیؑ کو جہاد کی صفت میں ابوبکر کے ساتھ شریک مان لیا اور پھر شائد خیال پیدا ہُوا ہو کہ یہ تو علیؑ کی برابری ابوبکر کے ساتھ لازم آتی ہے تو فوراً کہہ دیا کہ نہیں ۔یہ صفت بھی ابوبکر میں اتم و اکمل ہے تو اس بارے میں میں دریافت کرتا ہوں ۔

جنگِ احد میں کس نے لافتیٰ الا علی کی سند لے لی اور کون کوہِ احد کی پہاڑیوں کو قدموں سے ناپتا رہا ؟

جنگِ خندق میں کل ایمان بن کر کون گیا اور ثقلین کی عبادت سے کس کی ضرب بڑھ گئی اور دوسری طرف خوف سے

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ

صرف تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ ایمان لانے والے جو قائم کرتے ہیں نماز کو اور ادا کرتے ہیں

آنکھیں کس کی دھنس گئی تھیں۔

جنگِ خیبر میں کرار وغیر فرار بن کر مرد میدان کون ہوا اور یحبھم و یحبونہ کا مصداق کون تھا؟

خدا کہے علیؑ کے علاوہ کوئی مرد میدان نہیں۔ نبی کہے ایک ضربت علیؑ جن و انس کی عبادت سے افضل ہے اور وہ کرار وغیر فرار ہیں لیکن پھر بھی کوئی کہنے والا کہتا رہے کہ علیؑ سے صف جہاد میں وہی افضل و اکمل ہے جس نے کسی جنگ میں نہ کوئی زخم کھایا یا نہ کسی کو مارا۔ اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ تاریخ نہیں ثابت کر سکتی کہ حضرت ابوبکر نے اپنی پوری زندگی میں کسی کافر و مشرک کو قتل کیا ہو۔ بہرکیف بلاشک یہ آیت مجیدہ حضرت علیؑ اور ان کے اتباع و اشیاع کی شان میں ہے۔

اور زمانِ آخر میں حضرت حجت علیہ السلام عج بھی اسی آیت کے مصداق بن کر ظاہر ہوں گے۔ سورج پہ دھول پھونکنے سے سورج کا کچھ نہیں بگڑتا علیؑ کے فضل و کمال کو دنیا باقی رہی لیکن دن بدن نکھرتا و ابھرتا رہا۔

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے وہ شمع کیوں بجھے جسے روشن خدا کرے

رازی کے شکوک دفع کرتے کرتے طول ہو گیا ہے جو فائدہ سے خالی نہیں اور علامہ حلّی نے اس آیت مجیدہ کو حضرت کی خلافت بلافصل کی دلیل بھی قرار دیا ہے۔

آیتِ ولایت

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس چاہ زمزم کے کنارے بیٹھ کر لوگوں کو احادیثِ نبویہ سنا رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص عمامہ پوش وارد ہوا اور بیٹھ گیا۔ پس جب ابن عباس کوئی حدیث بیان کرتا تھا تو مقابل میں ایک حدیث وہ بھی سنا دیتا تھا تو آخر کار ابن عباس نے اس کو خدا کا واسطہ دے کر پوچھا کہ تو کون ہے؟ تو اس نے منہ سے نقاب اٹھایا اور کہا اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے تو ٹھیک اور جو نہیں پہچانتا اسے میں بتاتا ہوں کہ میں جندب بن جنادہ بدری ابوذر غفاری ہوں۔ میں نے اپنے دونوں کانوں سے سنا ہے اگر نہ سنا ہو تو بہرے ہو جائیں اور ان دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے اگر نہ دیکھا ہو تو اندھی ہو جائیں کہ حضور رسالتمآبؐ نے فرمایا عَلِيٌّ قَائِدُ الْبَرَرَةِ وَقَاتِلُ الْكَفَرَةِ وَمَنْصُورٌ مَنْ نَصَرَهُ وَمَخْذُولٌ مَنْ خَذَلَهُ علیؑ نیکوں کا قائد اور کافروں کا قاتل ہے اس کا ناصر منصور ہوگا اور اس کا خاذل مخذول ہوگا۔ ایک دن نمازِ ظہر میں نے جناب رسالتمآبؐ کی اقتدا میں پڑھی تو مسجد میں ایک سائل نے آکر صدا دی لیکن کسی نے اس کو کچھ نہ دیا پس سائل نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر عرض کی کہ اے اللہ تو گواہ رہ کہ مسجد نبوی میں میں نے سوال کیا ہے لیکن واپس خالی جا رہا ہوں اس وقت حضرت علیؑ حالتِ رکوع میں تھے پس دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے اشارہ کیا جس میں انگوٹھی تھی تو سائل نے آکر انگوٹھی اتار لی اور یہ واقعہ حضرت رسالتمآبؐ

کی موجودگی کا ہے جب حضورؐ نماز سے فارغ ہوئے تو آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاکر دعا مانگی۔ اے اللہ میرے بھائی موسیٰؑ نے تجھ سے دعا کی تھی رب اشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیراً من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری کہ اے رب میرا سینہ کھول میرا معاملہ آسان کر میری زبان کی گرہ دور فرما تاکہ میری بات کو سمجھیں اور میرے لئے میری اہل سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر مقرر کر اور اس کو میرا شریک کار بنا تو تونے قرآن میں صاف خبر دی ہے کہ اس کی دعا مستجاب ہوئی اور تونے ارشاد فرمایا سنشد عضدک باخیک ونجعل لکما سلطانا فلا یصلون الیکما۔ کہ اے موسیٰ ہم تیرا بازو تیرے بھائی کی وجہ سے مضبوط کریں گے اور تمہیں غلبہ عطا کردیں گے کہ وہ تم تک نہ پہنچ سکیں گے وانا محمد نبیک وصفیک اللّٰھم فاشرح لی صدری ویسرلی امری واجعل لی وزیراً من اھلی علیا اشدد بہ ظھری اور میں محمد تیرا نبی اور برگزیدہ ہوں اے اللہ پس کھول میرا سینہ اور آسان کر میرا معاملہ اور بنا میرے لئے میری اہل سے علیؑ کو میرا وزیر اور اس کی بدولت میری پشت کو مضبوط کر۔ ابوذر کہتا ہے ابھی تک خدا کی قسم دعا تمام نہیں ہوئی تھی کہ اللہ کی جانب سے جبرئیل نازل ہوا اور عرض کی پڑھو اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ الخ۔ یہ روایت تفسیر ثعلبی میں بھی مذکور ہے اور صادقین علیہما السلام سے بھی اسی طرح مروی ہے (مجمع البیان) اور اہلسنت کے منصف مزاج مفسرین نے تسلیم کیا ہے کہ واقعی یہ آیت حضرت علیؑ کے حق میں اتری ہے جب کہ انہوں نے انگوٹھی رکوع کی حالت میں سائل کو دی تھی اور رازی نے تفسیر کبیر میں بھی عبداللہ بن سلام سے روایت کی ہے اور ابوذر کی گذشتہ بیان کردہ روایت کو باختلاف الفاظ ذکر کیا ہے اور اس کے بعد کہتا ہے کہ شیعہ اس آیت سے حضرت علیؑ کی امامت کو ثابت کرتے ہیں کیونکہ اس آیت میں ولی کا معنی حاکم ہے اور مصداق اس کا حضرت علیؑ ہے۔

ولی کا معنی محب اور ناصر بھی ہوتا ہے اور ولی کا معنی متصرف فی الامور بھی ہوا کرتا ہے جیسے ولی نکاح اور اس مقام پر ولی کا پہلا معنی یعنی دوست و مددگار قطعاً نہیں ہو سکتا کیونکہ دوستی اور نصرت کا حکم تمام مومنوں کو بالعموم ہوا کرتا ہے۔ لیکن یہاں مومنوں میں سے خاص طور پر وہ مراد ہیں جو حالت رکوع میں زکوٰۃ دینے والے ہوں پس ولی اگر نصرت کے معنی میں ہوتا تو تخصیص کے لئے کوئی قید نہ لگائی جاتی اور چونکہ یہاں تخصیص ہے لہٰذا ولی کا معنی ناصر نہ ہوگا بلکہ متصرف ہی ہوگا کیونکہ جب ایک باطل ہوگیا تو دوسرا معنی خود بخود ثابت ہوگا اور تیسرا معنی اس کا کوئی ہے ہی نہیں۔

اور روایات سے ثابت ہے کہ آیت مجیدہ حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے تو پس یہ آیت ان کی امامت کی دلیل قاطع ہے اس استدلال کے نقل کرنے کے بعد فخرالدین رازی نے اپنی عادت وفطرت کے مطابق بے ہودہ ولودے اعتراضات شروع کردیئے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت علیؑ نے اس آیت کو کبھی اپنی خلافت کے استحقاق کے لئے پیش نہیں فرمایا تھا اگر اس سے امامت ثابت ہوتی تو ضرور انہوں نے پیش کی ہوتی تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے احتجاجات میں یہ آیت پیش فرمائی تھی جس کو ٹھکرادیا گیا تھا۔ حضور والا نہ آپ کو حکومت مل رہی ہے

نہ پیسہ مل رہا ہے صرف کثرت کی ہاؤ ہو اور بڑے نام سُن کر ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے اس آیتِ مجیدہ کے صریح اور واضح استدلال کو ٹھکرا رہے ہیں تو وہ کیسے اس استدلال کو تسلیم کر لیتے ۔جن کے اقتدار کے لئے یہ اقرار و تسلیم موجب موت تھا اور حضرت علیؑ کے احتجاج کو عبدالبر نے استیعاب میں اور اخطب خوارزم نے مناقب میں اور نطنزی نے خصائص میں نقل کیا ہے (لوامع التنزیل) تفسیر صافی میں خصال سے منقول ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے ابوبکر کے سامنے ان الفاظ سے احتجاج فرمایا۔

فَاُنْشِدُكَ بِاللّٰهِ اَلِيَ الْوِلَايَةُ مِنَ اللّٰهِ مَعَ وِلَايَةِ رَسُوْلِهٖ فِيْ آيَةِ زَكٰوةِ الْخَاتَمِ اَمْ لَكَ قَالَ بَلْ لَكَ

میں تجھے خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ رسولؐ کی ولایت کے ساتھ انگوٹھی کی زکوٰۃ والی آیت میں خدا کی جانب سے میری ولایت ثابت ہے یا تیری تو ابوبکر نے جواب دیا کہ آپ کی۔

اگر آپ یہ سوال کریں کہ اس قسم کے احتجاجات اگر حضرت علیؑ نے کئے ہوتے تو بخاری و مسلم نے کیوں نہ نقل کئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بھی آپ کی طرح اکثریت کی ہاؤ ہو کے ماتحت آپ کے ہم پیالہ و ہم نوالہ تھے ۔جب ایک صاحبِ اقتدار کی کٹھ پتلی کوئی بن جائے تو اسے دوسروں کی خوبیاں بھی برائیاں معلوم ہوا کرتی ہیں ۔ہاں حضرت علیؑ نے احتجاج کیا اور پُر زور احتجاج کیا لیکن جب کرسئ اقتدار پر بیٹھنے والوں نے کچھ اثر نہ لیا تو ان کے ہوا خواہ اس کی نقل کیوں کرتے ؟ آپ کہیں گے کہ وہ نیک لوگ تھے اور جناب رسالتمآبؐ کی صحابیت کا شرف انہیں حاصل تھا اگر حضرت علیؑ نے احتجاج کیا ہوتا تو انہوں نے ضرور تسلیم کر لیا ہوتا ۔تو سرکار یہ آپ کی خوش فہمیاں ہیں اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جس کسی نے جس طریقہ سے اقتدار حاصل کر لیا بس اچھا ہی ہے ۔اقتدار کے ساتھ نیکی تو لازم ہے ۔کس کی جرأت ہے کہ صاحبِ اقتدار کی طرف انگشت اٹھائے ۔ہاں وہی نیک تو تھے جن کو رسولؐ نے وصیت نامہ لکھنے کو کاغذ و دوات لانے کا حکم دیا تھا تو چونکہ بات خلافِ مزاج لکھی جانے والی تھی ۔پس صاف انکار کر دیا ۔چنانچہ شرح مواقف طبع نولکشور ص۴۶۷ سے منقول ہے ۔قال اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدی حتی قال عمر ان النبی قد غلبہ الوجع حسبنا کتاب اللہ و کثر اللغط فی ذلک حتی قال النبی قوموا عنی لا ینبغی عندی التنازع (تعلیقات علی فلک النجاۃ ص۲۱) حضور نے فرمایا میں تمہارے لئے ایک وثیقہ لکھتا ہوں تاکہ گمراہ نہ ہو جاؤ میرے بعد تو حضرت عمر بولے نبی پر درد کا غلبہ ہے ۔ہمیں صرف اللہ کی کتاب کافی ہے ۔پھر شور و غل زیادہ ہوا ۔تو آپ نے فرمایا کہ یہاں سے نکل جاؤ ۔میرے پاس جھگڑا مت کرو اور صحیح بخاری میں یہ حدیث ابن عباس سے منقول ہے ۔

ظاہر میں اگرچہ تعصب تسلیم کرنے سے مانع رہے لیکن دل میں خوب جان لیا تھا رازی نے کہ اگر روایت درست ہو اور یہ آیت حضرت کی شان میں مان لی جائے تو اس سے حضرت علیؑ کی امامت و خلافت ضرور ثابت ہوتی ہے لہذا آخر میں کہہ دیا کہ چلو یہ آیت حضرت علیؑ کی خلافت کی دلیل ہی سہی ۔لیکن ہم کب انکار کرتے ہیں ۔ہم بھی تو ان کو خلیفہ و امام مانتے ہیں اور خدا نے یہ تو نہیں کہا کہ وہ پہلا خلیفہ ہے اور چوتھا ہم بھی مانتے ہیں ۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ سب مومنوں کو خطاب ہے تمہارا

ولی اللہ اور اس کا رسولؐ ہے اور وہ مومن جو نماز پڑھے اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دے۔ پس جن مومنوں کا خدا و رسولؐ ولی ہے انہی مومنوں کا حضرت علیؑ ولی ہے اور مولیٰ ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر حضرت عثمان مومن تھے یا نہیں اور اگر وہ مومن تھے تو کیا خدا اور رسولؐ کی ولایت ان پر حاوی تھی یا نہیں اگر خدا و رسولؐ کی ولایت ان پر حاوی تھی تو ماننا پڑے گا کہ حضرت علیؑ کی ولایت بھی ان پر حاوی تھی کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ خدا و رسولؐ کی ولایت سے مراد عموم ہو اور حضرت علیؑ کی ولایت ان تین شخصوں کے علاوہ ہو۔ ورنہ یہ تخصیص کہیں سے ثابت کرنی پڑے گی اور نیز ایک لفظ کا ایک ہی وقت میں متعدد معانی میں استعمال ہونا ناجائز ہے پس اگر روایت مسلم ہے اور ولایت کا معنی بھی تصرف ہے جیسے بیان کیا جا چکا ہے تو رسولؐ کے بعد حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل پر آیت کو نص قطعی ماننا پڑے گا۔ فخر الدین رازی بیچارے نے ہاتھ پاؤں ادھر ادھر بہت مارے اور اپنے مزعوم کو ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن حق کی گواہی کو چھپانا بھی بہت مشکل ہوا کرتا ہے۔ شاید پھر خیال پیدا ہوا ہو کہ واقعی اگر روایت مان لی جائے تو حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل کو تسلیم کرنا پڑتا ہے لہذا سرے سے روایت کو ٹھکرا دیا چنانچہ سب بحث کے آخر میں جا کر یہ کہہ دیا روایت قابلِ تسلیم نہیں چنانچہ رقمطراز ہیں۔

(۱) زکوٰۃ کا اطلاق صدقۂ واجبہ پر ہوتا ہے مستحب کو زکوٰۃ نہیں کہا جاتا۔

(۲) رکوع میں صدقہ دینا خضوع و خشوع کے منافی ہے جو حضرت علیؑ کے شان سے بعید ہے۔

(۳) نماز میں فقیر کو انگوٹھی دینا فعلِ کثیر ہے اور اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

(۴) حضرت علیؑ فقیر تھے وہ مالدار نہ تھے۔ لہذا زکوٰۃ کیسے دی؟

جواب ۱:۔ صدقہ مستحبہ کو تمام علماءِ اسلام زکوٰۃ سے تعبیر کرتے ہیں۔ البتہ حقیقت نہ سہی اور مجازہی سہی لیکن مجاز کا اطلاق کلام میں غلط نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ ہر زبان میں عام مروج ہے اور علامہ ابوسعود نے اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ آیت دلالت کرتی ہے کہ مستحب صدقہ بھی زکوٰۃ کہلاتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے زکوٰۃ سے مراد مال سے ایک مقررہ حصہ نکالنا یہ بعد والوں کی اصطلاحیں ہیں۔ قرآن مجید میں زکوٰۃ کا اطلاق مطلق خیرات پر ہوا ہے جس طرح کہ گذشتہ قصص میں زکوٰۃ کی لفظ کا اطلاق صاف بتلاتا ہے کہ مراد اس سے خیرات ہے۔

جواب ۲:۔ زکوٰۃ دینا عبادت ہے اور خوشنودئ خدا کی موجب ہے لہذا منافی خشوع نہیں بلکہ مؤید خشوع ہے جبھی تو خدا نے اس کو مدحیہ رنگ میں بیان فرمایا ہے اور اگر علیؑ نہ سہی کوئی دوسرا بھی ہوتا تب بھی آیت کا مدحیہ رنگ بتلاتا ہے کہ یہ فعل خضوع و خشوع میں اس حد تک مقبولِ بارگاہِ رب العزت ہے کہ مسجد میں تمام نمازیوں کی نمازوں سے یہ نماز بھی قرآن کی ممدوح ہو گئی جس کے رکوع میں صدقہ دیا گیا۔ لہذا اس کو منافی خشوع کہنا کورچشمی اور بدباطنی اور عنادِ علیؑ کا بدترین مظاہرہ ہے ہاں نماز میں جو لوگ ذہنوں کو ترتیب دیا کرتے تھے ان کی نماز میں تو خشوع بدستور رہتا ہو گا۔

جواب ۳:۔ اس کو فعلِ کثیر کہنا صرف اعتراض برائے اعتراض ہے۔ ورنہ سلیم العقل انسان اسے فعلِ کثیر کہنے پر تیار

الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ

زکوٰۃ درحالیکہ وہ رکوع میں ہوتے ہیں جو دوستی رکھتے اللہ اور اس کے رسولؐ سے اور ایمان والوں سے تو اللہ کا گروہ

نہیں ہوسکتا اور لطف یہ کہ یہ اعتراض کرکے اس کے بعد پانچویں سطر پر لکھتا ہے کہ جو لوگ آیت کو مخصوص اس شخص کے حق میں مانتے ہیں جو حالتِ رکوع میں انگوٹھی دے وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ فعلِ قلیل نماز کا مبطل نہیں ہوتا اور حالتِ رکوع میں انگوٹھی دینا فعلِ قلیل تھا۔

ہاں ہاں! دوسرے لوگوں نے بھی اس کے بعد انگوٹھی کی خیرات جاری رکھی۔ لیکن آیت کوئی نہ اتری۔ چنانچہ تفسیر صافی میں حضرت عمر سے مروی ہے کہ میں نے رکوع میں چالیس روز انگوٹھی دی تاکہ حضرت علیؑ کی طرح میرے حق میں بھی کوئی آیت آجائے لیکن نہ آئی۔

جواب ۴:- اسی مقام پر رازی نے خود تسلیم کیا ہے۔ عین فقر و تنگدستی کے عالم میں حضرت علیؑ کی تین صدقہ کردہ روٹیاں سورہ ہل اتی کی موجب ہوئیں اور اگر فقر کے عالم میں روٹیاں صدقہ کی جاسکتی ہیں تو انگوٹھی کیوں نہیں دی جاسکتی؟

آیتِ ولایت کے متعلق کافی سے مروی ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت علیؑ کی ولایت کا فرمان نازل ہوا اور یہ آیت اتری اور خدا نے اولوالامر کی اطاعت کا بھی حکم فرمایا لیکن لوگ صحیح طور پر نہ سمجھ سکے۔ تو پس ارشادِ قدرت ہوا کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی طرح ولایت کی بھی شرح فرمائیں۔ پس حضورؐ نے ارتدادِ اہلِ اسلام کے خطرہ سے توقف فرمایا اور تکذیب کا ڈر بھی تھا تو يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ الخ کی آیت نازل ہوئی اور آپ نے غدیرِ خم میں اعلانیہ طور پر ولایت علیؑ کا حکم سنایا اور آپ نے فرمایا کہ تمام فرائض میں سے ولایت ہی آخری فریضہ تھا اور اس کے بعد اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کو خدا نے نازل فرمایا۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ الخ ص ۱۳۳ :- مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جب یہودیوں کی ایک جماعت مثلاً عبداللہ بن سلام اور ابن صوریا وغیرہ مسلمان ہوئے تو انہوں نے دریافت کیا کہ حضور! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو حضرت یوشع بن نون کو اپنا وصی مقرر فرمایا تھا۔ آپ فرمائیے کہ آپ کا وصی کون ہے؟ تو یہ آیت اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ الخ اتری۔ پس حضورؐ نے فرمایا اٹھو پس وہ اُٹھے اور مسجد کی طرف روانہ ہوئے تو دیکھا کہ ایک سائل مسجد سے نکل رہا ہے۔ حضورؐ نے سائل سے دریافت کیا کہ تجھے کسی نے کچھ دیا بھی ہے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ ہاں یہ انگوٹھی۔ تو آپ نے پوچھا کہ کس نے دی ہے؟ تو کہا کہ اس نے جو نماز پڑھ رہا ہے فرمایا کہ کس حالت میں تجھے دی؟ تو جواب دیا کہ حالتِ رکوع میں۔ پس آپ نے تکبیر کی آواز بلند کی اور اہلِ مسجد نے بھی تکبیر کی آواز بلند کی تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ علیؑ میرے بعد تمہارا ولی ہے تو انہوں نے جواب دیا۔ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا وَبِعَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ وَلِيًّا روایات میں لفظی اختلاف ضرور ہے لیکن اس مقصد میں سب

اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ

ہی غالب ہونے والا ہے — اے ایمان والو — نہ بناؤ ان کو — جو بناتے ہیں — تمہارے دین کو مسخری

هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ

اور کھیل — یعنی وہ جو دیئے گئے — کتاب — تم سے پہلے — اور کافر لوگ (نہ بناؤ ان کو)

متفق ہیں کہ آیتِ مجیدہ حضرت علیؑ کے حق میں اُتری ہے بعض لوگوں نے وَلایت اور وِلایت کے معنوں میں فرق کیا ہے کہ فتح کے ساتھ ہو اس کا معنی ہے نصرت اور کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے امامت وحکومت۔

انگوٹھی کی حقیقت

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ انگوٹھی کا وزن چار مثقال تھا جو چاندی کی تھی اور نگینہ یاقوت سرخ کا تھا جس کا وزن چار مثقال تھا اور اس کی قیمت ملک شام کا خراج تھا اور یہ انگوٹھی مروان بن طوق کی تھی جس کو حضرت امیر علیہ السلام نے قتل کیا تھا اور انگوٹھی غنیمت میں آئی تھی اور حضرت رسالتمآبؐ نے وہ انگوٹھی حضرت علیؑ کو دیدی تھی پس حضرت نے حالتِ رکوع میں سائل کو دے دی۔

غزالی سے سر العالمین میں منقول ہے کہ یہ انگوٹھی حضرت سلیمان بن داؤد کی انگوٹھی تھی اور شیخ طوسی سے منقول ہے کہ انگوٹھی کا واقعہ چوبیس ذوالحجہ کے دن کا ہے اور مباہلہ بھی ۲۴ ذی الحجہ کو ہوا تھا اور اس آیت کے حضرت علیؑ کے حق میں نازل ہونے کی روایت سنی وشیعہ ہر دو نے نقل کی ہے اور معنوی تواتر اس کو حاصل ہے اور یہ آیت حضرت علیؑ کی خلافتِ بلافصل پر واضح وغیر مبہم دلیل ہے۔ اس کی تردید صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو دیدہ دانستہ حضرت علیؑ سے انحراف رکھتے ہیں۔ اور اَلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ کے مصداق ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اجعلنا من المتمسكين بولاء علي و اولاده المعصومين۔

رکوع نمبر ۱۳

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ۔ کہتے ہیں کہ رفاعہ بن زید اور سوید بن حارث نے اسلام قبول کیا تھا لیکن پھر منافقانہ طریقہ اختیار کر لیا اور بعض مسلمان ان سے محبت کرتے تھے تو ان کو منع کیا گیا اور ان کو کافر کے لفظ سے یاد کیا گیا کیونکہ نفاق کفر سے بھی سخت تر ہے

هُزُوًا وَّلَعِبًا۔ یعنی وہ لوگ جو دین کو مسخری اور کھیل سمجھتے ہیں وہ اس قابل نہیں کہ ان کو دوست بنایا جائے کیونکہ اگر وہ تمہارے سچے دوست ہوتے تو تمہارے دین کو محلِ تمسخر نہ بناتے اور تمہارا مومن ہونا قطعاً اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا کہ دین کے دشمنوں کے ساتھ بھی تم دوستی رکھے رکھو بلکہ یہ تمہاری ایمانی کمزوری ہوگی اور اس سے مومنوں کو درس حاصل

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا

دوست اور اللہ سے ڈرو اگر تم ہو ایمان دار اور جب بلاؤ تم نماز کے لئے تو بناتے ہیں اس کو

هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ

مسخری اور کھیل یہ اس لئے کہ وہ لوگ نہیں سمجھتے کہہ دیجئے اے اہلِ کتاب نہیں تم

تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ

نکتہ چینی کرتے ہو ہم سے مگر اس لئے کہ ہم ایمان لائے اللہ کے ساتھ اور اس کے ساتھ جو ہم پر اتری اور جو اتری پہلے

وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً

اور تحقیق اکثر تمہارے فاسق ہیں کہہ دیجئے کیا میں تم کو بتاؤں بُرا اس (نکتہ چینی سے) اللہ کے نزدیک

کرنا چاہیئے کہ جو لوگ مذہب حقہ کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں۔ ان کو دوست بنانا اس آیت مجیدہ کی رُو سے قطعاً ناجائز ہے۔

وَاِذَا نَادَيْتُمْ :۔ اس جگہ ندا سے مراد اذان ہے اور لوامع التنزیل میں منقول ہے کہ اذان کو سُن کر کفار کی ایک جماعت حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ یہ نئی چیز کیسی ایجاد کر لی ہے حالانکہ تم سے پہلے نبیوں نے تو یہ کام کبھی نہیں کیا تھا۔ یہ چیخنا اور آواز بلند کرنا درست نہیں ہے تو خدا نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مسئلہ :۔ ہر نماز فریضہ یومیہ سے پہلے اذان مستحب ہے اور حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلِ جزو اذان ہے۔ نیز اذان میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ حضرت عمر کے زمانہ سے رائج ہوئی جیسا کہ کتب احادیث میں مرقوم ہے

مسئلہ :۔ اذان واقامت میں اشھد ان علیًا ولی اللہ یا اس کے معنی کو ادا کرنے والا جملہ شہادت رسالت کے بعد کہنا مستحب ہے۔ اذان کے ثواب کے متعلق حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ جہاں تک اس کی آواز پہنچے گا ہر خشک و تر چیز بروز محشر اس کی گواہی دے گی۔

وَاَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ :۔ یعنی باوجودیکہ سمجھتے ہو کہ ہمارا دین حق ہے لیکن صرف اپنی شکم پری اور طمع وظائف کی خاطر اور اپنی ریاست کی برقراری کے لئے ہی حسد کرتے ہو لہذا تمہاری تکذیب اور عیب جوئی دیانت کے پیش نظر نہیں بلکہ فاسقانہ عنوان سے ہے۔

بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ :۔ یعنی تم عیب جوئی بھی کرتے ہو اور نکتہ چینی بھی کرتے ہو لیکن انجام کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک بُرا تو وہ شخص ہے جس پر اللہ کی لعنت ہو اور بندر سؤر بنایا گیا ہو اور جب دنیا میں یہ انجام ہے تو آخرت کا

عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ مَنۡ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيۡهِ وَجَعَلَ مِنۡهُمُ الۡقِرَدَةَ وَ

جزا کے اعتبار سے وہ ہے جس پر لعنت ہو اللہ کی اور اس کا غضب ہو اس پہ اور بنائے ہوں ان سے بندر اور

الۡخَنَازِيۡرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوۡتَ ؕ اُولٰٓـئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنۡ سَوَآءِ

سور اور عبادت کی ہو شیطان کی وہ بُرا ہے ٹھکانے میں اور گمراہ ہے سیدھے راستے

السَّبِيۡلِ ۞ ٦٠ وَاِذَا جَآءُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوۡا بِالۡكُفۡرِ وَهُمۡ

سے اور جب آئیں تمہارے پاس تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ آئے بھی کفر کے ساتھ اور وہ

قَدۡ خَرَجُوۡا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا كَانُوۡا يَكۡتُمُوۡنَ ۞ ٦١ وَتَرٰى كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ يُسَارِعُوۡنَ

گئے بھی اس کے ساتھ اور اللہ جانتا ہے اس کو جو وہ چھپاتے ہیں اور دیکھو گے بہت سوں کو ان سے

فِى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَاَكۡلِهِمُ السُّحۡتَ ؕ لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۞ ٦٢ لَوۡلَا

کہ جلدی کرتے ہیں گناہ و سرکشی میں اور حرام کھانے میں البتہ بُرا ہے وہ جو عمل کرتے ہیں کیوں نہیں

يَنۡهٰٮهُمُ الرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ عَنۡ قَوۡلِهِمُ الۡاِثۡمَ وَاَكۡلِهِمُ السُّحۡتَ ؕ

روکتے ان کو خدا پرست اور علماء لوگ ناجائز کہنے اور حرام کھانے سے

انجام بھی معلوم ہے کہ عذاب جہنم ہوگا۔

وَعَبَدَ الطَّاغُوۡتَ عَبَدَ فعل ماضی ہے اور اس کا عطف لَعَنَهُ پر ہے یعنی بُرا انجام ان کا ہوگا۔ جن پر اللہ کی لعنت ہے۔ اور جنہوں نے طاغوت کی پوجا کی۔

تفسیر صافی میں منقول ہے کہ جن کو بندر بنایا گیا وہ اصحاب سبت ہیں اور جن کو سور بنایا گیا وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ پر مائدہ نازل ہونے کے بعد کفر کیا اور ایک قول ہے کہ سب سے اہل سبت مراد ہیں کیوں کہ ان میں سے جوانوں کو بندر اور بوڑھوں کو سوٗر بنایا گیا تھا۔

اور طاغوت کی پوجا کرنے والے وہ ہیں جنہوں نے گوسالہ پرستی کی۔

لَوۡلَا يَنۡهٰهُمۡ ۔ آیت مجیدہ میں پرزور سرزنش ان لوگوں کیلئے ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے غافل ہیں اور گناہ کبیرہ کرنے والے سے بھی ان لوگوں کی مذمت سخت الفاظ سے کی گئی ہے کیونکہ گناہ کرنے والوں کو لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ کہا یعنی

لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ

البتہ وہ بُرا پیشہ کرتے ہیں — اور کہا یہودیوں نے کہ ہاتھ اللہ کے بند ہیں — بندھے جائیں

أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ

ہاتھ ان کے اور ان پر لعنت کی گئی بوجہ اس کے جو کہا انہوں نے بلکہ اس کے ہاتھ کھلے ہیں وہ خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے

بُرا عمل کرتے ہیں اور نہی عن المنکر نہ کرنے والوں کو لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ کہا کہ بُرا پیشہ ہے ان کا۔ کیونکہ عمل کو کام کہا جاتا ہے اور صناعت پیشہ یا کام میں مہارت اور کاریگری کو کہا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ کام کرنا اور ہے اور پیشہ ور ہونا اور ہے کیونکہ عمل اور کاریگری کے درمیان فرق ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نیکی کو چھوڑنا کسی گناہ کے کرنے سے زیادہ بُرا ہے کیونکہ گناہ کرنے والا لذت کے لئے کرتا ہے لیکن جو نیکی کو چھوڑتا ہے اس میں اس کو کوئی لذت نہیں ہوتی۔ صرف سرکشی اور عناد کے لئے اس کو چھوڑتا ہے (صافی)

بروایت کافی حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ تم سے قبل وہ لوگ ہلاک ہوگئے جو برائیاں کرتے تھے اور ان کو علماء اور خدا پرست منع نہ کرتے تھے پس ان دونوں پہ عذاب نازل ہوئے اور رَبَّانِيُّونَ کا معنی گیارہویں رکوع کی تفسیر میں گذر چکا ہے ص۱۱۲ اور سحت کی تفسیر دسویں رکوع کے بیان میں مذکور ہو چکی ہے ص۱۱ لہذا یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے

نکتہ:۔ گناہ کی تین قسمیں ہیں۔ ایک صرف قولی اور اس کو اثم سے تعبیر کیا گیا ہے دوسرا باہمی حقوق کی عدم رعایت جس کو عدوان کہا گیا ہے اور تیسرا مخصوص اپنی ذات کے لئے جس کو اکل سحت حرام خوری سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن دوسری آیت میں عدوان کو ترک کرنا شائد اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ اثم کا اطلاق عدوان پر بھی ہو سکتا ہے۔

قَالَتِ الْيَهُودُ:۔ شاہ عبد القادر نے موضح القرآن میں لکھا ہے یہود میں بولنا رواج تھا کہ اللہ کا ہاتھ بند ہوا یعنی ہم پہ روزی تنگ ہوئی۔ یہ کفر کا لفظ ہے فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ کبھی بند نہیں بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ قہر کا اور مہر کا تم پر اب قہر کا ہاتھ کھلا اور مہر کا ان پر (مسلمانوں پر)

غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ:۔ اس میں تین قول ہیں (۱) قیامت کے روز ان کے ہاتھ بند کئے جائیں گے اور عذاب خدا میں گرفتار ہوں گے (۲) دنیا میں یہ لوگ بخل اور لعنت کے عذاب میں گرفتار کئے گئے کہ یہودیوں کو روئے زمین پر جہاں دیکھو بخیل اور ذلیل ہوگا (۳) بددعا کا کلمہ ہے گویا مومنوں کی تعلیم کے لئے ہے کہ تم ان کو ایسا کہا کرو جس طرح قرآن مجید میں انشاء اللہ کا استعمال مومنوں کی تعلیم کے لئے ہے (مجمع)

يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ:۔ چند اقوال ہیں (۱) قہر و مہر (۲) ید کا معنی نعمت۔ یہاں نعمت دنیا و آخرت دونوں مراد

وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا

اور زیادہ کرے گی ان کے بہت سوں کو وہ چیز جو تجھ پر اتری ہے تیرے پروردگار سے سرکشی اور کفر میں اور ڈال

بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ

دی ہم نے ان میں دشمنی اور کینہ قیامت تک جب بھی وہ روشن کرتے ہیں آگ (آپ کے ساتھ)

أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٤﴾

لڑنے کے لئے تو خدا اس کو بجھا دیتا ہے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد کی اور اللہ نہیں دوست رکھتا فسادیوں کو

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ

اور اگر تحقیق اہل کتاب ایمان لاتے اور بچتے تو معاف کرتے ہم ان کی برائیوں کو اور داخل کرتے

ہیں (۳) نعمت ظاہری و باطنی اور تفسیر صافی میں آیت مجیدہ کی تفسیر کے بارے میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہودی کہتے تھے عذاب فارغ ہو چکا ہے کہ جو کرنا تھا اس نے کر دیا یعنی تقدیر اس کی مقرر ہو چکی ہے اب اس میں وہ پابند ہے کم و بیش نہیں کر سکتا تو خدا اس کی تردید فرماتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں اس کے دونوں ہاتھ محو و اثبات کے کھلے ہیں۔ جسے چاہے مٹا دے اور جسے چاہے ثابت رکھے۔ وہ پابند نہیں ہے (اور اسی کا نام بدا ہے) اور حضرت امام رضا علیہ السلام نے سلیمان مروزی کے سامنے بدا کے ثابت کرنے کے لئے اس آیت سے استدلال فرمایا تھا۔

كُلَّمَا أَوْقَدُوا :- یعنی جب بھی وہ آپس میں اتفاق کر کے آپ سے لڑنے کی تیاریاں کرتے ہیں تو خدا ان میں پھوٹ ڈال دیتا ہے پس ان کی آگ بجھ جاتی ہے یا یہ کہ جب بھی سرکشی کے لئے سر اٹھاتے ہیں تو ان پر عذاب بھیج دیتا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ سرکشی کی تو بخت نصر ان پر مسلط ہوا۔ دوبارہ کی تو فطرس رومی مسلط ہوا۔ تیسری دفعہ مجوسیوں نے ان کو تباہ کیا۔ اب مسلمان ان پر مسلط ہوئے کہ بنو قریظہ کو قتل کیا۔ بنو نضیر جلاوطن ہوئے اور خیبر و فدک والوں کی شوکت توڑ دی گئی (از صافی)

وَلَوْ أَنَّ :- یعنی اگر اہل کتاب یہودی و نصرانی حضرت رسالتمآبؐ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان لاتے تو ان کی پہلی غلطیاں معاف کر دی جاتیں اور گناہوں کی مغفرت کے بعد وہ جنت میں داخل کئے جاتے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ :- یعنی اگر یہ لوگ تورات و انجیل پر صحیح معنوں میں ثابت قدم رہتے یعنی ان کی تحریف نہ کرتے اور جو کچھ ان میں احکام خداوندی تھے ان کو بجا لاتے اور ان کو چھپانے کی کوشش نہ کرتے اور من جملہ دیگر احکام کے ان کتابوں

جَنّٰتِ النَّعِيمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ

ان کو باغات نعمت میں اور اگر وہ قائم کرتے تورات و انجیل کو اور جو کچھ اترا ہے

اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ

ان پر اپنے پروردگار سے تو کھاتے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے ان میں سے ایک گروہ

اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ

ہے منصف مزاج اور بہت ان کے بدعمل ہیں اے رسول پہنچا وہ

مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ

جو نازل ہوئی تجھ پر تیرے پروردگار سے اور اگر یہ نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اور اللہ

میں حضرت رسالتمآبؐ کی نبوت کی نص بھی موجود تھی اور اہل بیت اطہار کی ولایت کی تاکید بھی ان میں تھی۔ گویا بمقتضائے تورات و انجیل محمدؐ و آل محمدؐ کی غلامی اختیار کر لیتے تو ان کو عذاب کے دن نہ دیکھنے پڑتے۔ جس طرح کہ اب قتل اور جلا وطنی کی سزاؤں میں مبتلا کئے گئے ہیں بلکہ گھروں میں امن و چین سے بیٹھ کر اوپر اور نیچے سے خدا کا رزق کھاتے۔ یعنی کھجوروں، انگوروں اور دیگر اشجار میوہ دار جو سر کے اوپر سایہ فگن ہوتے ہیں۔ ان کے پھل کھاتے اور سبزیاں جو زمین سے اُگتی ہیں وہ کھاتے اور ممکن ہے یہ مراد ہو کہ اُوپر سے بارش نازل ہو کر زمین کو آباد کرتی اور آسمان و زمین کی برکات سے مستفیض ہوتے۔

اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ :۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

رکوع نمبر ۱۴

خم غدیر کا دور

ہجرت کے دسویں سال جب جناب رسالتمآبؐ نے حج بیت اللہ کا قصد فرمایا تو لوگوں میں اعلان کر دیا گیا۔ پس مدینہ میں بہت زیادہ مخلوق جمع ہوگئی اور ہجرت کے بعد حضورؐ نے صرف یہی ایک حج کی تھی اور ذوالقعدہ ۱۰ھ کی پانچویں یا چھٹی کو بروز سنیچر بمعہ اہل پردہ روانہ ہوئے اور مہاجر و انصار اور دیگر اطراف و نواح کے مسلمانوں میں سے بہت کافی تعداد آپ کے ہمرکاب تھی اور جس زمانہ میں آپ روانہ ہوئے تھے اس وقت مدینہ میں چیچک کی وبا عام تھی جس کی وجہ سے بہت سے لوگ نہ جا سکے تھے۔ لیکن بایں ہمہ ساتھ جانے والوں کی تعداد کم از کم نوّے ہزار اور زیادہ سے زیادہ سوا لاکھ تھی اور یہ تعداد ان لوگوں کی ہے جو مدینہ سے ہمرکاب ہو کر گئے تھے اور یمن و طائف

يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۶۷

بچائے گا تجھے لوگوں (کے شر) سے تحقیق اللہ نہیں ہدایت کرتا کافر لوگوں کو

یا دیگر اطراف سے جو لوگ مکہ میں شریک حج ہوئے تھے۔ وہ ان کے علاوہ تھے۔

اتوار کی صبح یلملم میں پہنچے۔ پھر شام کو شرف السیالہ پہنچ گئے۔ مغرب و عشاء کی نمازیں وہاں ادا فرمائیں اور روانہ ہو گئے۔ چنانچہ سوموار صبح کی نماز عرق الظبیہ میں پڑھی پھر روحا میں پہنچے اور وہاں سے روانہ ہو کر نماز مغرب بنی راستہ میں ادا کی اور منگل کا دن مقام عرج میں ہوا۔ پھر بروز بدھ مقام سقیا پر پھر بروز خمیس مقام ابوا پر نماز صبح ادا فرمائی اور روانہ ہوئے پس جمعہ کے دن جحفہ میں پہنچے اور سنیچر مقام قدید اتوار مقام عسفان یہاں سے روانہ ہو کر جب مقام غمیم میں پہنچے تو پیدل چلنے والوں نے صف بستہ ہو کر تھکان کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا دوڑو نہیں بلکہ تیز تیز چلو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پس سوموار کے دن مقام مرظہران میں پہنچے اور وہاں سارا دن رہے اور وہاں سے چل کر اگرچہ سورج غروب ہو گیا تھا لیکن نماز مغرب مکہ میں پہنچ کر ادا فرمائی۔ جب مناسک حج ادا کر کے واپس مدینہ کو روانہ ہوئے اور تمام ساتھی بھی ہمراہ تھے یہاں تک کہ مقام غدیر خم پر پہنچے جو جحفہ کی حدود میں ہے اور اسی مقام سے مصر بصرہ۔ کوفہ اور مدینہ کے راستے پھوٹتے ہیں۔ یہ خمیس کا دن تھا اور اٹھارہ ذوالحجہ کی تاریخ تھی۔ پس جبرئیل امین نازل ہوئے اور خداوند کریم کی جانب سے يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ (الآیہ) کا پیغام لائے اور حکم سنایا کہ علیؑ کو لوگوں کا امام و ہادی مقرر فرمائیں اور ولایت کے فرض کی اہمیت اور وجوب اطاعت ہر ایک کو سمجھائیں۔ پس آپ نے حکم دیا کہ آگے نکل جانے والوں کو واپس بلایا جائے اور پیچھے آنے والوں کا انتظار کیا جائے اور حکم دیا کہ کیکر کے ان پانچ بڑے درختوں کے نیچے صفائی کر دی جائے۔ چنانچہ جھاڑو دیکر اس جگہ کو صاف کر دیا گیا پس ظہر کی اذان ہوئی تو آپ ان درختوں کے نیچے تشریف لائے اور لوگوں کو نماز ظہر پڑھائی۔ سورج کی تمازت کا یہ عالم تھا کہ لوگ اپنی رداء کے کچھ حصہ سے سروں کو ڈھانپتے تھے اور کچھ حصہ پاؤں کے نیچے دیتے تھے اور جناب رسالتمآبؐ کے لئے کیکر کی شاخ پر حضورؐ کے سر کے اوپر ایک کپڑا تان دیا گیا تھا۔ جب نماز ختم ہوئی تو پالانوں کے منبر پر خطبہ کے لئے کھڑے ہو گئے جو مجمع کے عین وسط میں تھا اور بلند آواز کے ساتھ پورے مجمع کو اپنا خطبہ سنایا۔

خداوند کریم کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا لوگو! میں عنقریب بلایا جانے والا ہوں اور میں چلا جاؤں گا۔ مجھ سے بھی باز پرس ہو گی اور تم سے بھی باز پرس ہو گی تو تم کیا جواب دو گے! سب نے جواب دیا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے تبلیغ اور ہماری خیر خواہی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ خداوند کریم آپ کو جزا دے۔ آپ نے فرمایا کیا تم شہادت دیتے ہو کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں اور محمد اس کا عبد و رسولؐ ہے اور جنت و نار و موت سب حق ہیں۔ نیز قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور خدا قبروں میں سے سب کو اٹھائے گا تو سب نے جواب دیا کہ ہم ان کی شہادت دیتے

ہیں تو آپ نے کہا اے اللہ تو گواہ رہ۔ پھر فرمایا لوگو! ایک بات سنو۔ سب نے کہا حضورؐ فرمائیے۔ تو ارشاد فرمایا۔ میں حوض کوثر پر آپ کا منتظر ہوں گا اور تم لوگ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچو گے اور اس پر ستاروں کی تعداد میں چاندی کے پیالے ہوں گے پس خیال کرنا اور دیکھنا میرے بعد ثقلین سے کیا سلوک کرتے ہو تو کسی نے آواز دے کر پوچھا حضورؐ! ثقلین کا مطلب سمجھائیے کہ وہ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ثقل اکبر اللہ کی کتاب ہے جس کا ایک کنارہ اللہ کے ہاتھ میں اور دوسرا تمہارے پاس ہے اس کے ساتھ تمسک رکھنا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے اور ثقلِ اصغر میری عترت ہے اور مجھے لطیف و خبیر خدا نے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک حوضِ کوثر پر میرے پاس پہنچیں گے پس ان دونوں سے آگے نہ ہونا ورنہ گمراہ ہو گے اور ان دونوں کے حق میں کوتاہی نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو گے۔

اس کے بعد علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور اس قدر بلند فرمایا کہ دونو کی بغلوں کی سفیدی نمودار ہو گئی اور تمام لوگوں نے حضرت علیؑ کو دیکھ لیا اور پہچان لیا۔ پس فرمایا اَیُّھَا النَّاسُ مَنْ اَوْلیٰ النَّاسِ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ؟ یعنی لوگو تمام لوگوں میں سے کون ہے؟ جو مومنوں کا ان کے نفسوں سے بھی زیادہ مالک ہے؟ تو کہنے لگے اللہ اور اس کا رسولؐ اس کو جانتے ہیں۔ پس فرمایا اللہ میرا مولا ہے اور میں مومنوں کا مولا ہوں اور میں ہی ان کے نفسوں سے زیادہ ان پر حق ملکیت رکھتا ہوں۔ فَمَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے اور اس فقرہ کو تین بار دہرایا اور احمد بن حنبل کی روایت میں ہے کہ چار بار دہرایا۔ پھر فرمایا اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ وَ اَحِبَّ مَنْ اَحَبَّہٗ وَابْغِضْ مَنْ اَبْغَضَہٗ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَہٗ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَہٗ وَاَدِرِ الْحَقَّ مَعَہٗ حَیْثُ دَارَ اے اللہ دوست رکھ اس کو جو علیؑ کو دوست رکھے اور دشمن ہو اس کا جو علیؑ کا دشمن ہو محبوب کر اس کو جو اس سے محبت کرے اور مبغوض کر اس کو جو اس سے بغض رکھے اور مدد کر اس کی جو اس کی مدد کرے اور ذلیل کر اس کو جو اس کو ذلیل کرے اور پھیر حق کو اس کے ساتھ کہ جہاں یہ ہو اور فرمایا جو لوگ موجود ہیں ان کا فرض ہے کہ یہ میرا حکم غیر موجودین کو پہنچا دیں۔ پس ابھی تک لوگ متفرق نہ ہوئے تھے کہ امین جبریل پھر نازل ہوا اور یہ آیت لایا۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (الآیہ) آج میں نے تمہارا دین کامل کیا اور تمہارے اوپر نعمتوں کو تمام کیا اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ پس حضورؐ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ دین کامل ہوا اور نعمت تمام ہوئی اور میری رسالت پر رب رضامند ہوا اور میرے بعد علیؑ کی ولایت کو پروردگار نے واجب کیا۔

پس تمام لوگ حضرت علیؑ کو مبارکباد دینے لگ گئے اور سب سے پہلے شیخین یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کہنے والے تھے بَخٍ بَخٍ لَکَ یَا ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اَصْبَحْتَ وَ اَمْسَیْتَ مَوْلَایَ وَمَوْلیٰ کُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَۃٍ مبارک مبارک اے فرزندِ ابوطالب آپ ہمارے اور ہر مومن مرد و عورت کے مولا ہو گئے اور ابن عباس نے وہیں کہہ دیا تھا کہ خدا کی قسم اب یہ چیز لوگوں کی گردنوں میں پڑ گئی ہے تو حسان بن ثابت نے عرض کی حضورؐ! مجھے اجازت مرحمت فرمائیے تاکہ میں حضرت علیؑ کی

مدح میں کچھ اشعار آپ کے سامنے کہوں تو حضورؐ نے فرمایا اللہ کی برکت سے کہو چنانچہ حسان اٹھا اور کہنے لگا اے بزرگانِ قریش سُن لو کہ رسولؐ کے سامنے میرا قولِ ولایت کے معاملہ میں ناقابلِ تردید ہوگا اور اس کے بعد اس نے اپنا قصیدہ پیش کیا۔

یُنَادِیْھِمْ یَوْمَ الْغَدِیْرِ نَبِیُّھُمْ	غدیر کے دن ان سب کو حضرت رسالتمآبؐ بلند
بِخُمٍّ وَاسْمِعْ بِالرَّسُوْلِ مُنَادِیَا	آواز سے فرما رہے تھے۔ مقامِ غدیرِ خم میں اور رسولؐ کی
یَقُوْلُ فَمَنْ مَوْلَاکُمْ وَ وَلِیُّکُمْ	آواز سب لوگ سُن رہے تھے۔ آپ فرما رہے تھے کہ
فَقَالُوْا وَلَمْ یُبْدُوْا ھُنَاکَ التَّعَادِیَا	(اے لوگو!) تمہارا مولا اور ولی کون ہے؟ تو انہوں نے جواب
اِلٰھُکَ مَوْلَانَا وَ اَنْتَ وَلِیُّنَا	دیا تھا اور اس میں کوئی کدورت ظاہر نہ کی تھی کہ اللہ
وَلَمْ تَرَ مِنَّا فِی الْوِلَایَۃِ عَاصِیَا	ہمارا مولا ہے اور تو ہمارا ولی ہے اور ہم میں سے
فَقَالَ لَہٗ قُمْ یَا عَلِیُّ فَاِنَّنِیْ	ولایت کے معاملہ میں آپ کا کوئی نافرمان نہ ہوگا۔ تو حضورؐ
رَضِیْتُکَ مِنْ بَعْدِیْ اِمَامًا وَّ ھَادِیَا	نے (حضرت علیؑ کی طرف متوجہ ہوکر) فرمایا اے علیؑ
فَمَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا وَلِیُّہٗ	کھڑے ہو جاؤ میں تجھے اپنے بعد والوں کا امام و ہادی مقرر کرتا
فَکُوْنُوْا لَہٗ اَنْصَارَ صِدْقٍ مُّوَالِیَا	ہوں پس جس کا میں مولا ہوں تو اس کا یہ ولی ہے پس تم لوگ اس کے
ھُنَاکَ دَعَا اللّٰھُمَّ وَالِ وَلِیَّہٗ	سچے مددگار اور دوست بن جاؤ۔ وہاں یہ دعا بھی کی کہ اے اللہ
وَکُنْ لِلَّذِیْ عَادٰی عَلِیًّا مُعَادِیَا	اس کے دوست کو دوست رکھ اور جو اس کے ساتھ دشمنی

رکھے اس کو تو اپنا دشمن قرار دے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ معاملہ بہت اہم ہے اور اسلامی جمیع احکام کے مقابلہ میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ اسی پر تمام نظامِ اسلام کا دار و مدار تھا اور اسی بنا پر اپنے رسولؐ کو خالق نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو نے یہ ایک کام نہ کیا تو گویا رسالتؐ کا کوئی کام بھی نہ کیا۔ پس حضورؐ نے پورے اہتمام کے ساتھ اس کو ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اس سے کم و بیش کے مجمع میں اعلان کے طور پر لوگوں تک پہنچایا اور ان سے زبانی عہد بھی لیا اور عملی طور پر بیعت بھی کرائی۔ پس اس کے نقل و روایت کا اہتمام بھی اللہ سبحانہ کی غیبی نصرت حق سے اس قدر امت میں ظہور پذیر ہوا کہ اسلام کے کسی بڑے سے بڑے رکن کے متعلق اس قدر اہتمام نہیں کیا گیا اور سچ تو یہ ہے کہ ولایت سے بڑا رکن اسلام میں کوئی ہے ہی نہیں اور نقل و روایت کا غیر معمولی اہتمام ہی صاف بتلاتا ہے کہ اسلامی جملہ احکام و فرائض میں جو مقام اس کو حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں۔ کیوں نہ ہو۔ جب تبلیغِ رسالت میں اس کے مقابلہ کی کوئی تبلیغ نہیں کیوں کہ صاف لفظوں میں کہا گیا، اگر یہ تبلیغ نہیں کی تو کوئی تبلیغ نہیں کی۔ گویا تمام تبلیغات کی مقبولیت کا دار و مدار اسی ایک تبلیغ پر تھا۔ یہی تو وجہ ہے کہ جب بیعت ہو چکی اور مبارکباد کا قصہ ختم ہو گیا تو جبرئیلؑ تکمیلِ دین کا پیغام لایا اور حضورؐ نے خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا کہ پروردگار نے

مجھے تبلیغ کی کامیابی کی سند دے دی تو جب مقامِ تبلیغ میں اس کے بغیر تبلیغ کامل نہیں تو مقامِ عمل میں اس عمل کے بغیر کوئی عمل کیسے کامل ہوگا اور اگر نبی کی تبلیغات بغیر اس تبلیغ کے نہ ہونے کے برابر تھیں تو امت کے اعمال اس عمل کے بغیر کس طرح عمل کہلانے کے مستحق ہیں؟ اور بالجملہ جب اسلام اسلامِ کامل کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا تو مسلمان مسلمانِ کامل کب بن سکتا ہے ؟

اسی بنا پر تو حسرت و تعجب کے مقام پر امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ لوگوں کو دو گواہوں سے حق مل جایا کرتا ہے لیکن حضرت علیؑ کو ایک لاکھ چوبیس ہزار گواہوں کے باوجود حق نہ مل سکا۔ اب ذرا اس روایت کے نقل کا اہتمام دیکھئے۔

(۱) صحابہ کبار میں سے اس کو ایک سو دس صحابہ نے نقل کیا ہے جن میں سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان حضرت عائشہ اور عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ اور زبیر وغیرہ بھی ہیں۔

(۲) تابعین میں چوراسی تابعی ہیں۔ جنہوں نے حدیثِ غدیر کو نقل کیا ہے اور تفصیل حوالہ جات ان بزرگواروں کے نام معلوم کرنے کے لئے کتاب الغدیر مصنفہ علامہ عبدالحسین مدظلہ العالی کی جلد اول ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) صحابہ اور تابعین کے بعد ہر دور کے اکابر علماء نے اس روایت کو مسلم طور پر نقل کیا ہے۔
پہلی صدی میں تو صحابہ کرام و تابعین سے بڑھ کر اور کون زیادہ عالم ہوگا۔

دوسری صدی میں چھپن۔ تیسری صدی میں ۹۲، چوتھی صدی میں ۴۳، پانچویں صدی میں ۲۴، چھٹی صدی میں ۲۱، ساتویں صدی میں ۲۱، آٹھویں صدی میں ۱۸، نویں صدی میں ۱۶، دسویں صدی میں ۱۴، گیارہویں صدی میں ۱۲، بارہویں صدی میں ۱۴، تیرہویں صدی میں ۱۱۔ چودہویں صدی میں ۱۱ یعنی صحابہ و تابعین کے بعد تین سو ساٹھ اجلاء علماء نے اس حدیث کی تصدیق کی اور اس کو اپنی کتابوں میں نقل کیا

(۴) صرف اسی ایک حدیثِ غدیر پر آج تک جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ بھی بہت زیادہ ہیں۔ علامہ امینی نے چھبیس مصنفین شمار کئے ہیں جنہوں نے اسی مخصوص عنوان پر کتابیں لکھی ہیں اور سب سے آخر یہ کتاب غدیر ہے جو گذشتہ مطالب کی جامع اور اپنے فن میں بے نظیر کتاب ہے اس کی گیارہ جلدیں چھپ چکی ہیں۔ باوجود اس کے کہ دشمنانِ علیؑ ہر دور میں حضرت علیؑ کے فضائل و مناقب کو چھپانے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے رہے لیکن پھر بھی یہ حدیث تواتر میں اس حد تک پہنچی ہے کہ کوئی حدیث اس کے مقابلہ میں یہ مقام نہ حاصل کر سکی۔

دیکھئے فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں اسی آیت مجیدہ کے ماتحت لکھتا ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے مکر سے بے خوف ہونے کی تلقین کے لئے آئی ہے یعنی حکم ہے کہ ان لوگوں سے ڈرے بغیر کلمۂ حق کہہ دیا کرو اور باوجود اس کے پھر بھی حدیثِ غدیر نقل کر ہی گیا۔ بیچارہ منہ مروڑنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن دستِ غیب سے چپت رسید ہوئی تو منہ سے نکل ہی گیا اور وہ بھی اِدھر اُدھر کے رطب و یابس اقوال اکٹھے کر کے آخر میں حدیثِ غدیر بھی امام محمد باقر علیہ السلام کا قول کہہ کر ذکر کر دی۔ رازی کو اچھی طرح معلوم ہے کہ سورہ مائدہ تمام قرآنی سورتوں کے بعد نازل ہوئی۔ جیسا کہ تمام مفسرین کا اتفاق ہے۔ تو

یہودیوں کا اقتدار تو اس سے پہلے ختم ہو چکا تھا اور مدینہ میں تو ان کا نام ونشان تک نہ تھا۔ حتیٰ کہ خیبر و فدک کے یہودی بھی جزیہ تسلیم کر چکے تھے اور نصرانی بھی مباہلہ کے بعد جزیہ پر راضی ہو گئے تھے۔ اسلام اب پورے عروج پر تھا۔ لہٰذا رسولؐ کو ان سے غم کھانے کی کیا ضرورت تھی کہ خدا کو جبرئیلؑ بھیج کر ضمانت دینی پڑ گئی۔ ہاں ہاں! حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے۔ جن لوگوں کی تخریبی کارروائیوں کا ڈر تھا۔ وہ درپے آزار تھے لیکن وہ یہود و نصاریٰ نہ تھے بلکہ وہ اپنوں میں سے تھے اور وہ وہی تھے جن کے متعلق حضرت کئی بار فرما چکے تھے کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا اور حدیث حوضِ کوثر میں بھی ان کو بار بار متنبہ کر چکے تھے جو کتب صحاح میں موجود ہے۔

کتاب الملل والنحل شہرستانی سے منقول ہے حضورؐ نے فرمایا تھا۔ مجوس کے ستر فرقے ہوئے۔ یہود کے اکہتر فرقے ہوئے۔ نصاریٰ کے بہتر فرقے ہوئے اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے اور ہر امت میں ناجی صرف ایک فرقہ ہی ہوا ہے اور ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علیؑ کی ولایت کے اعلان کا حکم پہنچا تو حضورؐ چونکہ جانتے تھے کہ منافق لوگ باتیں بنائیں گے اور نہ مانیں گے اور ممکن ہے اختلاف کر کے علمِ بغاوت کھڑا کر دیں تو خداوندکریم نے اس امر کی ضمانت دی کہ ان کے فساد کا میں ضامن ہوں اور آپ کو محفوظ رکھوں گا۔

تفسیر صافی میں ایک لمبی روایت کے ذیل میں جسمیں حضورؐ کا خطبۂ غدیر یہ تفصیلاً منقول ہے ذکر کیا ہے کہ حضورؐ نے یہ فرمایا تھا۔

اِنی قد ترکت فیکم امرین ان اخذتم بہما لَنْ تضلّوا کتاب اللہ وعترتی اہلبیتی فانہ قد نَبَّأَنِیَ اللطیف الخبیر انہما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض الا فمن اعتصم بہما فقد نجا ومن خالفہما فقد ہلک الا ہل بلّغت قالوا نعم قال اَللّٰہُمَّ اشہد ثم قال الا و انہ سیرد علی الحوض منکم رجال یَعْرِفُوْنَنِیْ فید فعون عنی فاقول رب اصحابی فیقال یا محمد انہم قد احدثوا بعدک وغیروا سنتک فاقول سحقا سحقا

میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں اگر تم نے ان دونوں کو لیا تو ہرگز نہ گمراہ ہوگے۔ کتابِ خدا اور میری عترت اہلبیت کیونکہ مجھے خدائے لطیف وخبیر نے خبر دی ہے کہ تحقیق یہ دونو ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس پہنچیں گے آگاہ ہو جو ان دونوں کے ساتھ تمسک رکھے گا۔ وہ نجات پائیگا اور جو ان کی مخالفت کرے گا وہ ہلاک ہوگا آگاہ ہو کیا میں پہنچا چکا؟ تو سب نے کہا ہاں! پھر آپ نے کہا اے اللہ تو گواہ رہ اور فرمایا آگاہ ہو تحقیق تم میں سے کئی آدمی میرے پاس حوض کوثر پہ پہنچیں گے جو مجھے پہچانتے ہوں گے اور وہ دھکیلے جائیں گے تو میں کہوں گا اے پروردگار یہ میرے اصحاب ہیں تو مجھے کہا جائے گا۔ اے محمدؐ ان لوگوں نے آپ کے بعد بدعتیں جاری کیں اور تیری سنّت کو بدل ڈالا۔ تو میں کہوں گا دُور دُور۔

اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ بدعتیں کن لوگوں نے جاری کیں اور کون کون سی نئی چیزیں اسلام میں رائج کیں تو علامہ جلال الدین سیوطی نے

تاریخ الخلفاء میں بدعات کو اولیات کا نام دے کر ہر صاحب کی بدعت کو واضح کر کے رکھ دیا ہے تاکہ حق کی تلاش میں آسانی رہے۔

مسجد خیف میں حضورؐ نے حدیث ثقلین کا ذکر فرمایا اور ان سے تمسک کی تاکید فرمائی تو چار آدمیوں نے مکہ میں عہد کیا کہ ہم خلافت کو اہلبیتؑ میں ہرگز نہ جانے دیں گے (ان چار آدمیوں کے نام روایت میں درج نہیں ہیں) پھر جب حضورؐ مکہ سے ارکانِ حج ادا کر کے واپس مدینہ کی طرف پلٹے اور غدیر خم میں حضرت علیؑ کا برسرِ منبر اعلان فرمایا اور حضرت عمر کے دریافت کرنے پر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ انه امير المومنين وَاِمَامُ الْمُتَّقِيْنَ وَقائد الغر المحجلين يقعدهُ اللّٰهُ يَوْمَ القيٰمه على صراط فيدخل اولياءه الجنة واعدائه النار کہ ہاں یہ مومنوں کا امیر متقیوں کا امام اور جن لوگوں کے اعضائے وضو نورانی ہوں گے یعنی نمازیوں کا قائد و پیشوا ہے اور خدا اس کو بروز محشر پلِ صراط پر معیّن فرمائے گا پس وہ اپنے دوستوں کو جنت میں اور اپنے دشمنوں کو جہنم میں بھیجیں گے۔ پس سمجھنے والوں نے سمجھ لیا کہ مسجد خیف میں کیا فرمایا تھا اور آج کیا فرمایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کی بیعت ہم سے لے کر ہی دم لیں گے۔ لہٰذا باہمی سازش کر کے جحفہ اور ابوا کے درمیان مقام عقبہ میں چودہ آدمی چھپ کر بیٹھ گئے۔ سات راستے کے دائیں طرف اور سات بائیں طرف تاکہ حضورؐ کی ناقہ کو ڈرائیں گے۔ لیکن حضورؐ کی سواری جب عقبہ کے قریب پہنچی تو جبرئیل نے ان چھپے ہوئے آدمیوں کے نام اور ان کا ارادۂ فاسدہ ظاہر کر دیا۔ حضورؐ کے پیچھے حذیفہ آرہا تھا تو حضورؐ نے فرمایا تو پوشیدہ ہو جا۔ پس آپ نے ان آدمیوں کے نام لے لے کر پکارا۔ جب انہوں نے حضورؐ کی آواز سنی تو باقی لوگوں میں گھس گئے۔

اور لوامع التنزیل میں ہے کہ منافق بارہ آدمی تھے۔ جنہوں نے حضورؐ کے قتل کی سازش کی تھی تاکہ حضرت علیؑ کی بیعت سے گلو خلاصی ہو جائے ان کا ارادہ تھا کہ مقام عقبہ میں حضرت کی ناقہ کو ڈرایا جائے تاکہ آپ اس سے گر کر چور چور ہو جائیں حضورؐ نے حذیفہ کو ناقہ کی مہار پکڑنے کا حکم دیا اور حضرت سلمان اور حضرت ابوذر دائیں بائیں تھے۔ اس مقام پر پہنچ کر خداوند کریم نے دو دفعہ بجلی کی چمک پیدا کر دی تاکہ حضورؐ کی سواری آسانی سے گذر جائے۔ بجلی کی روشنی کی وجہ سے منافقین اپنے منہ چھپاتے رہے اور حضورؐ نے ان بارہ کے نام حذیفہ کو بتا دیئے اور فرمایا کہ ان کو ظاہر نہ کرنا اور ترمذی میں اسی لئے حذیفہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ جناب رسالتمآبؐ کا ہمراز تھا اور احیاء العلوم غزالی سے منقول ہے کہ حضرت عمر حذیفہ سے پوچھا کرتے تھے انت صاحب سر رسول الله هل ترى اسمى فى اسماء المنافقين تو تو رسول خداؐ کا ہمراز ہے کہ کیا میرا نام بھی منافقین میں ہے؟ امام غزالی نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ کسر نفسی کی وجہ سے پوچھتے تھے (اوّل اگر کفر و نفاق میں کسر نفسی کا راز مضمر ہے تو خدا ان کو ہی مبارک کرے)

بہر کیف حضورؐ کو مسلمانوں کی چیرہ دستیوں کا خطرہ لاحق تھا لیکن خداوند کریم کے تاکیدی و تہدیدی فرمان کے بعد حضورؐ نے مجمع عام میں حضرت امیرؑ کی خلافت کا اعلان فرمایا۔ مومنوں کی آنکھیں روشن ہو گئیں اور کفار و منافقین کے سینوں پر حسد و کینہ کے سانپ لوٹنے لگ گئے اور اسی میں مصلحتِ خداوندی تھی تاکہ مسلمانوں کا امتحان ہو جائے جو حق پر رہے وہ بھی سوچ سمجھ کر رہے اور جو باطل کی طرف جائے وہ بھی سوچ سمجھ کر جائے۔

قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ

کہہ دو اے اہل کتاب تم نہیں کسی دین پر یہاں تک کہ قائم کرو تورات اور انجیل کو

وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ

اور جو اتاری گئی تم پر تمہارے رب سے اور زیادہ کرے گی بہت سوں کو ان میں سے وہ چیز جو اتاری گئی

مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِينَ ۞ ۶۸ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا

تجھ پر تیرے رب سے سرکشی اور کفر میں پس نہ ارمان کرو کافر لوگوں پر تحقیق جو لوگ ایمان لائے

جامع قرآن نے اس آیت مجیدہ کو یہودیوں کے ساتھ مخاطبات کے ضمن میں درج کر دیا تاکہ حق و صداقت کا یہ نشان کسی طرح چھپ جائے اسی لئے تو رازی نے بھی کہہ دیا کہ یہ آیت یہودیوں اور نصرانیوں کے شر سے مطمئن رہنے کی تلقین ہے لیکن تاڑنے والے بھی قیامت کی نگاہ رکھتے ہیں جس کے ناک میں حس ہوتی ہے وہ خوشبو و بدبو کا دُور سے احساس کر لیتا ہے اور جو حس سے محروم ہو اس کے لئے خوشبو و بدبو یکساں ہے اسی طرح رسولؐ کی فرمائشات اور صحابہ کے طرز عمل سے جو لوگ مطلع ہیں وہ ان باریکیوں کو بھی سمجھ سکتے ہیں کہ قرآن مجید میں ترتیب نزول کا خیال کیوں نہیں رکھا گیا اور حضرت علیؑ سے اس بارے میں مشورہ کیوں نہیں لیا گیا؟ بشرطیکہ حواس درست ہوں۔

قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ: یعنی جب تک تم دین کی حقیقت پر نہ چلو گے۔ تمہیں دین دار نہیں کہا جا سکتا۔ پس تم دیندار اس وقت ہو گے۔ جب تورات اور انجیل اور جملہ احکام شرعیہ جو تم پر اُترے ہیں۔ ان پر عمل پیرا ہو جاؤ اور من جملہ شرعی احکام کے یہ ایک بھی تھا کہ حضرت رسالتمآبؐ کی نبوت کی تصدیق کریں اور ان کی اتباع کریں وہ تب صحیح معنوں میں دیندار ہوں گے تورات کو قائم کرنے کا حکم یہودیوں کو اور انجیل کے قائم کرنے کا حکم نصرانیوں کو ہے ایسا نہیں کہ دونوں فرقوں کو دونوں کتابوں سے تمسک کا یکجا حکم دیا گیا ہو کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہ تھا کیونکہ یہودی حضرت عیسیٰ اور انجیل کے قائل نہیں تھے اور نصرانی ان کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

مقصد یہ ہے کہ اب موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی شریعت پر عمل کرنا اس وقت صادق آ سکتا ہے۔ جب قرآنی اصولوں کو تسلیم کریں اور حضرت رسالتمآبؐ کی نبوت کی تصدیق کر کے ان کی ہدایات پر عمل کریں۔

وَلَيَزِيدَنَّ: یعنی جو بھی تجھ پر آیات قرآنیہ کا نزول ہوتا ہے ان لوگوں کی سرکشی اور کفر بوجہ عناد و جاہ طلبی کے زیادہ ہوتا جاتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا: اس کی ترکیب مناسب یہ ہے کہ اس طرح کی جائے کہ جار و مجرور بِاللّٰهِ آمَنُوا سے متعلق

وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصَّابِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اور یہودیوں اور صابیوں اور نصرانیوں (میں سے) جو ایمان لائے اللہ پہ اور یوم آخر پہ

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا

اور کام نیک کرے تو کوئی خوف نہیں ان کو اور نہ ان کو کوئی غم ہوگا ہم نے لیا

مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ

عہد بنی اسرائیل کا اور بھیجا ہم نے ان کی طرف رسولوں کو جب بھی لائے ان کے پاس رسولؑ

بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَحَسِبُوْٓا

وہ جو نہ چاہا ان کے نفسوں نے تو بعض کو جھٹلایا اور بعض کو قتل کر دیا اور وہ سمجھے کہ

اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا

اس کی گرفت نہ ہوگی پس اندھے بہرے ہو گئے پھر معاف کر دیا اللہ نے ان کو پھر اندھے بہرے

متعلق ہو یعنی اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الخ اور معنی اس طرح ہو گا تحقیق جو لوگ ایمان لائے اللہ پہ اور یوم آخر پہ اور نیک عمل کئے ان پر خوف و حزن نہ ہوگا اور اسی طرح یہودیوں نصرانیوں اور صابیوں میں سے بھی جو ایمان لائے اللہ پہ اور قیامت پہ اور عمل نیک کرے۔ اس پر بھی خوف و حزن نہ ہوگا۔ دریں صورت آیت پر کوئی اشکال وارد نہ ہوگا کہ یہاں یہود و نصاریٰ و صابئین کی نجات کا خدا اعلان کر رہا ہے جبکہ وہ نیک اعمال کرتے ہوں اگرچہ وہ اسلامی اصولوں کو نہ بھی مانیں یعنی تنازع فعلین کے طور پر اٰمَنُوْا اور اٰمَنَ جار و مجرور کی طرف متوجہ ہیں اور آیت مجیدہ کی باقی شرح پارہ اوّل کی تفسیر صفحہ ۱۱۸ پر گذر چکی ہے۔

صابی:- بعضوں کے نزدیک یہ لوگ دینِ نوح رکھتے تھے اور بعض کے نزدیک ملائکہ کو پوجتے تھے اور زبور کے قائل تھے گویا اپنے آپ کو حضرت داؤد کے مذہب کے پیرو کہتے تھے اور قبلہ بیت المقدس کو مانتے تھے۔

لَقَدْ اَخَذْنَا:- تفسیر صافی میں ہے کہ ان سے توحید و نبوت و ولایت کا عہد لیا گیا تھا اور چونکہ ان نبیوں نے ان لوگوں سے وہ میثاق لیا تھا جو ان پر مبعوث کئے گئے تھے اس لئے خدا ان کے میثاق کو اپنی طرف منسوب فرما رہا ہے۔

فَرِيْقًا كَذَّبُوْا:- فریق کا معنی ہوتا ہے حصہ یعنی ایک حصہ کو جھٹلایا اور ایک حصہ کو قتل کر دیا موجودہ زمانہ کے بنی اسرائیل چونکہ اپنے گذشتگان کے افعال پر راضی تھے۔ اس لئے ان کو ان کے افعال کی سرزنش کا مستحق قرار دیا گیا۔

وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا

ہوگئے بہت ان میں سے ‏ اور خدا جانتا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں ‏ تحقیق کفر کیا جنہوں نے کہا

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا

کہ اللہ خود مسیح ابن مریم ہے ‏ اور فرمایا مسیح نے اے اولاد یعقوب عبادت کرو

اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ

اللہ کی جو میرا اور تمہارا رب ہے تحقیق جو بھی شرک کرے ساتھ اللہ کے تو حرام کی ہے اللہ نے اس پر جنت

وصموا ۱۲۷ :۔ یعنی ان کو یہ خیال تھا کہ ہمارے اس فعل کا عتاب ہمیں نہ ہوگا۔ پس حق و انصاف کے اصولوں سے اندھے بہرے ہو کر انہوں نے یہ جرأتیں کیں۔ جس طرح عموماً بالا دست لوگ زیر دستوں سے برتاؤ کیا کرتے ہیں۔ کیونکہ دولت و ریاست یا اقتدار و سلطنت کے نشہ میں جو انسان چور ہوتا ہے وہ انجام نہیں دیکھا کرتا اور وہ اپنے سے زیردستوں کو ہر ممکن کوشش سے روندنے اور پامال کرنے کی کوشش کرتا ہے انہیں یہ خیال تک نہیں رہتا کہ کوئی قوت ہم سے انتقام لینے والی بھی ہے یا نہیں۔ لیکن خدا کا انتقام ایک وقت کی انتظار میں ہوتا ہے اور سرکش کو مہلت دی جاتی ہے کہ فوری انتقامی کارروائی میں وہ قیامت کے روز یہ عذر نہ کرے کہ میں توبہ کر لیتا اگر مہلت ملتی۔ پس جب اس کا دل اس حد تک سیاہ ہو جائے کہ وہ توبہ کی طرف مائل ہونے کی توفیق کھو بیٹھے تو بعض اوقات وہ دنیاوی عقوبت میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ لیکن بعض اوقات اس کی سزا قیامت پر موقوف کی جاتی ہے پس جس طرح خدا چاہتا ہے کر لیتا ہے۔

ثُمَّ تَابَ :۔ ایک جماعت نے توبہ کر لی اور خدا نے مقبول کی۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد پھر وہی مستی اور اندھیر گردی انہوں نے شروع کر دی اور یہودیوں کا یہ قصہ صرف تعلقہ لسانی کے لئے نہیں بلکہ اہل اسلام اور خصوصاً بالا دستوں کے لئے باعث عبرت و نصیحت ہے۔

نکتہ علمیہ :۔ افعال تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) جس کا معنی علم و یقین ہو (۲) جو غیر یقینی خبر دیں (۳) جو یقین و غیر یقین میں مشترک ہوں پہلی قسم کے لئے اِنَّ حرف مشبہ بالفعل آتا ہے اور دوسری قسم کے لئے اَنْ ناصبہ فعل مضارع آیا کرتا ہے جیسے اَرْجُوْ اَنْ يَّكُوْنَ اور تیسری قسم کے لئے معنی کی مناسبت سے کبھی اَنْ اور کبھی اَنَّ آتا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ :۔ عیسائیوں کے تین گروہ (۱) یعقوبیہ وہ جو حضرت عیسیٰؑ کو خدا مانتے ہیں (۲) نسطوریہ جو حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں (۳) ملکائیہ۔ جو اقانیم ثلثہ کے قائل ہیں۔ یعنی جوہر اور ذات ایک ہے اور اس کا بروز و ظہور تین صفتوں سے ہے جیسے باپ بیٹا اور روح القدس یا مریم سے تعبیر کرتے ہیں۔ گویا ذات ایک ہے جس کے روپ تین ہیں

وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا

اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور نہ ہوگا ظالموں کا کوئی مددگار تحقیق کفر کیا جنہوں نے کہا

اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا

کہ اللہ تین میں سے ایک ہے حالانکہ نہیں کوئی معبود مگر صرف ایک اور اگر وہ نہ باز آئیں اس سے

عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ

جو کہتے ہیں تو ضرور مس کرے گا ان کو جو کافر ہیں ان میں سے عذاب دردناک کیا وہ نہیں توبہ کرتے

اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ

اللہ کی طرف اور بخشش چاہتے؟ اور اللہ تو غفور رحیم ہے نہیں مسیح بن مریم

پہلے ان لوگوں کی تردید ہے جو خدا حضرت عیسٰیؑ کو کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰیؑ خود یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے نیز وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ مشرک پر جنت حرام ہے اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک ماننا ظلم ہے اور ظالم کی قیامت کے روز کوئی مدد نہ ہوگی۔ ان تصریحات کے باوجود ان کی فرمائش کے خلاف ان کو خدا ماننا کتنا بُرا ہے۔

اس کے بعد ان لوگوں کے عقائد کی تردید فرمائی جو تین کے قائل تھے یا عیسٰیؑ کو ابن اللہ کہتے تھے کیونکہ تین کے اعتقاد میں عیسٰیؑ کا ابن اللہ ہونا بھی آجاتا ہے کہ خدا صرف ایک ہی ہے اور تین کا اعتقاد رکھنے والے مشرک و کافر تھے اور ان سب کو عذاب کی دھمکی بھی دی اور توبہ کی صورت میں بخشش کا وعدہ بھی فرمایا اور کسی کو منوانے کے لئے یہی طریقے ہی ہوا کرتے ہیں کہ اپنے عندیہ کو دلیل سے ثابت کیا جائے پھر ماننے والے کو انعام کی پیش کش اور انکاری کو نقصان وخسارہ کی تنبیہ کی جائے اور خیر خواہی کے طریق پر ہدایت کا اس سے زیادہ کامیاب طریقہ کوئی ہو نہیں سکتا۔

تنبیہ:۔ ملکائیہ فرقہ اگر تین کے قائل نہیں تھے بلکہ وہ ایک ذات کے تین اقنوم یعنی مظہر صفات مانتے تھے۔ لیکن چونکہ ان کا عقیدہ تین کے اقرار کو مستلزم ہے۔ اس لئے ان کو قائل ثلثہ کہا گیا۔

مَا الْمَسِيْحُ:۔ خداوند کریم نصرانیوں کو سمجھانے کے لئے پہلے تو حضرت عیسٰیؑ کا اپنا مقام بیان فرماتا ہے کہ وہ اسی طرح ایک رسولؑ تھا جس طرح اس سے پہلے دوسرے رسولؑ تھے اور گذر گئے۔ ہاں ان گذشتہ پیغمبروں میں سے ان کی خصوصیت خاصہ یہ تھی کہ ان کی ماں صدیقہ تھی اور ان سے پہلے کسی نبی کو یہ شرف نہیں مل سکا۔ یہ دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے لفظِ مسیح و مریم کی تشریح تفسیر کی تیسری جلد میں گذر چکی ہے۔

إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ

مگر پیغمبر تحقیق گذرے اس سے پہلے پیغمبر اور اس کی ماں صدیقہ تھی دونوں کھاتے

الطَّعَامَ ۗ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٧٥﴾

تھے کھانا دیکھو کیسے ہم بیان کرتے ہیں دلیلیں پھر دیکھو وہ کیوں الٹے جاتے ہیں

قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ

کہہ دو کیا عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا اس کی جو نہیں مالک تمہارے لئے ضرر و نفع کا؟

پس حضرت عیسیٰؑ کے مقام حقیقی کے واضح ہونے کے بعد ان کے متعلق خدائی کا اعتقاد خود بخود باطل ہو جاتا ہے۔

(۱) اس کی ماں موجود تھی اور ماں سے پیدا ہونا خدا کی شان نہیں ہے اور ماں ہونا بھی خدا کی شان کے خلاف ہے پس نہ ماں خدا اور نہ بیٹا خدا ہوا۔

(۲) ماں اور بیٹا دونوں کھانا کھایا کرتے تھے تو گویا تمام ضروریاتِ زندگی ان میں پائی جاتی تھیں جو مستلزم احتیاج ہیں اور بے نیازی کی شان کے خلاف ہیں۔ پس ماں اور بیٹا دونوں خدا نہیں ہو سکتے بلکہ خدا صرف ایک ہے۔ جس نے صدیقہ ماں کو عیسیٰؑ جیسا فرزند عطا کیا اور جو ان دونوں کا رازق تھا۔

(۳) جب وہ دونوں کھاتے تھے تو معلوم ہوا کہ ان کی زندگی کا دارومدار کھانے پر تھا۔ پس وہ حادث بھی تھے۔ اور محل تغیر و انقلاب بھی تھے۔ لہٰذا وہ فانی تھے اور خدا کی یہ شان نہیں ہے۔

(۴) جب ان کا نفع اور نقصان سب خدا کے ہاتھ میں تھا تو وہ کسی اور کو کیسے نفع یا نقصان پہنچا سکیں گے۔ اور خدا کی شان ہے۔ نفع عطا فرمائے یا بطور سزا یا آزمائش کے کسی کو نقصان دے دے اور یہ چیز بھی اگرچہ ان کے طعام کی طرف محتاج ہونے کو لازم تھی لیکن اس کو خصوصیت کے پیش نظر علیحدہ ذکر فرمایا۔ کیونکہ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ ہی نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ پس کھلے لفظوں ان کی تردید فرمائی کہ سوائے میرے نفع و نقصان اور کسی کے ہاتھ میں نہیں۔ کیونکہ نفع و نقصان وہی پہنچا سکتا ہے جو کسی کی سنتا ہو یا خود جانتا ہو اور وہ صرف میں ہی ہوں۔

السمیع :- ہر وقت ہر ایک کی بات سننا صرف اللہ کا ہی خاصہ ہے اور حضرت عیسیٰؑ یا کسی اور میں یہ صفت موجود نہیں۔ لہٰذا وہ خدا نہیں۔

وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ

اور اللہ ہی سننے جاننے والا ہے کہہ دو اے اہل کتاب نہ غلو کرو اپنے دین میں

الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا

ناحق اور نہ پیچھے لگو ایسے لوگوں کی خواہشات کے جو خود پہلے گمراہ ہیں اور انہوں نے گمراہ کیا بہت سوں کو

العلیم :- ہر وقت ہر چیز کا علم صرف ذاتِ خدا کے ساتھ خاص ہے۔ لہٰذا وہی خدا و معبود حقیقی ہے۔

تنبیہہ :- یہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو کرنے والوں کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ جو بھی اللہ کے علاوہ کسی بزرگ نبی یا امام کے بارے میں وہی عقیدہ رکھے جو عیسائیوں کا ہے تو انہی آیاتِ قرآنیہ کی رُو سے وہ مشرک کہلانے کا مستحق ہوگا اور محمدؐ و آلِ محمدؐ اللہ کے خاص بندے اور اس کی افضل مخلوق ہیں۔ لہٰذا ان کے متعلق خدائی کا عقیدہ رکھنا کفر و شرک ہے۔ نیز ان کو صفاتِ خداوندی مثلاً خلق رزق، موت حیات اور نفع و ضرر میں شریک ماننا بھی کفر ہے۔ نیز حاضر و ناظر کا مسئلہ جو عام چلا ہوا ہے اگر حاضر و ناظر کا معنی سمیع و علیم کا ہے تو سوائے خدا کے کسی کو حاضر و ناظر کہنا خواہ نبی ہو یا امام کفر و شرک ہے لیکن اگر حاضر و ناظر کا معنی یہ ہے کہ خدا کی مشیت کی ماتحت چشم زدن میں دنیا کی ہفت اقلیم تو بجائے خود چودہ طبقوں کی سیر کر سکتے ہیں یا اسی کی مشیت سے رموزِ مخفیہ اور امورِ غائبیہ کو جان لیتے ہیں تو یہ تسلیم کرنا عین ایمان ہے اور اس کو شرک و کفر کہنا خاصانِ خدا کی ناقدر شناسی ہے۔

لَا تَغْلُوْا :- بہرکیف حضرت عیسیٰؑ کو یا دوسرے خاصانِ خدا کو اپنی حد تک ماننا ایمان ہے اور ان کو ان کی حد سے بڑھا کر آگے لے جانا کفر و شرک ہے اور خدا ان کو بطور نصیحت فرماتا ہے کہ اپنے دین میں حدود سے آگے نہ بڑھو۔

وَلَا تَتَّبِعُوْٓا :- موجودہ زمانہ کے یہودیوں اور نصرانیوں کو خطاب ہے کہ تم خود اپنے عقیدہ میں سنبھل جاؤ اور جو لوگ تم میں سے مشرکانہ عقائد پر گذر چکے ہیں۔ ان کے پیچھے نہ چلو۔ وہ خود بھی گمراہ تھے اور لوگوں کو بھی گمراہ کرتے تھے۔

تنبیہہ :- بعض جہال آئمہ اہلبیتؑ کے حق میں افراط کر کے غلو کی حدوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ مقدمہ تفسیر مراۃ الانوار میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جنہوں نے ہمیں اس ذات کی عبودیت سے ہٹا دیا جس نے ہمیں پیدا کیا اور جس کی طرف ہماری بازگشت ہے اور فرمایا کہ اپنے جوانوں کو غالیوں کی صحبت سے بچاؤ کہ ان کے عقائد کو خراب نہ کر دیں کیونکہ غالی لوگ اللہ کی بدترین مخلوق ہیں۔ وہ اللہ کی عظمت کو کم کر کے بندوں کو رب مانتے ہیں پھر فرمایا کہ اگر غالی پلٹ کر واپس آئے تو ہم اس کو قبول نہ کریں گے لیکن اگر کوتاہی کرنے والا ہم تک پہنچ جائے تو ہم اس کو لے لیں گے۔ ایک مرتبہ امام رضا علیہ السلام نے خداوندکریم کے بعض صفات بیان کئے تو ایک شخص نے کہا کہ حضورؑ

وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اور بھٹک گئے سیدھے راستہ سے لعنت کئے گئے جو کافر ہوئے بنی اسرائیل میں سے

عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝

داؤد کی زبانی اور عیسیٰ بن مریم (کی زبانی) یہ اس لئے کہ نافرمان تھے اور تھے سرکشی کرتے

بعض لوگ آپ کے شیعوں میں سے یہ صفات حضرت علیؑ کے لئے ثابت کرتے ہیں تو آپ کے اعضاء پر غصہ سے لرزہ طاری ہوگیا اور فرمایا ظالموں اور کافروں کے بکواسوں سے خدا کی شان اجل ہے۔ پھر فرمایا کیا حضرت علیؑ کھانا نہیں کھاتے تھے کیا وہ شادی نہیں کرتے تھے؟ اور پھر باوجود اس کے اللہ کے دربار میں نہایت عاجزی وزاری سے نماز پڑھتے تھے اور جس کی یہ صفت ہو وہ خدا کیسے بن سکتا ہے؟

رکوع نمبر ۱۵

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا :- بنی اسرائیل میں سے جن جن لوگوں نے کفر کیا۔ ان کو تمام انبیاء بنی اسرائیل برا سمجھتے تھے لیکن حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰؑ کو خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد جس قدر پیغمبر آئے یہ دونو ان سب سے اشرف تھے۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایلہ والوں نے جب سنیچر کے روز سرکشی کی تھی تو انہوں نے ان پر لعنت کی تھی اور ان کو بددعا کی تھی تو خداوند کریم نے ان کو بندروں کی شکل میں مسخ کر دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں پر لعنت کی تھی جنہوں نے مائدہ کے نازل ہونے کے بعد کفر کیا تھا اور تفسیر صافی میں جوامع سے منقول ہے کہ وہ سور کی شکل میں مسخ ہوئے تھے اور ان کی تعداد پانچ ہزار تھی۔

وَكَانُوْا :- تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ بنی اسرائیل کی تین جماعتیں ہوگئی تھیں ۱۔ وہ جو برائی کرتے تھے ۲۔ خود برائی نہ کرتے تھے بلکہ برائی کرنے والوں کو منع کرتے تھے لیکن ان سے قطع تعلق نہ کرتے تھے ۳۔ وہ جنہوں نے دیکھا کہ یہ لوگ برائی سے باز نہیں آتے تو انہوں نے ان سے قطع تعلق کرلی اور علیحدہ ہوگئے۔ پس پہلے دونوں فرقوں پر عذاب آگیا۔ اسی لئے تو جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا تھا کہ امر بالمعروف کرو اور نہی عن المنکر کرو اور غلط کار کا ہاتھ پکڑ کر اسے سیدھے راستے پر لاؤ ورنہ خدا تم میں سے بعض کو بعض کے قتل پر مسلط کر دے گا اور تم پر عذاب نازل کرے گا۔ جس طرح ان پر نازل کیا تھا۔ (روایت ابن عباس سے منقول ہے)

عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ :- وہ برائیاں جن کی وجہ سے وہ لوگ مورد عذاب ہوئے۔ مجمع البیان میں ہے بعض کے

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۗ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٩﴾ تَرٰى

نہ روکتے تھے ایک دوسرے کو کسی برائی سے جو کرتے تھے البتہ برا کرتے تھے تو دیکھے گا

كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۗ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ

بہتوں کو ان میں سے دوست رکھتے ہیں ان کو جو کافر ہیں البتہ برا ہے جو بھیجا ان کے لئے ان کے نفسوں نے کہ

سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ

ناراض ہوا اللہ ان پر اور عذاب میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور اگر وہ رکھتے ایمان

بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ

اللہ اور نبی پر اور اس پر جو اتری اس پر تو نہ بناتے ان کو دوست لیکن بہت سے ان میں سے

نزدیک مچھلی کا شکار بروز سنیچر اور بعض کے نزدیک رشوت لینا، سود کھانا اور حرام کی قیمت وصول کرنا ہے اور تفسیر صافی میں قمی سے مروی ہے کہ وہ لوگ سور کھاتے تھے شراب پیتے تھے اور اپنی عورتوں سے ایام حیض میں ہمبستری کرتے تھے۔

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ:۔ یہ ان یہودیوں کی مذمت ہے جو کفار مکہ کے ساتھ میل جول رکھتے تھے تاکہ مسلمانوں کے ساتھ وہ لڑیں چنانچہ کعب بن اشرف اسی غرض سے مکہ میں گیا تھا اور مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر جنگ خندق کا موجب ہوا تھا اور مذمت صرف انہی یہودیوں کے ساتھ مختص نہیں بلکہ قیامت تک جو لوگ ایسی حرکات کریں۔ وہ اسی آیت کے تحت میں آئیں گے۔ چنانچہ مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو لوگ جبار حکمرانوں کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں اور ان کی خواہشات کی مطابقت کرتے ہیں تاکہ ان سے منفعت دنیا حاصل کریں۔ وہ اسی آیت میں داخل ہیں اور تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ ایک قوم شیعہ ایسی ہے جو حکومت کی ملازمت اختیار کرتے ہیں اور ان سے محبت اور راہ و رسم رکھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ایسے لوگ شیعہ نہیں ہیں۔ بلکہ وہ انہی میں سے شمار ہوں گے۔

وَلَوْ كَانُوْا:۔ کفار سے میل جول کرنے والے یہودیوں کے بارے میں ہے کہ اگر وہ لوگ اللہ کے ساتھ اور حضرت موسیٰ نبی کی نبوت کے ساتھ اور توراۃ کے ساتھ ایمان رکھتے ہوتے تو یقیناً کافروں سے دوستانہ تعلقات قائم نہ کرتے اور اگر اسے عام قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ وہ مومن کہلانے والے جو غیر مومنوں سے دوستی رکھتے ہیں۔ ان کے بارے میں فرمایا ہے

فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَ

فاسق ہیں | البتہ پاؤ گے | لوگوں میں سے سخت ترین دشمنی کے لحاظ سے ان کے حق میں جو ایمان لائے یہودی اور

الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْٓا

جو مشرک ہیں | اور البتہ پاؤ گے | زیادہ قریب دوستی کے لحاظ ان کے حق میں جو مومن ہیں وہ لوگ جو اپنے آپکو

کہ اگر ان لوگوں کا خدا اور رسولؐ و قرآن پر ایمان ہوتا تو کافروں سے ان کی محبت کیوں ہوتی مقصد آیت کا یہ ہے کہ غیر مومن سے محبت رکھنا۔ ایمانداری کا شیوہ نہیں ہے اور قرآن مجید اسے فاسق فرما رہا ہے اور گذشتہ آیت میں ایسے لوگوں کے لئے خدا کا غضب اور دائمی عذاب بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا صاحبانِ ایمان کو اپنے رویہ میں احتیاط لازم ہے۔

لَتَجِدَنَّ ۔ آیتِ مجیدہ کا مقصد یہ ہے کہ یہودی لوگ اور مشرک لوگ ایمان والوں کے سخت ترین دشمن ہیں اور نصرانی لوگ ایمان والوں کے حق میں محبت کے لحاظ سے زیادہ قریب ہیں کیونکہ نصرانیوں میں تین چیزیں موجود ہیں ۱۔ قسیس یعنی ان کے علماء پادری جن کو پوپ کہتے ہیں ۲۔ خدا پرست زاہد و عابد ۳۔ ان میں تکبّر نہیں۔ پس جب علم بھی ہو خوفِ خدا بھی ہو اور باوجود ان دو چیزوں کے حق کے قبول کرنے سے تکبّر و نخوت بھی مانع نہ ہو تو ایسے لوگ حق کے قبول کرنے سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ صرف فضا کی سازگاری کے وہ منتظر ہوتے ہیں لیکن ان کے مقابلہ میں یہودیوں میں علماء اور راہب تو موجود تھے لیکن ان میں تکبّر و نخوت اور حسد و بغض کی جو مرض تھی وہ ان کو قبولِ حق سے مانع تھی۔ لہٰذا وہ مومنوں کے حق میں ہر وقت برائیاں سوچتے رہتے تھے حالانکہ جانتے تھے کہ وہ حق پر ہیں اور مشرکینِ مکّہ تو ہر اچھی صفت سے محروم تھے کیوں کہ وہ جاہل بھی تھے اور خدا پرستی کا نام ہی نہ تھا بلکہ بت پرستی ان کا دین تھا اور تکبّر و نخوت میں وہ دنیا بھر میں لاثانی تھے۔ پھر دریں حالات ان سے انصاف کی کیا توقع ہو سکتی تھی۔ پس یہود و مشرکین کو انہی وجوہات کی بناء پر مسلمانوں کے لئے شدید ترین اور قبولِ حق سے بعید ترین کہا گیا اور نصرانیوں کو ان کے قریب تر کہا گیا ہے۔

ہجرتِ حبشہ

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب اسلام کی دعوت عام ہوئی تو مشرکین نے آپس میں مسلمانوں کی ایذا رسانی کی میٹنگ کی چنانچہ ہر قبیلہ نے اپنے قریبی مسلمانوں کو ایذا دینے کی تجویز پاس کر لی۔ پس وہ مسلمانوں کو تکلیفیں دیتے تھے لیکن حضرت رسالتمآبؐ حضرت ابو طالبؑ کی وجہ سے محفوظ رہے۔ جب حضورؐ نے مسلمانوں کی مظلومیت دیکھی اور جہاد کا حکم ابھی نہ آیا تھا اور نہ ان کے ظلم برداشت کے قابل تھے اور نہ ان سے بچاؤ کی کوئی صورت تھی تو مسلمانوں کو ہجرتِ حبشہ کا حکم دیا کہ وہاں کا بادشاہ نہ خود ظلم کرتا ہے اور نہ ظلم کرنے دیتا ہے۔ اس وقت حبشہ کا بادشاہ نجاشی تھا جس کا نام عطیہ تھا۔ پس مسلمانوں کا پہلا قافلہ پندرہ آدمیوں پر مشتمل جن میں گیارہ مرد اور چار عورتیں

اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ
نصرانی کہلاتے ہیں یہ اس لئے کہ ان میں سے عالم اور خدا پرست لوگ ہیں اور تحقیق
لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾
وہ بڑائی نہیں کرتے

تھیں بعثت کے پانچویں برس ماہ رجب میں خفیہ طور پہ وہاں سے روانہ ہُوا۔ اور ان کے بعد دوسرے مسلمان بھی تدریجاً پہنچتے رہے۔ یہاں تک کہ بیاسی مرد، عورتوں و بچّوں کو لے کر وہاں جا پہنچے۔ ان میں حضرت جعفر طیّار، زبیر، عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف، عثمان بن عفان، عثمان بن مظعون وغیرہ بھی تھے

تفسیر خازن سے منقول ہے کہ جب حضرت جعفر طیار نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی تو ان کے ساتھ دیگر صحابہ بھی تھے وہ وہاں رہائش پذیر ہوگئے۔ ادھر جناب رسالتمآبؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے پس جب بدر کا واقعہ آیا۔ اور کفار قریش کے چیدہ چیدہ افراد اس میں مارے گئے تو قریشی لوگ دارالندوہ میں جمع ہوئے اور آپس میں مشورہ کیا کہ نجاشی کے پاس جس قدر مسلمان موجود ہیں ہمیں وہاں پہنچ کر ان سے انتقام لے لینا چاہیئے پس انہوں نے چندہ جمع کر کے نجاشی کو ایک معقول رشوت دے کر مطلب براری کی تجویز منظور کی اور عمرو بن عاص اور عمارہ بن ابی معیط کو اس مہم کے لئے انتخاب کیا۔ چنانچہ یہ دونوں قیمتی تحائف اپنے ساتھ لے کر بحری راستہ عبور کرتے ہوئے حبشہ میں پہنچے جب شاہی دربار میں داخل ہوئے تو انہوں نے نجاشی کے تخت کے سامنے سجدہ کیا اور چاپلوسی اور خوشامد کے طور پر کہنے لگے۔ اے بادشاہ ہماری پوری قوم کے دلوں میں آپ کی خیر خواہی کا جذبہ ہے اور وہ سب آپ کے ملک و قوم سے بدل و جان محبت و خلوص کا جذبہ رکھتے ہیں ہمیں اپنی قوم نے صرف اس لئے بھیجا ہے کہ آپ کو چند مفسد اور فتنہ پرداز آدمیوں کے شر سے بچنے کا مشورہ دیں۔ کیوں کہ وہ لوگ ایک ایسے دروغ گو شخص کے پیچھے لگے ہوئے ہیں جو اپنے تئیں اللہ کا رسولؐ ظاہر کرتا ہے ہماری پوری قوم میں سے سوائے چند بیوقوف آدمیوں کے اس کی بات کوئی سنتا ہی نہیں۔ ہم نے اُن سے پُوری طرح بائیکاٹ کر کے شہر سے نکال دیا تھا چنانچہ وہ مجبوراً ایک شعب میں رہے جہاں ان کے پاس کسی کی آمد و رفت تک نہ تھی۔ ان کے اکثر ساتھی بھوک و پیاس کی شدت سے مرگئے۔ پس تنگ آکر اس نے اپنے چچازاد بھائی کو آپ کے ملک، دین اور رعیّت میں ابتری پھیلانے کے لئے روانہ کیا ہے۔ آپ ان سے بچیں۔ بلکہ ان کو ہمارے حوالہ کر دیں۔ ہم خود ہی ان کا انتظام کر لیں گے اور آپ کی مزید تسلّی کے لئے ہم یقین سے کہتے ہیں کہ اگر وہ لوگ آپ کے دربار میں داخل ہوں۔ تو آپ کے سامنے سربسجدہ ہونا تو درکنار آپ کا شاہانہ شایانِ شان سلام تک نہ کریں گے۔

نجاشی نے یہ تقریر سنتے ہی ان کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا تو حضرت جعفر طیار نے پہنچتے ہی آواز بلند کی، بادشاہ اللہ والے تجھ سے دربار کے داخلہ کی اجازت چاہتے ہیں؟ نجاشی نے دربان کو حکم دیا کہ اس ندا کرنے والے کو کہو کہ یہی صدا دوبارہ بلند کرے۔ چنانچہ حضرت جعفر طیار نے دوبارہ وہی کلمات دوہرائے۔ پس نجاشی نے داخلہ کی اجازت دی اور امان کا وعدہ کیا۔ عمرو بن عاص نے شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا دیکھئے یہ لوگ کس طرح اپنے آپ کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں حتّٰی کہ نجاشی بھی ان کے دام میں آگیا ہے۔ القصہ انہوں نے داخلے کے بعد نہ سجدہ کرنا تھا اور نہ کیا۔ عمرو بن عاص نے موقع پاکر بادشاہ کے جذبات سے کھیلنا چاہا کہ دیکھئے یہ لوگ آپ کے سامنے سجدہ کرنا اپنی ہتک سمجھ رہے ہیں۔

نجاشی نے دریافت کیا۔ آپ نے میرے تخت کے سامنے سجدہ کیوں نہ کیا اور دربار شاہی کے آداب کی بجاآوری سے کیوں گریز کیا؟ انہوں نے جواب دیا۔ بادشاہ! ہم تو صرف اسی ذات کا سجدہ کرنا جانتے ہیں۔ جس نے تجھے خلق فرمایا اور تجھے تاج شاہی کرامت فرمایا۔ بے شک ہم بھی بت پرستی کے زمانہ میں اس قسم کی غلطیاں کیا کرتے تھے لیکن خدا نے ہم میں ایک سچا نبی مبعوث فرمایا ہے جس نے ہمیں سلام کرنا سکھایا ہے جو اہل جنت کا طریقہ ہے۔ نجاشی سمجھ گیا کہ بات سچی ہے اور تورات وانجیل میں بھی ایسا ہی ہے۔

کہنے لگا تم میں سے دروازہ پر آواز کس نے دی تھی؟ جو اپنے آپ کو خدا والا کہہ رہا تھا تو حضرت جعفر طیار نے جواب دیا کہ وہ میں تھا۔ خدا نے تجھے زمین کی حکومت عطا فرمائی ہے۔ تیرے دربار میں شور وغل مناسب نہیں اور نہ ظلم کرنا تیرے شایانِ شان ہے۔ بحث کے لئے مناسب یہ ہے کہ اپنے ساتھیوں کی طرف سے صرف میں بات کروں گا اور ان دونوں کو حکم دیجئے کہ صرف ایک آدمی میرے ساتھ بات کرے اور دوسرا خاموش رہے تاکہ فریقین کی بات اچھی طرح سمجھ میں آسکے اور تیرے لئے فیصلہ کرنا آسان ہو۔ پس عمرو بن عاص تیار ہوا۔

جعفر طیار:۔ بادشاہ ان سے دریافت کیجئے کہ ہم غلام ہیں اور اپنے مالکوں سے بھاگ کر یہاں آئے ہیں تو بے شک آپ ہمیں ان کے حوالے کر دیں۔

بادشاہ نجاشی:۔ عمرو عاص کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے۔ کیا یہ لوگ غلام ہیں یا آزاد؟

عمرو عاص:۔ بے شک یہ لوگ آزاد ہیں اور شرفاء قوم ہیں۔

جعفر طیار:۔ ان سے دریافت کیجئے کہ ہمارے ذمہ کوئی ناحق قتل ہے۔ جس کا یہ قصاص لینا چاہتے ہوں؟

بادشاہ:۔ عمرو عاص سے خطاب کرتے ہوئے۔ بتائیے۔

عمرو عاص:۔ ہرگز نہیں بلکہ ایک قطرۂ خون بھی ان کی گردن پر نہیں۔

جعفر طیار:۔ ان سے پوچھئے۔ کیا ہم نے کسی کا مال چرایا ہے جس کی ادائیگی ہم پر واجب ہے۔

بادشاہ:۔ بتائیے اور اگر ایک قنطار تک بھی ہوگا۔ میں ان کی طرف سے خود ادا کروں گا۔

عمرو عاص :۔ نہیں حضورؐ قنطار تو بجائے خود ایک رائی بھر کسی کا حق ان کی گردن پر نہیں ۔
بادشاہ :۔ پھر تم لوگ ان سے کس شئے کا مطالبہ کرنے آئے ہو؟
عمرو عاص :۔ یہ اور ہم سب کے سب ایک دین پر تھے ۔ پس یہ لوگ اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر ایک علیحدہ دین پر چلے گئے اور کہا ہمیں قوم نے بھیجا ہے کہ آپ ان لوگوں ہی کو ہمارے حوالہ کر دیں ۔
نجاشی بادشاہ :۔ تمہارا دین کیا تھا اور ان لوگوں نے کونسا دین اختیار کر لیا ہے ؟ اس کے جواب میں عمرو بن عاص بالکل خاموش ہو گیا اور کچھ نہ کہہ سکا تو حضرت جعفر طیارؓ گویا ہوئے ۔
جعفر طیارؓ :۔ بادشاہ ! جس دین پر ہم پہلے تھے وہ دینِ شیطان تھا ۔ ہم اللہ سے کفر کر کے پتھروں کی پوجا کیا کرتے تھے اور اب جو دین ہم نے اختیار کیا ہے وہ دینِ خدا اور دینِ اسلام ہے جو خدا کے رسولؐ اور خدا کی کتاب کے ذریعے سے ہم تک پہنچا ہے اور ہماری کتاب حضرت عیسیٰؑ بن مریم کی کتاب کی طرح ہے اور اس کی تصدیق کرنے والی ہے ۔
نجاشی :۔ نہایت متحیر انداز سے ۔ جعفر تو نے تو ایک بڑی بات کہہ دی ۔ پس فوراً ناقوس بجایا گیا اور ہر طرف سے پادری اور راہب فوراً جمع ہوئے تو بادشاہ نے ان سے پوچھا ! تمہیں اس خدا کی قسم جس نے حضرت عیسیٰؑ پر انجیل کو نازل فرمایا ۔ بتائیے ۔ عیسیٰؑ اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبی بھی آنے والا ہے ؟
پادری :۔ جی ہاں ! ہمیں حضرت عیسیٰؑ کی طرف سے بشارت دی گئی ہے کہ جو اس نبی پر ایمان لائے گا ۔ گویا اس نے میری تصدیق کی اور جس نے اس کا کفر کیا گویا اس نے میرا انکار کیا ۔
نجاشی :۔ حضرت جعفر طیارؓ کی طرف متوجہ ہو کر تم لوگوں کو وہ نبی کیا بتلاتا ہے ۔ کس چیز کا امر اور کس چیز سے نہی کرتا ہے
جعفر طیارؓ :۔ وہ اللہ کی کتاب پڑھتا ہے ۔ معروف کا امر ۔ برائی سے نہی ۔ ہمسایہ سے حسنِ سلوک ، صلہ رحمی اور یتیم پروری سکھاتا ہے اور ہمیں صرف ایک خدا کی عبادت کا حکم دیتا ہے ۔ جس کا کوئی شریک نہیں ۔
نجاشی :۔ اپنی کتاب میں سے کچھ سنائیے ۔
جعفر طیارؓ نے سورہ عنکبوت اور سورۂ روم کی تلاوت کی تو نجاشی اور اس کے تمام دربار پر گریہ طاری ہو گیا اور انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ اس پاکیزہ کلام کا کچھ اور حصہ بھی سنائیے ۔ چنانچہ آپ نے ان کی خواہش پر سورۂ کہف کی تلاوت کی ۔
عمرو عاص جو اپنے مقام پر انتہائی شرمساری سے سر جھکائے ہوئے تھا ۔ اس نے نجاشی کو غصہ میں لانے کے لئے ایک بہانہ سوچا ۔ اور وہ یہ کہ حضورؐ ! یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ ماجدہ کو سبّ کرتے ہیں ۔
نجاشی :۔ آپ کا حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کے متعلق کیا نظریہ ہے ۔
جعفر طیارؓ نے سورہ مریم کی تلاوت شروع کر دی ۔ جب حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کا ذکر ہوا تو نجاشی کہنے لگا ۔ بخدا حضرت مریم و حضرت عیسیٰؑ کے متعلق یہی عقیدہ ہی درست اور صحیح ہے پس حضرت جعفر طیارؓ اور ان کے ساتھیوں سے

کہا کہ تم میرے ملک میں با امن و امان بسر کرو اور ابراہیمی گروہ پر کوئی تشدد نہ کیا جائے گا۔

عمرو عاص :۔ اے نجاشی بادشاہ! ابراہیمی گروہ سے کون لوگ مراد ہیں ؟

نجاشی :۔ وہ یہی لوگ ہیں اور ان کا نبی جس نے ان کو یہاں بھیجا ہے۔ یہ سنتے ہی مشرکین نے کہا کہ ملت ابراہیمی پر تو ہم لوگ ہیں۔ پس نجاشی بادشاہ نے عمرو عاص کو وہ مال واپس کر دیا جو بطور ہدیہ لائے تھے اور کہا کہ یہ ہدیہ تم لوگ مجھے بطور رشوت دے رہے تھے۔ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ جس خدا نے مجھے یہ ملک عطا فرمایا ہے اس نے مجھ سے رشوت نہیں لی تھی۔ حضرت جعفر طیار فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم نے نہایت پر امن زندگی بسر کی اور ادھر خداوند کریم نے مدینہ میں مشرکین کے دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے اپنے رسولؐ پر یہ آیت نازل فرمائی۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ الخ

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ عمارہ بن ولید اور عمرو عاص کے درمیان حبشہ کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں ان بن ہو گئی تھی۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ عمارہ بن ولید خوبصورت نوجوان تھا اور عمرو عاص کی بیوی بھی ہمراہ تھی۔ جب کشتی میں سوار ہوئے اور عمارہ نے شراب نوشی کی تو حالت نشہ میں اس نے عمرو عاص سے کہا کہ اپنی بیوی سے میرے لئے بوسہ کی سفارش کرو تو عمرو عاص نے انکار کیا۔ جب عمرو عاص نے شراب پیا اور نشہ میں مست ہوا تو عمارہ نے اسے سمندر میں دھکیل دیا۔ لیکن وہ ڈوبنے سے بچ گیا اور کشتی کو پکڑ کر پھر اوپر چڑھ آیا۔

جب حضرت جعفر طیار کے بیان سے نجاشی بادشاہ خوب متاثر ہوا تو پھر عمرو عاص نے اپنا مطالبہ دھرایا۔ پس بادشاہ نجاشی نے غصہ میں آکر عمرو کے منہ پر ایک زور سے تھپڑ مارا اور کہا کہ اگر تو نے پھر جعفر طیار کے متعلق کچھ کہا تو میں برا پیش آؤں گا اور ہدیئے اور تحفے بھی واپس کر دیئے۔

بروایت صافی عمارہ پر بادشاہ کی کنیز عاشق ہو گئی۔ چنانچہ عمرو عاص نے عمارہ کو مشورہ دیا کہ اس کے ساتھ تعلقات بڑھاؤ تاکہ بادشاہ کی خوشبو چرا کر ہمیں لا دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پھر عمرو عاص نے عمارہ سے سابقہ رنجش کا انتقام لینے کے لئے بادشاہ کو عمارہ و کنیز کا معاشقہ سنا دیا اور چرائی ہوئی خوشبو بطور گواہ کے پیش کر دی۔ پس بادشاہ نے جادوگر کو بلا کر اس پر جادو کا ایسا اثر ڈالا کہ وہ سخت عذاب میں گرفتار ہو کر واصل جہنم ہوا۔ پس یہ آیتیں اتریں۔

پارہ ۷

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا

اور جب سُنیں وہ جو نازل ہُوا رسول پر تو دیکھے گا کہ ان کی آنکھیں بہتی ہیں آنسوؤں سے بوجہ اس کے کہ جانا

مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٨٣﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ

حق کو کہتے ہیں اے رب ہمارا ہم ایمان لائے پس لکھ ہمیں شہادت دینے والوں کے ساتھ اور یہ کیسے ہو کہ ہم نہ ایمان لائیں

بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ﴿٨٤﴾

اللہ پر اور اس پہ جو ہمارے پاس حق اور ہم پُر امید ہیں کہ داخل کرے ہم کو ہمارا رب نیک لوگوں میں

فَأَثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَ

پس بدلہ دیا ان کو اللہ نے بوجہ اس کے جو کہا باغات کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ ہوں گے ان میں اور

ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

یہ بدلہ ہے احسان کرنے والوں کا اور جو لوگ کافر ہوئے اور جھٹلایا ہماری آیات کو تو وہ

رکوع ۱۱ ۔ وَإِذَا سَمِعُوا ۔ جب حضرت جعفر طیّار حبشہ میں مقیم تھے تو اسماء بنتِ عمیس کے شکم سے ان کا فرزند حضرت عبداللہ ۔ حضرت صدیقہ صغریٰ کا شوہر وہیں پیدا ہُوا تھا اور نجاشی بادشاہ کا ایک لڑکا پیدا ہوا تو نجاشی نے اس کا نام محمدؐ رکھا تھا اور جناب رسالتمآبؐ کی طرف اس نے ماریہ قبطیہ کو بھیجا تھا جو حضرت کے فرزند ابراہیمؑ کی والدہ تھیں ۔ اور کافی تحفے اور ہدیئے بھی ساتھ روانہ کئے تھے اور بہت سے قسّیس یعنی پوپ پادری بھی بھیجے تھے کہ حضورؐ کا کلام سُنیں اور ان کے عادات و اطوار، کردار و گفتار کا جائزہ لیں ۔ پس جب وہ مدینہ میں آئے تو حضورؐ نے اُن کے سامنے سورۂ مریم تلاوت فرمائی پس وہ لوگ روئے اور ایمان لائے اور واپس حبشہ میں پہنچ کر حقیقت بیان کی اور سورۂ مریم کی آیتیں سنائیں تو نجاشی اور دیگر علماء بہت روئے ۔ پس نجاشی مسلمان ہوگیا لیکن اہلِ حبشہ کے سامنے اپنے اسلام کو ظاہر نہ کر سکتا تھا ۔ لہذا ہجرت کر کے واپس مدینہ کی طرف آنا چاہا ۔ لیکن راستہ میں انتقال ہوگیا اور یہ آیتیں انہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں (تفسیر صافی)

اور مجمع البیان میں ہے کہ حضرت جعفر طیّار حبشہ سے اپنے سارے ساتھیوں کو ساتھ لے کر واپس آئے اور اہلِ حبشہ اور اہلِ شام میں سے اسّی یا کم و بیش تعلیم یافتہ و معتبر نصرانیوں کو بھی اسلام کی صداقت آشکار کرنے کے لئے اپنے ہمراہ لائے اور یہ عین اس وقت میں پہنچے جبکہ حضورؐ جنگِ خیبر فتح کر چکے تھے پس فرمایا کہ میں اس بات میں فیصلہ نہیں کر سکتا کہ

باقی صفحہ ۱۶۲ پر دیکھیں دو ورق آگے الٹے

ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ

پھر ڈریں اور نیکیاں کریں اور اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو اے ایمان والو ضرور آزمائے گا تم کو

اشارہ ہو جس طرح کافی میں حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایمان کے درجے ہیں کامل اور بعض ناقص۔

درجاتِ ایمان و تقویٰ

صافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔ مومنین کے مراتب و منازل ہیں کوئی ایک درجہ پر کوئی دو درجہ پر۔ اسی طرح چھ سات آٹھ دس علیٰ ہٰذا القیاس مدارج بڑھتے چلے جاتے ہیں تو ایک درجہ والے پر دو کا بوجھ یا دو والے پر تین کا بوجھ اگر رکھا جائے تو کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ نیز صافی میں مصباح الشریعۃ سے منقول ہے کہ تقویٰ کی تین قسمیں ہیں ۱۔ خوفِ خدا کے لئے بعض حلال امور کا ترک کر دینا اور یہ تقویٰ خاص الخاص ہے اور یہ ہے تقویٰ فی اللہ ۲۔ حرام سے بچنے کے لئے حرام سے گریز کرنا اور یہ تقویٰ خاص ہے اور اس کو تقویٰ من اللہ کہا جاتا ہے ۳۔ آتشِ جہنم سے بچنے کے لئے حرام سے گریز کرنا اور یہ تقویٰ عام ہے اور اس کی حسی مثال اس طرح ہے کہ تقویٰ بمنزلہ نہر جاری کے ہے اور یہ تین درجے مثل ان درختوں کے ہیں جو کنارۂ نہر پر لگائے گئے ہوں پس ہر رنگ اور ہر جنس کا درخت اپنے جوہر و طبیعت اور لطافت و کثافت کی مناسبت سے اپنی جڑوں کے ذریعے سیرابی حاصل کرتا ہے اور پھر ان درختوں کے میووں اور پھلوں سے ان کی قدر و قیمت کے ماتحت ہی لوگ متنفع ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِى الْاُكُلِ ۔ پس تقویٰ عبادات کے لئے ایسا ہے جس طرح نہر کا پانی کنارے پر لگائے ہوئے درختوں کے لئے اور رنگ و ذائقہ میں درختوں کے طبائع کا فرق جو ہے وہ ایمان کے منازل کے تفاوت کی مثال ہے پس ایمان میں جس قدر بلندی اور اس کے جوہر روح میں جس قدر صفائی زیادہ ہو گی تو تقویٰ کا پایہ بلند ہو گا اور عبادت زیادہ خالص و طاہر ہو گی اور اللہ سے قرب بھی زیادہ ہو گا اور جس عبادت کی بنیاد تقویٰ کے بغیر ہو گی پس وہ ہبا منثور کی طرح ہو گا الخ اس کی وضاحت میں محدث فیض اعلی اللہ مقامہ فرماتے ہیں کہ:۔

ایمان کا پہلا درجہ ایک ناقص سی تصدیق ہوتی ہے جو کم و بیش شکوک و شبہات کی آلائشوں سے منزہ نہیں ہوتی۔ اس لئے اس میں بعض گوشے شرک کے بھی پائے جانے کا امکان ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ اور اس درجہ کو عام اصطلاح میں اسلام کا نام دیا جاتا ہے جیسے قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ اور جو تقویٰ اس ایمان سے پہلے ہوتا ہے وہ تقویٰ عام ہے۔

اور ایمان کا دوسرا مرتبہ وہ تصدیق ہے جس میں شک و شبہ نہ ہو۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا

اللہُ بِشَیْءٍ مِنَ الصَّیْدِ تَنَالُہٗٓ اَیْدِیْکُمْ وَرِمَاحُکُمْ لِیَعْلَمَ اللہُ مَنْ

اللہ ساتھ کچھ شکار کے جسے لگتے ہیں تمہارے ہاتھ اور نیزے تاکہ پتہ کرے کہ کون ڈرتا ہے اس

اور اصطلاح میں اسی کو ایمان کہتے ہیں اور انہی کے متعلق ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیَاتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ اور جو تقویٰ اس ایمان کا پیش خیمہ ہوتا ہے وُہ خاص ہے۔

اور ایمان کا آخری درجہ ہے شہود و عیان کا جسے محبت کاملہ کہا جا سکتا ہے یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ اس کو احسان سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے جس طرح حدیث نبوی میں ہے کہ اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ یعنی احسان کا درجہ یہ ہے کہ خدا کی اس طرح عبادت کر کہ گویا اس کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور اس کو ایقان بھی کہا جاتا ہے وَھُمْ یُوْقِنُوْنَ اور جو تقویٰ اس ایمان سے متقدم ہوتا ہے وُہ تقویٰ خاص الخاص ہے۔

تقویٰ کو ایمان سے مقدم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ایمان تقویٰ کی وجہ سے قوت وطاقت حاصل کرتا ہے یعنی جس قدر تقویٰ زیادہ ہوگا ایمان زیادہ ہوگا اگرچہ یہ بھی درست ہے کہ اصل میں ایمان تقویٰ سے متقدم ہوا کرتا ہے اور اس میں منافات اس لئے نہیں ہے کہ ایمان روشنی کی مثل ہے پہلے روشنی ہو گی تب انسان چلے گا پس تاریکی میں جو شخص ہاتھ میں لیمپ لے کر روانہ ہو تو راستہ پر پہلے روشنی پھر قدم اور ہر قدم روشنی کے آگے بڑھنے کا پیش خیمہ ہو گا۔ اصل کے اعتبار سے روشنی پہلے ہے اس کے بعد روشنی کا ہر مرتبہ چلنے کے بعد حاصل ہوتا ہے اسی طرح اصل میں ایمان مقدم ہے لیکن بعد کا ہر مرتبہ تقویٰ سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ نیز پہلے درجہ کو علم الیقین اور دوسرے کو عین الیقین اور تیسرے کو حق الیقین سے عارف لوگ تعبیر کیا کرتے ہیں اور اس کی قدرے وضاحت تفسیر کی تیسری جلد صہ ۱۵۲ و صہ ۱۵۳ پر ہو چکی ہے اور اس آیت مجیدہ میں جو تکرار ہے گویا پہلی دفعہ اِتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا تقویٰ عام اور ایمان کا پہلا درجہ مراد ہے اور اِتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا جب دوبارہ استعمال ہوا تو اس سے مراد تقویٰ خاص اور ایمان کا دوسرا درجہ عین الیقین مراد ہے اور سہ بارہ استعمال میں تقویٰ خاص الخاص اور ایمان سے مراد درجہ حق الیقین ہے اسی لئے اس کو احسان سے تعبیر فرمایا ہے کہ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا

رکوع ۳

حالت احرام میں شکار کا حکم

بِشَیْءٍ مِنَ الصَّیْدِ :- کچھ شکار اس لئے کہ صرف بری شکار حالت احرام میں حرام ہے نہ کہ بحری اور بعضوں نے کہا ہے کہ جس طرح امت موسیٰ کا امتحان بحری شکار میں رکھا گیا تھا اسی طرح امت اسلامیہ کا امتحان بری شکار میں رکھ دیا گیا ہے۔

تَنَالُہٗٓ اَیْدِیْکُمْ :- مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس پر ہاتھ پہنچیں اس سے

يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يٰۤاَيُّهَا

سے غائبانہ پس جو سرکشی کرے گا بعد اس کے تو اس کے لئے عذاب دردناک ہوگا اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا

ایمان والو نہ مارو شکار در حالتِ احرام اور جو مارے گا اُسے تم میں سے جان کر

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ

تو بدلہ اس کا مثل اس کے جو جانور قتل کیا فیصلہ کریں اس کا دو عادل تم میں سے قربانی ہے کعبہ میں پہنچنے والی

مراد ہے پرندوں کے انڈے بچے اور وحشی جانوروں کے چھوٹے بچے اور جس پر نیزہ پہنچے اس سے مراد بڑا شکار ہے اور نیزہ بطور مثال کے ہے ورنہ تیر تلوار، چھرا، چاقو بلکہ ہر تیز دھار آلہ اسی حکم میں داخل ہے اور تفسیر صافی میں کافی سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیت بطور امتحان صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی کہ تمام جانور جناب رسالتمآبؐ کے لئے وہاں بھیج دیئے گئے۔ یہاں تک کہ ان کے ہاتھ اور نیزے ان تک پہنچ سکتے تھے۔

لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ:۔ صافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب احرام باندھ لو تو ہر جانور بری کے مارنے سے بچو۔ سوائے ناگ، بچھو اور چوہے کے چوہا اس کے لئے کہ مشکیزوں کو کتر جاتا ہے اور گھر جلا دیتا ہے بچھو اس لئے کہ خدا کے پیغمبرؐ نے پتھر کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا تو ایک بچھو نے انہیں کاٹا تھا تو اُنہوں نے اس کو لعنت کی تھی کہ تو نیک و بد کو نہیں چھوڑتا اور سانپ اگر تم پر حملہ کرے تو اس کو مارو ورنہ جانے دو اور لڑاکا کتا اور دوسرا درندہ اگر تمہیں چھیڑیں تو ان کو قتل کرو ورنہ ان کو کچھ نہ کہو۔ لیکن کالے ناگ کو ہر حالت میں مارو اور کوے اور چیل کو اونٹ پر بیٹھے ہوئے کنکرہ پھینک کر دُور کرو۔ ایک روایت میں بھیڑیئے، گدھ، مشکی ناگ اور بھیڑیئے کے قتل کی اجازت دی گئی ہے اور ایک روایت میں معصوم نے ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے کہ حالتِ احرام میں محرم جن جن جانوروں سے اپنی جان کا خوف محسوس کرے اِن کو قتل کرنا جائز ہے خواہ درندہ ہو یا سانپ ہاں اگر نہ چھیڑیں تو خواہ مخواہ ان کو نہ چھیڑو۔

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ:۔ یعنی ہرن، بارہ سنگا وغیرہ کے بدلہ میں بکری اور گورخر، نیل گائے وغیرہ کے بدلہ میں گائے اور شتر مرغ کے بدلہ میں اونٹ اور معصومینؑ سے ایسا ہی منقول ہے۔

ذَوَا عَدْلٍ:۔ حضرت باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ عادل سے مراد رسولؐ اور اس کے بعد امامؑ ہے پس وہ جو حکم کریں بلا عذر تسلیم کر لینا ضروری ہے۔

بٰلِغَ الْكَعْبَةِ:۔ کافی سے مروی ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا حالتِ احرام میں اگر کسی قربانی کا وجوب

أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ ۗ

یا کفارہ کھانا	مسکینوں کا	یا بدلہ اس کے روزے رکھنا	تاکہ	چکھے	وبال	اپنے کئے کا

عائد ہو جائے تو جہاں چاہے ذبح کر سکتا ہے لیکن شکار کا فدیہ کعبہ میں ہی پہنچانا ہو گا۔ نیز آپ سے مروی ہے اگر احرام عمرہ میں ہو تو قربانی کعبہ کے سامنے ذبح یا نحر کرے اور اگر احرام حج میں ہو تو قربانی منیٰ میں ذبح یا نحر کرے۔

اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ :- یعنی شکار کی مثل جانور اگر دستیاب نہ ہو تو اس کی قیمت لگا کر گندم لی جائے گی اور دو دو مد ایک مسکین کو دیئے جائیں گے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اس کے برابر پھر روزے واجب ہوں گے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ اگر شتر مرغ کو مارا ہو تو ایک اونٹ نحر کرے اور اگر اونٹ سے عاجز ہو تو اس کی قیمت (جو عادل کی مقرر کردہ ہو) کی گندم خریدکرے اور دو دو مد ایک ایک مسکین کو دیا جائے حتی کہ ساٹھ مسکینوں کو دے اگر گندم بچ جائے تو زیادہ کو دینا ضروری نہیں اور اگر گندم کم ہو تو ساٹھ کا پورا کرنا بھی ضروری نہیں اور اگر اس سے عاجز ہو تو ساٹھ روزے رکھے اور یہ بھی نہ کر سکے تو اٹھارہ روزے رکھے۔

۲۔ شتر مرغ کا بچہ مارے تو صحیحہ ابان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس کا کفارہ وہی ہے جو شتر مرغ کے مارنے کا ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ ہر بچہ کے بدلہ میں اونٹ کا بچہ دے۔

۳۔ اگر گورخر یا بیل گائے وغیرہ کو قتل کرے تو اس کا کفارہ گائے کی قربانی ہے اگر یہ نہ کر سکے تو اس کی قیمت سے گندم خرید کر کے تیس مسکینوں کو دو دو مد فی مسکین تقسیم کرے اور عجز کی صورت میں تیس روزے رکھے اور اگر اس سے بھی عاجز ہو تو صرف نو روزے رکھے

۴۔ اگر ہرن کو قتل کرے تو اس کا کفارہ ایک بکری ہے اگر عاجز ہو تو اس کی قیمت سے حسب سابق دس مسکینوں پر گندم تقسیم کرے اور عجز کی صورت میں دس روزے رکھے اور اگر اس سے بھی عاجز ہو تو تین روزے رکھے۔

۵۔ اگر شتر مرغ کے ایسے انڈے توڑ دے جن میں بچہ حرکت کر چکا ہو تو ہر انڈے کے بدلے میں ایک جوان اونٹ قربان کرے

۶۔ اگر شتر مرغ کے ایسے انڈے توڑے جن میں بچہ ابھی تک حرکت نہ کرنے لگا ہو تو انڈوں کی تعداد کے برابر نر اونٹ مادہ پر بٹھلائے اور جس قدر ان سے بچے پیدا ہوں وہ قربان کرے۔ چنانچہ تہذیب سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے حالتِ احرام میں شتر مرغ کے انڈے توڑنے کا کفارہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جا کر میرے فرزند حضرت حسنؑ سے پوچھ چنانچہ وہ بھی قریب ہی تشریف فرما تھے پس سائل نے ان سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ٹوٹے ہوئے انڈوں کی مقدار میں نر اونٹ مادہ پر بٹھاؤ اور جس قدر بچے پیدا ہوں وہ بیت اللہ کی قربانی کے ہوں گے یہ سن کر حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ اے فرزند! یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ بعض اوقات نر سے ملنے کے بعد اونٹنی حاملہ نہیں ہوا کرتی تو حضرت امام حسنؑ نے عرض کی اے بابا جان! اگر بعض اوقات اونٹنیاں حاملہ نہیں ہوتیں تو اسی طرح بعض انڈے بھی تو ردی ہوا کرتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت امیر علیہ السّلام ہنس پڑے اور بیٹے کو شاباش دیکر آیت قرآن تلاوت فرمائی ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ وَاللّٰهُ

الْجَحِيمِ ﴿۸۶﴾ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا

دوزخی ہیں ۔ اے ایمان والو! نہ حرام جانو پاکیزہ چیزیں جو حلال کیں اللہ نے تم پر اور نہ

تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ

حد سے بڑھو تحقیق اللہ نہیں دوست رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو اور کھاؤ اس سے جو رزق دیا تم کو اللہ نے

حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾

حلال طیّب اور ڈرو اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو

جعفر کی واپسی کی خوشی زیادہ مناؤں یا فتح خیبر کی خوشی زیادہ کروں ۔ پس حضورؐ نے نصرانیوں کے سامنے سورۂ یٰسین کی تلاوت کی تو وہ بہت روئے اور مشرف باسلام ہوئے ۔ پس یہ آیتیں اتریں ۔

رکوع نمبر ۲ :-

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ :- تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ایک روز جناب رسالتمآبؐ نے لوگوں کے سامنے قیامت کا تذکرہ کیا پس سب لوگوں پر خوفِ خدا سے گریہ طاری ہوا ۔ چنانچہ اس کے بعد اکابر صحابہ میں سے دس آدمی عثمان بن مظعون کے گھر جمع ہوئے اور انہوں نے اس امر پر اتفاق کیا کہ آئندہ دن کو روزہ اور رات کو عبادت سے بسر کریں گے اور سونا گوشت کھانا ۔ عورتوں کے قریب جانا اور خوشبو لگانا ترک کریں گے ۔ نیز ٹاٹ پہن کر ترک دنیا کر کے زمین میں سیاحت کریں گے جب جناب رسالتمآبؐ کو پتہ چلا تو عثمان کے گھر تشریف لائے لیکن وہ موجود نہ تھا تو اس کی عورت ام حکیم جس کا نام خولا تھا اس سے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہوئی ہے تو اس نے جھوٹ بولنا بھی پسند نہ کیا اور اپنے شوہر کی رعایت کو بھی ملحوظ رکھا ۔ عرض کی اے آقا اگر عثمان نے آپ کو کچھ بتایا ہے تو وہ صحیح ہے ۔ پس حضورؐ واپس چلے گئے اور عثمان جب گھر آیا تو اس کو زوجہ نے رسولؐ کی تشریف آوری کی اطلاع دی وہ فوراً اپنے ساتھیوں سمیت خدمت رسالتمآبؐ میں حاضر ہوا ۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے فلاں مشورہ کیا ہے تو سب نے ہاں میں جواب دیا اور عرض کی کہ حضورؐ! ہم نے نیک ارادہ کے ماتحت یہ فیصلہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے ایسی باتوں کا حکم نہیں ہوا ہے ۔ بلکہ تم لوگ اپنے نفسوں کے حقوق بھی ادا کرو ۔ روزے بھی رکھو اور بے روزہ بھی رہو ۔ عبادت بھی کرو اور سوؤ بھی جس طرح میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور بے روزہ بھی رہتا ہوں ۔ عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں ۔ نیز گوشت ، چربی وغیرہ بھی کھاتا ہوں اور عورتوں سے مقاربت بھی کرتا ہوں اور جو شخص میری سنت سے مُنہ پھیرے گا وہ میری اُمت سے نہ ہوگا پھر لوگوں کو جمع کر کے آپ نے ایک خطبہ ادا فرمایا اور عورتوں سے علیحدگی ، عمدہ کھانے ، خوشبو ، نیند اور شہوت کے بالکل ترک

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ
نہیں پکڑتا تم کو اللہ تمہاری لغو قسموں میں ولیکن پکڑے گا تم کو ساتھ اس کے جو پکی
الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ
قسم کھاؤ تو اس کا کفارہ (بصورت مخالفت) دس مسکینوں کا کھانا درمیانہ وہ جو کھلاتے ہو اپنے
اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ
گھر والوں کو یا کپڑا ان کا یا آزاد کرنا غلام کا پس جو نہ پائے (اتنی طاقت) تو روزہ تین دن کا
اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ
رکھنا یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم قسم اٹھاؤ (اور پھر توڑ دو) اور پورا کرو اپنی قسموں کو اسی طرح بیان
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا
کرتا ہے اللہ تم پر اپنی آیات کو تاکہ تم شکر گزار ہو اے ایمان والو! سوائے اس کے

کرنے سے منع فرمایا کہ میں تم کو راہب بنانے نہیں آیا۔ میرے دین میں گوشہ نشینی نہیں ہے بلکہ میری امت کی سیاحت روزہ اور رہبانیت جہاد ہے۔ اللہ کی عبادت کرو، شرک نہ کرو، حج وعمرہ، نماز، زکوٰۃ روزۂ ماہِ رمضان ادا کرو کیوں کہ اپنے نفسوں پر سختیاں اٹھانے والے لوگ تم سے پہلے ہلاک ہوگئے ہیں۔ پس خداوند کریم نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

قسم کا کفارہ

لَا يُؤَاخِذُكُمْ :۔ یعنی جو قسم باتوں باتوں میں اپنی عادت کے ماتحت کھائی جاتی ہے مثلاً بات کرتے ہوئے کہہ دیا خدا کی قسم یا قسم بخدا میں نے یوں کیا یاں کیا۔ یہ کیا وہ کیا اور بعض لوگوں کو اس قسم کی قسم کھانے کی عادت ہوا کرتی ہے پس فرماتا ہے ایسی قسمیں درحقیقت چونکہ قسمیں نہیں ہوا کرتیں بلکہ کلام میں یہ لغو بھرتی ہوتی ہے لہٰذا اس کی مخالفت کا کوئی مواخذہ نہ ہوگا اور نہ اس کا کوئی کفارہ ہے۔

وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ :۔ عقد کا معنی ہے باندھنا اور وہ نیت سے ہی ہوا کرتا ہے پس قسم قسم تب ہوگی جب اس میں یہ شرائط موجود ہوں (۱) قسم اللہ کے نام سے یا اس کی صفاتِ مخصوصہ سے ہو۔ پس اگر کوئی شخص نبی، امام یا قرآن کی قسم کھائے تو وہ قسم شمار نہ ہوگی۔ (۲) قسم کھانے والا عاقل۔ بالغ صاحب اختیار ہو اور اپنے ارادہ و نیت سے کسی امر کی قسم کھائے (۳) فعل ماضی پر نہ ہو بلکہ آئندہ کے متعلق ہو کہ کروں گا یا نہ کروں گا (۴) ترک واجب یا فعل حرام یا ترکِ سنت یا

الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ

نہیں کہ شراب وجُوا اور بتوں کے نام پر ذبح شدہ اور جوئے کے تیروں سے تقسیم بری چیزیں ہیں شیطانی کام سے

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ

پس ان سے بچو تاکہ تم نجات پاؤ سوائے اس کے نہیں کہ چاہتا ہے شیطان کہ ڈالے تم میں دشمنی اور کینہ شراب اور

فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ

جوئے کے معاملہ میں اور پھیر دے تم کو ذکر خدا سے اور نماز سے تو کیا تم ترک

فعل مکروہ کی قسم نہ ہو بلکہ اس کے برعکس فعل واجب وسنّت یا ترک حرام ومکروہ کی قسم ہو (۵) اپنے فعل یا ترک کی قسم ہو اگر کسی دوسرے کے متعلق اس کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے تو یہ بھی لغو ہوگی۔

مسئلہ:۔ قسم کھانا جبکہ جھوٹ پر ہو حرام ہے اور عام جھوٹ سے اس کا گناہ زیادہ ہوگا اور سچی قسم کھانا مکروہ ہے

مسئلہ:۔ قسم کو توڑنے پر کفّارہ واجب ہوگا جو قرآن بیان کر رہا ہے کہ اپنی اوسط غذا سے دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ان کو کپڑا دے۔ یعنی دو کپڑے فی کس لنگ اور قمیض یا ایک غلام آزاد کرے اور ان تمام چیزوں سے عاجز ہو تو تین دن پے درپے روزے رکھے۔

شراب وجُوئے کی حُرمت

تفسیر صافی میں ہے حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ شراب پینے والے کو تعزیر دی جائے گی اگر دوبارہ پیئے تو پھر تعزیر اور تیسری دفعہ بھی تعزیر لیکن چوتھی مرتبہ اس کو قتل کر دیا جائے گا اور فرمایا کہ بروز محشر شرابی کے لئے حرام کار عورتوں کی شرمگاہوں سے خارج ہونے والا بدبودار پیپ اور غلیظ خون دوزخ میں غذا ہوگی جس کی حرارت اور بدبو سے تمام اہل جہنّم بھی پناہ مانگیں گے اور فرمایا کہ شرابی کی چالیس روز تک نماز قبول نہیں ہوتی اور اگر اس دوران میں بغیر توبہ کے مرجائے تو خدا اس کو جہنّم میں بدبودار پیپ پلائے گا اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر حضرت رسالتمآبؐ نے لعنت بھیجی ہے ۱۔کاشت کرنے والا ۲۔حفاظت کرنے والا ۳۔نچوڑنے والا ۴۔پینے والا ۵۔پلانے والا ۶۔اٹھانے والا ۷۔جس کی طرف لایا جائے ۸۔بیچنے والا ۹۔خریدنے والا ۱۰۔اس کی قیمت کھانے والا اور چوپڑ شطرنج گوٹیاں اور اخروٹوں وغیرہ سے بازی کرنا۔ نیز تاش کھیلنا۔ بلکہ ہر وہ کھیل جس میں ہار جیت پر شرط مقرر ہو سب میسر میں داخل ہیں اور حرام ہیں۔

رِجْسٌ :۔ مذکورہ چیزوں کی حرمت کے لئے چار تعبیریں فرمائی ہیں ۱۔رجس ہیں یعنی خبیث اور گندی ہیں۔ ۲۔شیطانی فعل ہیں۔ پس ان دونوں عبارتوں کا مقصد یہ ہے کہ ان سے بچو لیکن صراحت نہیں ۳۔صریح لفظوں میں

مُنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا

جاؤ گے اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ڈرو پس اگر تم پھر گئے

اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

تو جانو کہ صرف ہمارے پیغمبر پر تو صاف صاف پہنچا دینا ہے نہیں اوپر ان کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے کوئی گناہ اس چیز کا

جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا

جو کھا چکے جبکہ اس سے ڈریں اور ایمان لائیں (آئندہ) اور عمل نیک کریں پھر ڈریں اور ایمان لائیں

ارشاد فرمایا کہ ان سے اجتناب کرو ہم۔ نجات وفلاح کو ان سے بچنے پر مرتب فرمادیا کہ اگر ان سے بچو گے تو نجات پاؤ گے ورنہ نہیں اور حضورؐ نے فرمایا کہ شراب پینے والا مثل بت پرست کے ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ :- اللہ و رسولؐ کی اطاعت کرو اور ان کی نافرمانی سے ڈرتے رہو اور ان کے احکام میں سے ایک اقرار ولایت بھی ہے چنانچہ تفسیر صافی میں کافی سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسی آیت کے ذیل میں فرمایا کہ تم سے پہلے جس قدر لوگ ہلاک ہوئے اور آج تک بلکہ حضرت قائم آل محمدؐ کے ظہور تک جس قدر لوگ گمراہ ہوں گے وہ صرف ہماری ولایت کے ترک کی وجہ سے ہے اور ہمارے حقوق کے انکار کی ہی بدولت ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے رحلت سے پہلے اس امت کی گردن پر یہ چیز لازمی قرار دے دی اور پھر خدا جسے چاہتا ہے راست راستہ پر چلنے کی توفیق مرحمت فرماتا ہے۔

فِيْمَا طَعِمُوْٓا :- مجمع البیان میں تفسیر اہل بیتؑ سے منقول ہے یعنی جو کچھ حلال رزق کھا چکے اور تفسیر صافی میں ہے کہ جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو لوگوں نے عرض کی کہ حضورؐ جو لوگ حرمت شراب کے حکم سے پہلے اس دار فانی سے رخصت ہو گئے ہیں وہ اپنے زمانہ میں شراب بھی پیا کرتے تھے تو خدا نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جو کچھ کھا پی چکے ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ ان کی موت ایمان پر تھی۔ ہاں جو زندہ ہوں ان کے لئے بھی گذشتہ کی معافی ہے لیکن آئندہ بچنا چاہیے آیت مجیدہ میں اٰمَنُوْا تین دفعہ استعمال ہوا ہے پس معنی اس طرح ہوگا۔ وہ ایمان والے جو حرمت شراب کے بعد حرام سے بچے اور صحیح معنوں میں مومن ثابت ہوئے اور حرام سے بچنے پر ثابت قدم رہے۔ پھر ایمان پر ثابت قدم رہے اور منازل تقویٰ طے کیں کہ فرائض کو ادا کیا اور احسان کی صفت بھی اختیار کی یعنی مستحبات کو بھی بجا لائے۔ اسی طرح پہلے مقام پر ایمان کے بعد نیک عمل اور پھر تقویٰ کے بعد نیک عمل جدا جدا معنوں میں استعمال ہوں گے۔ پہلی جگہ مراد ہوگی ظاہری نیکی اور دوسری جگہ مراد ہوگی کہ وہ عمل واقع میں بھی نیک عمل تھے اور تفسیر صافی میں ہے کہ ممکن ہے کہ ایمان و تقویٰ کا تکرار تفاوت مراتب کی طرف

عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ط وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

معاف کیا اللہ نے جو گزر چکا اور جو پھر کرے گا تو بدلہ لے گا اس سے اللہ (قیامت کو) اور اللہ غالب بدلہ لینے والا ہے

سَبِيْعٌ عَلِيْمٌ پس اگر کوئی شخص اس سے عاجز ہو تو ہر انڈے کے بدلہ میں علی الترتیب ایک بکری یا دس مسکینوں کا کھانا یا تین روزے رکھے ان کے علاوہ کفاروں کی پوری تفصیل کتب فقہیہ میں موجود ہے۔

مسئلہ: کفارہ مذکورہ میں اگر روزے رکھے تو کیا ان کو پے درپے رکھنا ضروری ہے یا نہیں؟ تو اس میں اختلاف ہے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ایک صحیح روایت میں منقول ہے کہ آپ سے قضائے ماہ رمضان کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا ان کو پے درپے رکھنا واجب نہیں ہے اور جو روزے پے درپے رکھنے واجب ہیں وہ صرف ظہار کا کفارہ قتل کا کفارہ اور قسم کا کفارہ ہے اس روایت کے حصر سے پتہ چلتا ہے کہ کفارہ صید احرام کے روزوں میں پے درپے رکھنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اکثر علماء مثلاً شیخ مفید و سید مرتضےٰ وغیرہ اس کو واجب قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ کفارہ ہے اور کفارہ میں تتابع کا اعتبار ہوتا ہے۔ بہرصورت احتیاط پے درپے رکھنے میں ہی ہے۔

وَمَنْ عَادَ:۔ تفسیر صافی میں تہذیب سے منقول ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر محرم غلطی سے شکار کو مارے تو کفارہ دے گا اگر دوبارہ یہی غلطی کرے گا تو دوبارہ کفارہ دے گا اسی طرح جتنی بار اس سے غلطی واقع ہوگی کفارہ دیتا رہے گا لیکن اگر جان بوجھ کر شکار کو مارے تو صرف پہلی دفعہ اس پر کفارہ واجب ہوگا لیکن اگر دوبارہ جان بوجھ کر ایسا کرے گا تو اس پر کفارہ نہیں ہوگا بلکہ اس کی سزا قیامت پر موقوف ہوگی اور خدا خود ہی اس سے انتقام لے گا۔

امام محمد تقیؑ کا یحییٰ بن اکثم کے ساتھ مناظرہ

امام محمد تقیؑ کے ساتھ مامون نے جب اپنی لڑکی ام الفضل کا عقد کرنا چاہا تو اس کے تمام رشتہ داروں نے اس کو روکا اور عذر یہ پیش کیا کہ امام محمد تقی علیہ السلام ابھی خورد سال بچہ ہے اور فقۂ اسلامی سے بے خبر ہے اور وہ حق و باطل کی تمیز نہیں کر سکتا اور اس وقت آپ کی عمر شریف دس گیارہ برس تھی۔ مامون نے جواب دیا کہ بخدا وہ تم سب سے خدا و رسولؐ کی معرفت اور فرائض و سنن کے علم میں بہتر و برتر ہے نیز احکام خداوندی میں افقہ، قرأت و قرآن میں اقرأ اور محکم و متشابہ خاص و عام، ناسخ و منسوخ اور تنزیل و تاویل میں تم سے اعلم ہے۔ بے شک تم ان کا امتحان لے لو اگر تمہاری بات سچی ہوگی تو میں اس کے ساتھ رشتہ نہ کروں گا ورنہ تمہیں روکنے کا کوئی حق نہ ہوگا چنانچہ انہوں نے اس مرحلہ میں کامیابی حاصل کرنے کیلئے یحییٰ بن اکثم کو منگوایا اور کافی ہدایا و انعامات کا لالچ دیا کہ کسی طرح مامون کے بھرے دربار میں امام محمد تقیؑ کو کسی مسئلہ شرعیہ میں لاجواب کر دے۔

جب رسم نکاح خوانی کیلئے مامون کے پاس لوگ اکٹھے ہوئے تو یحییٰ بن اکثم بھی پہنچ گیا۔ پس عباسیوں نے مامون سے درخواست کی کہ اگر اجازت ہو تو یحییٰ بن اکثم امام محمد تقی علیہ السلام سے کوئی مسئلہ دریافت کرے۔ مامون نے اجازت دے دی تو

یحییٰ نے سوال کیا۔ آپ کیا فرماتے ہیں اگر حالتِ احرام میں کوئی شکار کرے (یعنی اس کا کفّارہ کیا ہوگا) امام نے فرمایا (تو نے مجمل سوال کیا ہے یہ واضح کرو کہ) (۱) شکار حل میں کیا یا حرم میں؟ (۲) عالم تھا یا جاہل (۳) جان بوجھ کر کیا یا غلطی سے (۴) غلام تھا یا آزاد (۵) نابالغ تھا یا بالغ (۶) پہلی دفعہ کیا یا دوبارہ (۷) پرندوں سے تھا یا زمین پر چلنے والوں میں سے تھا (۸) اپنے فعل پر ڈٹا ہوا ہے یا پشیمان ہے (۹) رات کے وقت اس کی قیام گاہ میں اس کو پکڑا یا دن میں گرفتار کیا (۱۰) احرام حج کا تھا یا عمرہ کا؟

سوال کی شقیں سن کر یحییٰ بن اکثم اپنے مقام پر سُن ہو گیا اور اہلِ مجلس بھی یحییٰ کی بے بضاعتی کو جان گئے اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی علمی وسعت سے نہایت متاثر ہوئے۔ ان کے نکاح کی تقریب انجام پذیر ہوئی اور عام لوگوں کے چلے جانے کے بعد مامون نے عرض کی حضور اس مسئلہ کی تمام شقوں کو خود حل فرمائیے تو آپ نے فرمایا۔

۱۔ اگر محرم حل میں پرندے کو شکار کرے تو کفارہ اس کا ایک بکری ہے اور اگر یہی شکار حرم میں کرے تو کفارہ دوگنا ہوگا اور اگر پرندے کے بچے کو حل میں شکار کرے تو کفّارہ بکری کا بچہ ہوگا اور اگر یہی شکار حرم میں کرے گا تو بکری کا بچہ بھی اور اس کی قیمت بھی دینی ہوگی۔ یعنی کفّارہ دوگنا ہوگا۔

۲۔ اگر محرم وحوش کا شکار حل میں کرے تو حمار وحشی اور شتر مرغ کا کفّارہ ہے ایک اونٹ اگر یہ نہ ممکن ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا اور یہ نہ ممکن ہو تو اٹھارہ روزے رکھے اور اگر گائے وحشی کا شکار کیا ہو تو کفارہ ایک گائے اور بصورت عجز تیس مساکین کا کھانا اور بصورت عجز نو روزے رکھے اور اگر ہرن کو شکار کرے تو کفارہ ایک بکری اور بصورت عدم امکان دس مسکینوں کا کھانا اور یہ بھی نہ کر سکے تو تین روزے رکھے اور اگر یہی شکار حرم کے حدود کے اندر کرے گا تو کفّارہ دوگنا ہوگا یعنی اگر عمرہ کا احرام ہے تو قربانی مذکور مکہ میں کرے اور اس کی قیمت صدقہ بھی کرے اور اگر حج کا احرام ہو تو قربانی منٰی میں کرے اور حیوانوں کی قیمت کا صدقہ بھی دے تاکہ کفّارہ دگنا ہو جائے اسی طرح خرگوش کا کفارہ بھی ایک بکری ہے اور کبوتر کا کفّارہ ایک درہم صدقہ کرے یا اس کی گندم خرید کر کے حرم کے کبوتروں کو ڈال دے اگر کبوتر کا انڈا توڑ دے تو چوتھائی درہم صدقہ دے۔

۳، ۴۔ حالتِ احرام میں محرم شخص جہالت کی وجہ سے کوئی ناجائز کام کر بیٹھے تو اس کی گرفت نہ ہوگی۔ سوائے شکار کے کیونکہ شکار کا کفّارہ بہر کیف ادا کرنا پڑے گا خواہ عالم ہو یا جاہل ہو نیز جان بوجھ کر ہو یا غلطی سے آزاد ہو تو کفّارہ خود ادا کرے گا اور اگر غلام ہو تو اس کا کفّارہ اس کے آقا پر واجب الادا ہوگا اور وہی کفّارہ ہوگا جو آزاد کے لئے ہوا کرتا ہے۔

۵۔ اگر محرم نابالغ بچہ ہو تو اس پر کوئی کفّارہ نہ ہوگا۔

۶۔ اگر عمداً دوبارہ شکار کرے گا تو اس کا کفّارہ نہ ہوگا بلکہ خود خدا بروز قیامت اس سے انتقام لے گا اور اگر شکار کی طرف کسی کی رہبری کرے اور وہ شکار مارا جائے تب بھی اس پر کفّارہ ہوگا۔

۷۔ اگر اپنے کئے پر پشیمان ہوگا تو یہ کفّارہ اس کا بدلہ ہو جائے گا اور قیامت کے عذاب سے بچ جائے گا لیکن اگر

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ

حلال ہے تم کو شکار بحری اور اس کا کھانا واسطے فائدہ تمہارے اور مسافروں کے اور حرام ہے تم پر

صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾

شکار خشکی کا جب تک ہو تم حالتِ احرام میں اور ڈرو اللہ سے جس کی طرف محشور ہو گے

پشیمان نہ ہوگا تو کفارہ بھی دے گا اور آخرت کے عذاب میں بھی گرفتار ہوگا۔

۸۔ رات کے وقت عمدی شکار کا کفارہ ہوگا لیکن غلطی سے کوئی جانور اس کی وجہ سے مر جائے تو کفارہ نہ ہوگا اور دن کو کفارہ ہوگا خواہ غلطی سے ہو یا جان بوجھ کر کرے۔

۹۔ حج کا کفارہ منیٰ میں ادا ہوگا اور عمرہ کا کفارہ مکہ میں ادا ہوگا۔

امام محمد تقی علیہ السلام کے ان جوابات کو سن کر مجمع پر سکتہ طاری ہو گیا اور تمام لوگ عالیمقام کے فضل و کمال کے معترف ہو گئے پھر امام نے یحییٰ سے بھی ایک مسئلہ دریافت کیا کہ اس مسئلہ میں تم کیا کہتے ہو کہ ایک عورت ایک شخص پر صبح کو حرام تھی پھر دن چڑھے حلال ہو گئی پھر دوپہر کے وقت حرام ہوئی اور ظہر کو حلال ہو گئی پھر عصر کے وقت حرام اور مغرب کے وقت حلال ہو گئی پھر نصف شب کو حرام اور صبح کو حلال ہوئی پھر دن چڑھے حرام اور دوپہر کو حلال ہو گئی امام کا یہ سوال سن کر یحییٰ بن اکثم اور تمام درباری فقہاء ششدر رہ گئے۔ کسی کو جواب کی جرات نہ ہوئی۔ پس مامون نے درخواست کی کہ حضور خود ہی بیان فرمائیں تو آپ نے فرمایا۔

۱۔ ایک شخص نے ایک کنیز غیر کو صبح کے وقت دیکھا وہ اس پر اس وقت حرام تھی بعد میں خرید لیا تو حلال ہو گئی۔

۲۔ پھر دوپہر کے وقت اس کو آزاد کر دیا تو وہ حرام ہو گئی اور ظہر کو نکاح کر لیا پس حلال ہو گئی۔

۳۔ پھر عصر کے وقت سے ظہار کر لیا وہ حرام ہو گئی اور مغرب کو ظہار کا کفارہ ادا کر دیا تو حلال ہو گئی۔

۴۔ نصف شب کو اسے طلاق دے دی تو وہ حرام ہو گئی اور طلاق سے صبح کو رجوع کر لیا تو حلال ہو گئی۔

۵۔ دن چڑھے مرتد ہو گیا تو عورت اس پر پھر حرام ہو گئی اور دوپہر کو تائب ہو گیا تو عورت حلال ہو گئی (بحار الانوار جلد ۲)

أُحِلَّ لَكُمْ :- حالتِ احرام میں صرف برّی شکار حرام ہوتا ہے اور وہ وہ جانور ہے جو انڈے یا بچے خشکی میں دیتا ہو اور بحری شکار کا کھانا محرم پر حرام نہیں ہے اور اس سے مراد وہ جانور جو انڈے بچے پانی میں دیتا ہو۔ نیز مروی ہے کہ حالتِ احرام میں آبی پرندوں کا گوشت نہیں کھانا چاہیے۔

وَلِلسَّيَّارَةِ :- یعنی چلنے والے۔ مقصد یہ ہے کہ بحری شکار گھر رہنے والوں اور سفر اختیار کرنے والوں دونوں کے

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ

بنایا خدا نے کعبہ کو حرمت والا گھر واسطے روزی لوگوں کے اور حرمت والا مہینہ اور قربانی

وَالْقَلَآئِدَ ۗ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ

اور قلادہ ڈالا ہوا جانور یہ تاکہ تم جانو تحقیق اللہ جانتا ہے وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہے

وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ

اور تحقیق اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے جانو تحقیق اللہ سخت گرفت والا ہے اور تحقیق اللہ

لئے حلال ہے پس مقیم و مسافر اسی طرح محرم و محل یا شہری و دیہاتی سب اس کو کھا سکتے ہیں۔

قِيَامًا لِّلنَّاسِ :۔ قیام مصدر ہے جس کا معنی ہے کھڑا ہونا یعنی کعبہ لوگوں کو دنیا کے معاملات میں کھڑا کرنے کا ذریعہ ہے۔ گویا اس سے دونوں پہلوؤں انسان کے سدھرتے ہیں کیونکہ کعبہ میں جانے والوں کو دینی فائدہ بھی ہے اور تجارتی دنیاوی نفع بھی ہے اور ممکن ہے مقصد یہ ہو کہ کعبہ لوگوں کیلئے جائے امن ہے پس یہ ان کے بچاؤ کا ذریعہ ہے اگر یہ نہ ہوتا تو ہلاک ہو جاتے پس قیام کا معنی بچاؤ ہوگا اور یہی وجہ تھی کہ ایام جاہلیت میں اگر کوئی شخص حرم کے اندر اپنے ماں باپ کے قاتل کو بھی دیکھتا تھا تو اسے قتل نہ کرتا تھا اور مجمع البیان میں بروایت علی بن ابراہیم معصومین علیہم السلام سے مروی ہے کہ جب تک لوگ کعبہ کی حج کرتے رہیں گے۔ ہلاک نہ ہوں گے پس جب کعبہ کو گرایا گیا۔ اور اس کی حج ترک کی گئی تو ہلاک ہوں گے اور ترکیب نحوی کے لحاظ سے قِيَامًا جَعَلَ کا دوسرا مفعول ہے اور مفعول اوّل کعبہ نہیں بلکہ اس کا مضاف ہے جو محذوف ہے یعنی حج کعبہ اور بیت الحرام بدل ہے کعبہ سے اور اس کے بعد اَلشَّهْرَ الْحَرَامَ اور اَلْهَدْيَ اور اَلْقَلَآئِدَ ان تمام کا عطف کعبہ پر ہے اور معنی ہوگا کہ خدا نے کعبہ کو شہر حرام قربانی اور قلائد کو لوگوں کے دینی و دنیاوی فلاح کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

اَلشَّهْرَ الْحَرَامَ :۔ جنس ہے اس سے مراد چار حرمت والے مہینے ہیں رجب ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔

وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ :۔ ھدی سے مراد عام حج کی قربانی کا جانور اور قلائد سے مراد وہ جانور جن کے گلے میں خاص پٹہ ڈالا گیا ہو جو اس کے قربانی ہونے کا نشان ہو۔

اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ :۔ مقصد یہ ہے کہ بیت الحرام میں عجیب و غریب جو خصوصیات خداوند کریم نے تفویض فرمائی ہیں وہ بھی اس کے ہر چیز کے علیم ہونے کی دلیلیں ہیں مثلاً حدود حرم میں ہرن کو بھیڑیئے سے خطرہ نہیں ہوتا لیکن جب حدود حرم سے باہر چلا جائے تو ہرن بھیڑیئے سے ڈرتا ہے اور بھیڑیا بھی اس کے درپے آزار ہوتا ہے نیز کبوتر و دیگر طیور حدود حرم میں انسانوں سے مانوس ہوتے ہیں لیکن حرم کے باہر وہ ہرگز ہرگز انسانوں کے قریب نہیں آتے۔

۲۔ خدا کو معلوم تھا کہ عربوں میں عداوتیں اور کینہ پروریاں ہوں گی۔ لہٰذا اس نے کعبہ کو جائے امن بنا دیا تاکہ اس کے

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا

غفورٌ رحیم ہے نہیں ہے رسول پر مگر پہنچا دینا اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور

تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ

جو چھپاتے ہو کہہ دیجئے نہیں برابر پلید اور پاک اگرچہ تم کو بھلی لگتی ہے زیادتی خبیث کی

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــَٔلُوْا

پس ڈرو اللہ سے اے صاحبانِ عقل تاکہ تم نجات پاؤ اے ایمان والو نہ پوچھو

عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْــَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ

ایسی باتیں کہ اگر ظاہر ہوں تم پر تو تم کو بُری لگیں اور اگر پوچھو وہ جب اتر رہا ہو قرآن تو ظاہر

ذریعے سے یہ کسی حد تک امن میں رہیں پس یہ تدبیر اس کے علام الغیوب ہونے کی دلیل ہے۔

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ :- تفسیر صافی میں حدیث قدسی کے الفاظ ہیں کہ خدا فرماتا ہے جو شخص چھوٹا یا بڑا کوئی گناہ کرے اور اس کا یہ ایمان ہو کہ مجھے اس کے عذاب کرنے اور معاف کرنے کا اختیار ہے تو میں اس کو معاف کر دیا کرتا ہوں۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِى :- آیت بتلاتی ہے کہ دنیا میں طیب کی بہ نسبت خبیث کی کثرت ہے پس کسی مرحلہ میں انسان کثرت کی طرف اس لئے نہ جھکے کہ وہ کثرت ہے بلکہ حق و باطل کو معیارِ انتخاب قرار دے۔ پس حق کو اختیار کرے اور وہی طیب ہے اگرچہ دنیا میں چاہنے والے کم ہی کیوں نہ ہوں اور باطل کو چھوڑ دے کیونکہ وہ خبیث چیز ہے اگرچہ دنیا کی اکثریت اس کی ہم نواہی ہو اور قلت و کثرت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حق کے دامن کو تھام لینا اور باطل سے اجتناب کرنا صاحبانِ عقل کا کام ہے اور اسی کو التقویٰ فرما رہا ہے اور اس کو اختیار کرنے والوں کو فلاح کی بشارت دے رہا ہے۔ اسی بناء پر جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا۔ يَا عَلِيُّ اَنْتَ وَشِيْعَتُكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ ۔ اے علیؑ تو اور تیرے شیعہ ہی کامیاب ہوں گے۔

رکوع نمبر ۱۴

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ :- تفسیر برہان اور صافی میں بروایت قمی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ صفیہ بنت عبد المطلب کا فرزند فوت ہو گیا (یہ صفیہ زبیر کی والدہ تھی اور اسی وجہ سے وہ حضرت علیؑ اور جناب رسالتمآبؐ کا پھوپھی زاد تھا اور یہ ان کے ماموں زاد تھے) ایک دفعہ صفیہ آرہی تھیں کہ راستہ میں حضرت عمر نے ان سے کہا اپنی بالیوں کو چھپا لو کہ رسولؐ کی قرابت تم کو ذرہ بھر بھی فائدہ نہ پہنچائیگی تو صفیہ نے جواب لے لحنا عورت کے بیٹے میری بالیاں کہاں ہیں؟ پس حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور رو رو کر شکایات کی تو حضورؐ نے منادی کر کے لوگوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ پس منبر پر تشریف لائے

تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾ قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ

کی جائیں گی تم پر اللہ نے معاف کیا ان کو اور اللہ بخشنے والا حلیم ہے تحقیق پوچھ چکے یہ باتیں تم سے پہلے لوگ

ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ

پھر ہو گئے ان کے ساتھ کفر کرنے والے نہیں کیا اللہ نے بحیرہ اور نہ سائبہ

اور فرمایا کہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ میری قرابت کچھ فائدہ نہ دے گی۔ بے شک جب میں مقام محمود پر موجود ہوں گا تو میں صاحب احتیاج لوگوں کی شفاعت کروں گا اور آج جو شخص مجھ سے اپنے باپ کے متعلق پوچھے گا تو میں اس کو بتاؤں گا۔ پس ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی یا رسولؐ اللہ میرا باپ کون ہے؟ تو فرمایا کہ جس باپ کی طرف تجھے منسوب کیا جاتا ہے وہ تیرا باپ نہیں ہے بلکہ تیرا باپ فلاں بن فلاں ہے پھر دوسرا کھڑا ہوا اور پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ تیرا باپ وہی ہے جس کی طرف تو منسوب ہے اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ وہ شخص اپنے باپ کے متعلق کیوں نہیں پوچھتا جو کہتا ہے کہ میری قرابت کوئی فائدہ نہ دے گی؟ پس حضرت عمر کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسولؐ اللہ! میں خدا و رسولؐ کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں مجھے معاف فرمائیے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی اور مجمع البیان میں ہے کہ لوگ حضورؐ کو تنگ کرتے تھے اور بعض اوقات بطور امتحان کے باربار سوال کرتے تھے تو یہ آیت اتری اور حضورؐ نے کثرت سوال سے منع فرمایا اور فرمایا کہ میں جو کچھ تمہیں بتاؤں حتی الوسع اس کو بجا لاؤ اور جس سے میں سکوت کر جاؤں تو تم آگے بڑھنے کی کوشش مت کیا کرو کیونکہ تم سے پہلی امتیں اسی طرح نبیوں سے زیادہ سوال کر کے ہلاک و برباد ہو گئی ہیں (جس طرح گائے کی ذبح کے وقت بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے باربار سوال کر کے اپنے لئے ایک مصیبت تیار کر لی تھی۔)

قَدْ سَاَلَهَا:- جس طرح حضرت عیسیٰؑ سے دسترخوان کے نزول کا سوال کیا اور پھر کافر ہو کر مسخ ہوئے اسی طرح حضرت صالحؑ سے ناقہ کا سوال کیا اور پھر کافر ہو کر موردِ عذاب ہوئے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ:- مقصد کو بیان کرنے سے قبل ضروری ہے کہ الفاظ کی تشریح کی جائے۔

بَحِيْرَةٍ:- یہ بحر سے ہے اور اس کا معنی ہے چیرنا۔ یہ فعیلہ کے وزن پر ہے لیکن اس کا معنی مفعولہ کے ہیں یعنی مبحورہ اور کہتے ہیں عربوں میں دستور تھا جب ایک اونٹنی یکے بعد دیگرے پانچ بچے دیتی تھی تو پانچواں بچہ اگر نر ہوتا تو اس کو نحر کر کے عورتیں مرد مل کر کھا لیا کرتے تھے اگر مادہ ہوتا تو اس کا کان چیر ڈالتے کیونکہ اس کا گوشت عورتوں کے لئے حرام ہوتا تھا اور اگر وہ مر جاتی تو عورتوں پر بھی حلال ہو جاتی تھی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ پانچواں اگر نر ہوتا تو اس کا کان چیرتے تھے۔ پس نہ وہ نحر کیا جاتا اور نہ اس پر سواری کرتے تھے۔ اسی طرح گھاس و پانی سے اسے کوئی نہ روکتا تھا اور اسے بحیرہ (کن چیرا) کہتے تھے۔

سَآئِبَة:- اس اونٹنی کو کہتے تھے جو دس بچے جن چکے۔ پس اس پر سوار ہونا اور اس کو نحر کر کے گوشت کھانا حرام جانتے تھے یہ سَابَ یَسِیْبُ سَیْبًا سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ سیب کا معنی ہے زمین پر جاری ہونا۔ بعض کہتے ہیں عربوں میں دستور تھا کہ

وَّلَا وَصِيلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ

اور نہ وصیلہ اور نہ حامی ولیکن جو لوگ کافر ہیں افترا کرتے ہیں اللہ پر جھوٹے

وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى

اور اکثر ان کے عقل نہیں رکھتے اور جب ان کو کہا جائے کہ آؤ طرف اس کے جو اُتارا اللہ نے اور طرف

سفر سے واپسی یا بیماری سے صحت یا اس قسم کی حاجات کے لئے منّت مانتے تھے کہ اگر فلاں کام ہو گیا تو میری اونٹنی سائبہ ہو گی۔ پس اس کو نہ گھاس پانی سے روکا جاتا تھا اور نہ اس کا گوشت وہ لوگ حلال سمجھتے تھے۔

وَصِيلَةٍ :۔ یہ وصل سے ہے اور فعیلہ کا وزن بمعنی مفعولہ استعمال ہوا ہے اس کا معنی ملی ہوئی حضرت صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اونٹنی جب اکٹھے دو بچے جنتی تھی تو وہ اپنا مال سمجھتے تھے اور جب نر بچہ جنتی تھی تو اپنے خداؤں کے لئے اس کو مخصوص کر دیتے تھے اور اگر ایک ساتھ نر و مادہ جن دیتی تو کہتے تھے یہ مادہ اپنے بھائی کو ساتھ ملا لائی ہے پس اس نر کو خداؤں کے لئے مخصوص نہ کرتے تھے بلکہ خود کھا جایا کرتے تھے۔

حَامٍ :۔ نر اونٹ عربوں کا دستور تھا کہ نر اونٹ کی نسل سے جب دس بطن پیدا ہو جاتے تو وہ اونٹ ان کا محترم ہو جاتا تھا۔ نہ اس پر سواری کرتے تھے اور نہ اس کا گوشت کھاتے تھے اور نہ اس کو گھاس پانی سے روکتے تھے۔ پس خداوند کریم ان لوگوں کی مذمّت کر رہا ہے جنہوں نے یہ باتیں بنا رکھی تھیں اور پھر کہتے تھے کہ یہی اللہ کا یہی حکم ہے۔

مجمع البیان میں بروایت ابن عباس جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف مکّہ کا بادشاہ گذرا ہے اور وہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت اسماعیلؑ کے دین کو بگاڑا اور بُت پرستی کی ابتدا کی۔ بحیرہ سائبہ وصیلہ اور حامی بھی اسی نے مقرّر کئے تھے میں نے اس کو جہنّم میں مبتلائے عذاب دیکھا ہے کہ اس کی بدبُو سے تمام اہلِ جہنّم کو اذیّت ہوتی ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ :۔ کفّار کو جب جناب رسالتمآبؐ اسلام کی دعوت دیتے تھے تو وہ جواب میں کہتے تھے کہ اپنے باپ دادا کے مذہب کو چھوڑ کر ہم نیا دین کیسے قبول کر لیں۔ قرآنی اصول سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حق و باطل میں اگر تمیز کرنی ہو تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جس فرقہ والے اپنے مذہب کی صداقت کی دلیل اپنے باپ دادا کے طرزِ عمل کو بتلائیں اور اپنے موجودہ طریقہ پر ثابت قدمی کی علّت باپ دادا کا دین بیان کریں تو سمجھ لیا جائے کہ وہ لوگ انہی آیات کے مصداق ہیں اور کفّار کے راستہ پہ گامزن ہیں اور ان کے مقابلہ میں جو فرقہ اپنے مذہب کی صداقت میں دلیل و برہان پیش کرے اور فرمانِ خدا و رسولؐ سے تمسّک کرے اور مذہب پر ثبات قدمی کی دلیل عقلی و نقلی ادلہ کو بیان کرے تو وہ حق پر ہو گا اور حَسْبُنَا کا کلمہ رسولؐ کے سامنے پہلے کفّار استعمال کر چکے تھے لہٰذا اگر بعد میں کسی مسلمان کی زبان سے بھی نکلا ہو تو وہ نیا نہیں تھا بلکہ آبائی مذہب کے پرستاروں کی سنّت تھی جسے عملی جامہ پہنایا گیا۔

الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

رسول کے تو کہتے ہیں ہمیں کافی ہے جس طریقہ پر پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو کیا اگر ان کے باپ نہ جانتے ہوں

شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ

اور نہ ہدایت پر ہوں اے ایمان والو! بچاؤ اپنے نفسوں کو نہ ضرر دے گا تم کو

مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

جو گمراہ ہو جبکہ تم ہدایت پر ہو اللہ کی طرف بازگشت ہے تم سب کی پس تم کو خبر دے گا جو تم

تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ

عمل کرتے ہو اے ایمان والو! گواہ تمہارے جب حاضر ہو تم میں سے

عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ: کتب تفاسیر میں ہے کہ ابو ثعلبہ نے جناب رسالتمآبؐ سے اس آیت مجیدہ کے متعلق پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو اور اس سلسلہ میں ہر مصیبت پر صبر کرو جب دیکھو کہ دنیا کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اور بخل کی اطاعت اور خواہش نفس کی تابعداری ہو رہی ہے کہ ہر صاحب رائے اپنی بات کو ہی پسند کرتا ہے۔ تو پس اپنے نفس کو سنبھالو اور غیروں کا معاملہ چھوڑ دو۔

اور ایک قول اس میں یہ بھی ہے کہ آیت مجیدہ میں غیبت سے منع کیا گیا ہے چنانچہ صافی و برہان میں قمی سے منقول ہے کہ آیت کا مقصد ہے اپنے نفسوں کی اصلاح کرو۔ دوسرے لوگوں کی عیب جوئی مت کرو اور نہ ان کا نام لو کیوں کہ ان کی گمراہی تمہیں کوئی نقصان نہ دے گی اگر تم نیک ہو گے اور بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت تقیہ کے لئے ہے کہ تم اپنے نفسوں کا بچاؤ کرو اور جب تمہاری اپنی نیت درست ہو گی تو گمراہ لوگوں کی گمراہی تم پر اثر انداز نہ ہو گی اور تقیہ کے ماتحت ان کی موافقت میں کیا ہوا عمل تمہارا ضائع نہ ہو گا۔

شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ: اس کی ترکیب میں کئی اقوال ہیں ۱۔ مصدر بمعنی فاعل اور اس کا مضاف محذوف لیعنی عَدَدُ شُهُوْدِ بَيْنِكُمْ پس یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر اِثْنٰنِ ہے۔

۲۔ شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ۔ مبتدا ہے اور خبر میں مضاف محذوف ہے یعنی شَهَادَةُ اِثْنَيْنِ پس مضاف الیہ اِثْنَانِ مضاف کے مقام سے ہے۔

۳۔ شہادت مصدر بمعنی فعل ہے اور اِثْنَانِ اس کا فاعل ہے یعنی چاہیئے کہ گواہ ہوں وصیت پر بوقت موت دو عادل۔

الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ

کسی پر موت جب وصیت کرے دو ہوں عادل تم میں سے یا دو تمہارے (غیر مومن) اگر

اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا

سفر کر رہے ہو زمین میں پس پہنچے تمہیں مصیبت موت کی روکو ان کو

مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ

بعد نماز کے پس قسم کھائیں اللہ کی اگر تم کو (ان پر) شک ہو کہ نہیں خریدتے ہم بدلے اس

ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى

(وصیت) کے رقم اگرچہ ہو رشتہ دار اور نہیں چھپاتے گواہی جو اللہ کی طرف سے ہم پر فرض ہے ورنہ ہم گنہگار ہوں گے پس اگر پتہ لگ جائے

اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ

کہ وہ دو گواہ جھوٹ بول کر) مستحق گناہ ہو گئے تو دو اور کھڑے ہوں ان کی جگہ ان میں سے کہ واجب ہے جن پر

اِذَا حَضَرَ :۔ شہادت کا مفعول فیہ ہے اور اس کو وصیت کا معمول بنانا جائز نہیں ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ مضاف الیہ کا معمول مضاف سے مقدم نہیں ہو سکتا اور ثانیاً وصیت مصدر ہے اور عمل میں کمزور ہے۔ لہٰذا معمولِ مقدم میں عمل نہ کرے گا۔

حِيْنَ الْوَصِيَّةِ :۔ یا تو حَضَرَ کا معمول ہے اور یا اِذَا سے بدل ہے۔

مِنْكُمْ :۔ اس کا متعلق محذوف کَائِنَانِ صفت اِثْنَانِ کی ہے۔

اٰخَرَانِ :۔ اس کا عطف اِثْنَان پر ہے اور مِنْ غَيْرِكُمْ اس کی صفت ہے اور تَحْبِسُوْنَهُمَا :۔ اس کی صفتِ ثانیہ ہے اور جملۂ شرطیہ صفت اور موصوف کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور مقصد یہ ہے کہ اگر گھر میں واقع ہو تو دو عادل گواہ اپنوں میں سے یعنی اہلِ ایمان قائم کرنے چاہئیں اور اگر سفر میں موت آ جائے تو پھر بصورت مجبوری غیر مومن دو گواہوں کو مقرر کیا جا سکتا ہے۔

مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ :۔ یہاں نماز سے مراد نمازِ عصر ہے کیونکہ حجاز میں اسی وقت قسم کھانے کا دستور تھا۔ اِنِ ارْتَبْتُمْ جملہ شرطیہ معترضہ ہے یعنی اگر تم کو گواہوں کی صدق بیانی پر شک ہو تو عصر کے بعد ان سے قسم لو اور وہ قسمیہ کہیں

عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا

(وصیت کرنا یعنی وارث) جو اولیٰ ہیں پس وہ قسم کھائیں اللہ کی ہماری شہادت زیادہ صحیح ہے ان کی شہادت سے اور ہم

اعْتَدَيْنَآ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ

زیادتی نہیں کر رہے۔ ورنہ ہم ظالم ہوں گے یہ زیادہ قریب ہے کہ ادا کریں شہادت کو ٹھیک

عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

طریقہ سے یا ڈریں کہ پلٹے گی قسم ان کی قسم کے بعد (طرف وارثوں کے) اور اللہ سے ڈرو اور سنو

وَاسْمَعُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

اور اللہ نہیں ہدایت کرتا فاسق لوگوں کو

کہ ہم اس قسم کے بدلہ میں یا وصیت کے تغیر و تبدل کے عوض میں پیسہ نہیں لے رہے کہ جھوٹ بولیں اگرچہ وہ ہمارا رشتہ دار ہی ہے اور نہ ہم شہادت کو چھپا رہے ہیں اور اگر ایسا کریں تو ہم گنہگار ہوں گے۔

اَلْاَوْلَيٰنِ: نحویوں کے نزدیک یَقُوْمٰانِ کے فاعل ضمیر تثنیہ سے بدل ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر ثابت ہو جائے کہ وصیت کے متعلق جن دو گواہوں نے پہلے گواہی دی انہوں نے جھوٹ بول کر وارثوں کو نقصان پہنچایا تھا تو وارثوں میں سے دو گواہ کھڑے کئے جائیں گے جو میت کے اولیٰ اور قریب تر ہیں جن پر میت کی وصیت کے مطابق عمل کرنا ضروری تھا پس یہ قسم کھائیں گے کہ پہلے دو گواہوں نے غلط گواہی دی ہے اور ہم سچ کہہ رہے ہیں اور ہم حق سے تجاوز نہیں کر رہے۔

اور واضح رہے کہ پہلے دو گواہوں کی گواہی چونکہ ظاہر کے خلاف تھی کیونکہ وہ مال میں میت کا تصرف ثابت کر کے وارثوں کو اس سے محروم کرنا چاہتے تھے اور یہ یقیناً ظاہر کے خلاف ہے اور جب یہ ثابت ہو جائے کہ ان دو گواہوں نے شہادت میں خیانت اور جھوٹ سے کام لیا ہے تو ان کی شہادت کالعدم قرار دی جائے گی اور وارثوں سے قسم لی جائے گی۔ پس جب یہ دونوں میت کے عدم تصرف پر قسم کھائیں گے تو چونکہ ان کی قسم ظاہر کے بھی موافق ہے۔ لہٰذا اس کو قبول کیا جائے گا۔

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى: یعنی وارثوں کی طرف قسم کو پلٹانا شہادت کے صحیح ادا کرنے کا محرک ہے کیوں کہ وارثوں کی طرف سے جب رد یمین کا ڈر ہو تو گواہ اپنی رسوائی اور شرمساری کے ڈر سے سچی گواہی دیں گے۔

کہتے ہیں کہ دو نصرانی اور ایک مسلمان مل کر مدینہ سے بغرض تجارت شام کی طرف گئے تو راستہ میں مسلمان پر موت آگئی اس نے ایک وصیت نامہ لکھ کر اپنے سامان میں رکھا اور نصرانیوں کو اپنے وارثوں تک مال پہنچانے کی وصیت کی۔ انہوں

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ

جس دن جمع کرے گا اللہ رسولوں کو پس کہے گا کہ تم کو کیا جواب ملا تھا تو کہیں گے ہمیں کوئی علم نہیں تو

اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي

ہی غیبوں کو جاننے والا ہے جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ بن مریم یاد کرو میری نعمت

نے میت کے مال میں سے قیمتی چیزیں نکال لیں اور باقی مانده واپس آکر وارثوں کو دیا۔ جب انہوں نے سامان سے وصیت نامہ نکال کر پڑھا تو نصرانیوں سے باقی مال کا مطالبہ کیا لیکن انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس جو کچھ تھا ہم نے ادا کر دیا جناب رسالتمآبؐ کے پاس مقدمہ پہنچا تو آپ نے ان کی قسم پر فیصلہ کر دیا۔ چند دنوں کے بعد نصرانیوں کے گھر سے میت کا پیالہ چاندی کا برآمد ہوا تو دوبارہ انہوں نے مقدمہ بارگاہ نبوی میں دائر کر دیا۔ جب نصرانیوں کو طلب کیا گیا تو انہوں نے حاضر ہو کر عرض کی کہ یہ پیالہ ہم نے میت سے خریدا تھا اور پہلی دفعہ ہمیں بتلانا بھول گیا تھا۔ اس معاملہ میں نصرانی گویا مدعی تھے اور میت کے وارث مدعا علیہ تھے پس ان سے قسم لی گئی تو انہوں نے قسم کھائی پس نصرانیوں کو شرمساری کے علاوہ مالی تاوان بھی ادا کرنا پڑا۔

رکوع نمبر ۵

يَوْمَ يَجْمَعُ :- یعنی خدا بروز قیامت نبیوں سے پوچھے گا کہ امتوں نے تمہاری باتوں کا کیا جواب دیا؟ تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اس کی تاویل منقول ہے کہ خدا فرمائے گا تم نے اپنی امتوں کے لئے جو وصی مقرر کئے تھے انہوں نے اس پر عمل کیا تھا؟ پس جواب دیں گے کہ تو ہی غیبوں کے جاننے والا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں ہے۔ اپنے علم کی نفی کا مطلب غالباً یہ ہے کہ تو ہم سے بہتر جانتا ہے یا یہ کہ ہمارا علم ظاہری ہے اور تیرا علم واقعی ہے اور ظاہری علم واقعی علم کے مقابلہ میں کوئی شے نہیں۔ یا یہ کہ ہم اپنے سامنے کی بات جانتے ہیں اور تو غیب کو جانتا۔ ہمیں کیا معلوم کہ ہماری وفات کے بعد انہوں نے کیا کیا۔ بس تو ہی جانتا ہے اور فخر الدین رازی نے بیان کیا ہے کہ انسان کے پاس غیر کے متعلق جو معلومات ہوا کرتے ہیں وہ درحقیقت ظنیات ہوتے ہیں اور ہر شے کا علم صرف اللہ ہی کو حاصل ہے دنیا میں تو ظن کو علم کی جگہ دی جاتی ہے کیونکہ نظام دنیاوی کا مدار ظاہری امور پر ہے لیکن قیامت کے دن ظن پر فیصلے نہ ہوں گے بلکہ وہاں واقع کے ماتحت فیصلہ ہوگا۔ لہذا انبیاء اپنے علم کی نفی کریں گے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ شیعہ آئمہ معصومینؑ کو عالم الغیب کہتے ہیں۔ لہذا یہ آیت ان کے مذہب کی تردید کر رہی ہے تو علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں ان کا یہ جواب دیا ہے کہ شیعوں کی طرف یہ قول منسوب کرنا ظلم ہے۔ اہل اسلام میں سے کوئی بھی ایسا

عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۗ تُكَلِّمُ النَّاسَ

اپنے اوپر اور اپنی ماں پر کہ جب میں نے تجھے قوت دی روح القدس کے ساتھ کہ بولتا تھا لوگوں کے ساتھ

فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ

جھولے میں اور بڑھاپے میں اور جب میں نے علم دیا تجھے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کا

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِىْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ

اور جبکہ تو بناتا تھا مٹی سے پرندے کی شکل جیسی میرے اذن سے پس دم کرتا تھا اس میں تو وہ

طَيْرًۢا بِاِذْنِىْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِىْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى

پرندہ بنتا تھا میرے اذن سے اور تندرست کرتا تھا نابینا اور مبروص کو میرے اذن سے اور جبکہ تو زندہ کرتا تھا

بِاِذْنِىْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ

مردوں کو میرے اذن سے اور جبکہ رد کیا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے جب تو لایا ان کے پاس واضح دلیلیں تو کہا ان لوگوں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٠﴾

نے جو کافر تھے ان میں سے نہیں ہے یہ مگر ظاہر بظاہر جادو

نہیں جو کسی انسان کے متعلق علم غیب کا دعویٰ کرے اور اگر کوئی شخص مخلوق میں سے کسی کے لئے علم غیب کا دعوے کرتا ہو، تو دین سے خارج ہے اور شیعہ اس سے بیزار ہیں۔

اقول :- اس میں شک نہیں کہ محمدؐ و آل محمدؐ کو خداوند کریم نے بذریعہ وحی و الہام بہت سی غائب چیزوں کا علم دے دیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ وحی یا الہام کے محتاج نہیں اور ہر غیب کو خود بخود جانتے ہیں ایسا اعتقاد رکھنا کفر و شرک ہے بس یہ عقیدہ صحیح ہے کہ خداوند کریم نے محمدؐ و آل محمدؐ کو سب کائنات میں سے زیادہ علم عطا فرمایا اور وہ اس لحاظ سے بہت کچھ جانتے ہیں بلکہ اتنا جانتے ہیں کہ ہم تصور بھی اس کا نہیں کر سکتے اور وہ جس چیز کو جاننا چاہیں خدا بذریعہ وحی والہام بتا دیتا ہے اور علام الغیوب صرف اسی کی ہی ذات ہے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ :- تفسیر برہان میں ہے ابن سکیت کے سوال کے جواب میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا

چونکہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں جادو کا زور تھا۔ اس لئے خداوند کریم نے ان کو ایسا معجزہ عطا فرمایا۔ جو ان کے بس سے باہر تھا۔ پس حضرت عیسیٰؑ کے دور میں علم طب کی ضرورت تھی۔ پس ان کو یہ معجزات عطا فرمائے اور حضرت رسالتمآبؐ کے زمانہ میں خطابت کا چرچا تھا لہذا قرآن مجید ان کو عطا ہوا تاکہ حجت تمام ہو۔

تُكَلِّمُ النَّاسَ :- حضرت عیسیٰؑ پر خداوندی احسانات چونکہ نرالے تھے اس لئے ان کو شمار کیا جا رہا ہے۔ تائید روح القدس کے بعد بچپنے اور بڑھاپے میں کلام کرنے کا ذکر بتلاتا ہے کہ بچپنے اور بڑھاپے میں حضرت عیسیٰؑ کا کلام کرنا روح القدس کی تائید کا نتیجہ تھا بچپنے میں کلام کرے تو اس لئے کہ عام عادی رفتار اس سن میں کلام کرنے کی مقتضی نہیں ہوتی۔ پس حضرت عیسیٰؑ کا کلام کرنا یقیناً روح القدس کی تائید سے ہی تھا لیکن کہولت کے زمانہ کی حضرت عیسیٰؑ کی کلام روح القدس کی تائید سے اس اعتبار سے ہے کہ وہ نبی تھے اور قوم تک تعلیمات خداوندی کا پہنچانا ان کی ذاتی اختراع نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ الہام یا وحی کے ذریعے سے ہوا کرتا تھا اور روح القدس سے یہی مراد ہے۔

وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى :- تفسیر برہان میں ہے حضرت عیسیٰؑ ایک مرتبہ حضرت یحییٰ بن زکریا کی قبر پر آئے اور خدا سے دعا مانگی کہ ان کو دوبارہ زندہ کرے۔ پس حضرت عیسیٰؑ کی دعا مستجاب ہوئی اور خدا نے حضرت یحییٰ کو دوبارہ زندہ کیا۔ حضرت یحییٰ نے پوچھا کہ آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ تو فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو دنیا میں میرا ساتھی بنے تو حضرت یحییٰؑ نے جواب دیا کہ ابھی موت کی تلخی مجھ سے دور نہیں ہوئی آپ چاہتے ہیں کہ دنیا میں آکر دوبارہ موت کی تلخی دیکھوں؟ پس آپ نے ان کو واپس بھیج دیا اور خود چلے آئے۔ آیت کی باقی تشریح تفسیر کی تیسری جلد میں گذر چکی ہے؟

تنبیہہ :- بعض ناخدا ترس واعظ قوم کی جیب تراشی کی ہوس میں ان کو مشرکانہ عقائد کی تعلیم دیتے ہوئے اس قسم کی آیات کو پیش کرتے ہیں کہ دیکھو حضرت عیسیٰؑ خالق تھے کہ انہوں نے پرندہ خلق کیا تو حضرت علیؑ اور ان کی اولاد طاہرین کیونکر خالق نہیں ہو سکتی۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن تو یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ مٹی سے پرندہ کی شکل جیسا ایک بوتہ تیار کرتے تھے اور خدا کے اذن سے وہ پرندہ ہو جایا کرتا تھا۔ قرآن ہرگز نہیں کہتا کہ وہ پرندہ کو خلق کرتے تھے کیونکہ پرندے کی شکل جیسا ایک بوتہ بنانا اور چیز ہے اور پرندہ بنانا اور چیز ہے۔ پہلا کام حضرت کرتے تھے اور دوسرا کام خدا کرتا تھا۔ غیبتِ صغریٰ کے زمانہ میں آئمہ طاہرین کے خلق و رزق کا مسئلہ چلا تھا تو حضرت حجتؑ کے نائب محمد بن عثمان کی وساطت سے یہ مسئلہ امام سے دریافت کیا گیا تھا تو آپ نے یہ جواب تحریر فرمایا تھا کہ جسموں کا خالق صرف اللہ ہے اور رزق کے تقسیم کرنے والا بھی صرف اللہ ہے وہ نہ جسم ہے اور نہ جسم میں حلول کرنے والا ہے۔ وہ بے مثل اور سمیع و بصیر ہے لیکن آئمہ پس وہ اللہ سے سوال کرتے ہیں تو وہ پیدا کرتا ہے اور وہ سوال کرتے ہیں تو وہ رزق دیتا ہے کیونکہ ان کا سوال مقبول ہے۔ اور اس کے نزدیک ان کی منزلت بہت عظیم ہے (مقدمہ تفسیر مراۃ الانوار) عقائد شیخ صدوق میں امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ

اور جب میں نے وحی کی حواریوں کو کہ ایمان لاؤ میرے پر اور میرے رسولؑ پر انہوں نے کہا ہم ایمان لائے

بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ

اور گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں جب کہا حواریوں نے اے عیسیٰ بن مریم کیا کرسکتا ہے

يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ

تیرا پروردگار کہ اُتارے ہم پر دسترخوان آسمان سے کہا ڈرو اللہ سے اگر تم

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ

مومن ہو انہوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ اس سے کھائیں اور مطمئن ہوں ہمارے دل اور جان لیں

آپ نے فرمایا اے اللہ جو لوگ ہم کو خالق و رازق سمجھتے ہیں ہم ان سے بیزار ہیں جس طرح کہ حضرت عیسیٰؑ نصرانیوں سے بیزار ہوئے۔ اے اللہ ہم نے ان لوگوں کو ایسے عقائد کی دعوت نہیں دی۔ لہٰذا ان کے اعتقاد کی گرفت ہم سے نہ کرنا۔ مفصل روایت اور اس کے علاوہ اور روایات بھی مقدمۂ تفسیر باب التفویض میں ملاحظہ فرمائیے۔

معجزہ کہتے ہی اس کام کو ہیں جو بندے کی طاقت سے باہر ہو اور سوائے خدا کے اس کو کوئی نہ کرسکتا ہو۔ پس نبی یا ولی کا کام ہے دُعا مانگنا اور اللہ کا کام ہے مستجاب کرنا اور خدا نبیوں اور ولیوں کی دعاؤں کا پابند بھی نہیں ہے بلکہ قبول یا رد اس کے اختیار میں ہے۔ پس نبی و امام دعا مانگتے ہیں۔ وہ زندہ کرتا ہے۔ یہ دُعا مانگتے ہیں۔ وہ مارتا ہے اسی طرح خالق رازق محی ممیت وغیرہ صفات اس کی ذات سے مختص ہیں۔ اگر کوئی شخص اس کی مخلوق میں ان صفات کو ثابت کرے تو وہ کافر و مشرک ہے۔

اَلْحَوَارِيّٖنَ :۔ اس کا معنی اور وجہ تسمیہ تفسیر کی تیسری جلد صفحہ ۲۴۲ پہ ملاحظہ فرمائیے۔

مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ :۔ بعض روایات میں ہے کہ گوشت و روٹی تھی اور بعض میں ہے کہ پختہ مچھلیاں اور نان روٹیاں تھیں۔ واقعہ اس طرح ہے کہ جب حواریوں نے حضرت عیسیٰؑ سے دسترخوان کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے ایک دفعہ ان کو منع فرمایا لیکن انہوں نے اصرار کیا تو آپ نے دُعا مانگی جس طرح آیت میں موجود ہے۔ تفسیر صافی میں حضرت سلمان سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کبھی زور سے ہنسے نہ تھے اور کبھی فعل عبث انہوں نے نہ کیا تھا۔ جب حواریوں نے مائدہ کا سوال کیا تو آپ نے صوف کا کھردرا لباس پہن کر روتے ہوئے دُعا مانگی۔ پس دو بادلوں کے درمیان ایک سُرخ رنگ کے رومال میں مائدہ اُترا۔

أَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ

کہ تونے ہمیں سچ کہا ہے اور ہو جائیں ہم اس پر گواہ کہا عیسیٰ بن

مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا

مریم نے اے اللہ ہمارا پروردگار! اتار ہم پر ایک دسترخوان آسمان سے کہ ہو ہمارے لئے عید

لِّأَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ

پہلوں اور پچھلوں کے لئے اور نشانی تیری طرف سے اور ہم کو رزق دے اور تو ہی ہے بہتر رزق دینے والا فرمایا

اللّٰهُ إِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّيْٓ أُعَذِّبُهٗ عَذَابًا

اللہ نے میں اس کو اُتارنے والا ہوں تم پر پھر اس کے بعد جس نے تم سے کفر کیا تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ

یہودی دیکھ رہے تھے اور اس قدر خوشبودار تھا کہ انہوں نے اس سے پہلے ایسی خوشبو نہ سونگھی تھی۔ پس حضرت عیسیٰ رو دئے اور شکر ادا کیا پھر وضو کرکے بسم اللہ کہہ کر رومال ہٹایا دیکھا پکی ہوئی مچھلی ہے جو گھی میں تر ہے اس کے سر کی طرف نمک موجود اور دُم کی طرف سرکہ رکھا ہوا ہے اور اردگرد ترکاری بھی موجود ہے اور پانچ روٹیاں ہیں ایک پر زیتون دوسری پر شہد، تیسری پر گھی، چوتھی پر پنیر اور پانچویں پر بھنا ہوا گوشت رکھا ہوا ہے۔ شمعون نے دریافت کیا کہ یہ کھانا دنیا سے ہے یا آخرت سے تو فرمایا کہ باذنِ خدا زندہ ہو جا۔ چنانچہ مچھلی زندہ ہو گئی۔ اس کے چھلکے کانٹے نکل آئے پس وہ ڈر کے مارے اِدھر اُدھر دُور ہو گئے آپ نے فرمایا مانگتے ہو پھر بھاگتے ہو۔ پس مچھلی کو باذنِ خدا اپنی پہلی حالت میں پلٹا دیا تو انہوں نے کہا جب تک آپ نہ کھائیں گے ہم نہ کھائیں گے۔ آپ نے فرمایا معاذ اللہ میں تو نہیں کھاؤں گا یہ وہی کھائیں گے جنہوں نے مانگا تھا پس وہ لوگ دُور ہو گئے تو آپ نے فقیروں زمین گیروں بیماروں اور مصیبت زدوں کو بلایا اور فرمایا کھاؤ کہ تمہارے لئے یہ فائدہ مند ہو گی چنانچہ ایک ہزار تین سو مرد و عورت نے کھایا اور حضرت عیسیٰؑ نے دیکھا تو مچھلی ویسے کی ویسی پڑی ہے پس وہ آسمان کی طرف پرواز کر گئی اور جن لوگوں نے کھایا تھا ان کی مصیبتیں دُور ہو گئیں۔ فقیر غنی ہو گئے۔ بیمار تندرست ہو گئے اور مصیبت زدگان کے مصائب رفع ہو گئے پس حواری اور نہ کھانے والے لوگ یہ معجزہ دیکھ کر نادم و پشیمان ہوئے پھر چالیس روز تک اُترتا رہا اور جب اترتا تھا تو تمام امیر و غریب جمع ہو جاتے تھے پس حضرت نے باریاں مقرر فرما دیں تاکہ زیادہ بھیڑ نہ ہو۔ پھر ایک دن مائدہ اترتا تھا اور ایک دن خالی ہوتا تھا۔ پھر حکمِ خداوندی ہوا کہ صرف غرباء طبقہ ہی اس کو کھائے تو امراء طبقہ کو غصہ آیا اور انہوں نے کفر کیا۔ چنانچہ ان پر عذاب نازل ہوا اور بعض روایات میں ہے کہ ان کو ہدایت کی گئی کہ نہ اس میں خیانت

لَاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

اس جیسی سزا جہان میں سے کسی کو نہ دوں گا — اور جب کہے گا اللہ عیسیٰ بن مریم کو کیا تو نے

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ

کہا تھا لوگوں کو کہ مانو مجھے اور میری ماں کو دو معبود سوائے اللہ کے تو جواب دے گا تو

مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ

پاک ہے نازیبا ہے مجھے کہ میں کہوں ایسی بات جو میرے لئے ناحق ہو اگر میں نے کہا ہوتا تو تو جانتا ہے

تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

تو جانتا ہے جو باتیں میرے پاس ہیں اور میں نہیں جانتا جو تیرے پاس ہے صرف تو ہی غیبوں کے جاننے والا ہے

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ

میں نے ان کو نہیں کہا مگر جو کچھ تو نے فرمایا کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا اور تمہارا رب ہے

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ

اور میں تھا ان پر گواہ جب تک ان میں تھا پس جب تو نے مجھے لے لیا تو تو خود ہی ان پر

کریں اور نہ دوسرے روز کے لئے ذخیرہ بنائیں لیکن انہوں نے خیانت اور ذخیرہ بنانا شروع کیا تو دسترخوان کا آنا بھی بند ہو گیا اور ان پر عذاب بھی آگیا۔ عذاب یہ تھا کہ سور کی شکل میں مسخ ہو گئے۔ چنانچہ ۳۳۳ مرد راتوں کو اپنی عورتوں کے ساتھ گھروں میں آرام سے سوئے اور صبح کو اُٹھے تو خنزیر تھے گلی کوچوں میں پھرتے تھے اور پاخانہ کھاتے تھے لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ کے سامنے عرض کی اور روئے حضرت عیسیٰؑ خود بھی روئے پس وہ تین روز تک زندہ رہے اور پھر مر گئے۔

اور بروایت تہذیب حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ مائدہ کے نزول کے بعد بنی اسرائیل کے لوگ جو کفر کی وجہ سے مسخ ہوئے وہ دو گروہ تھے۔ ایک گروہ بے چھلکا مچھلی جسے ملی کہتے ہیں) کی شکل میں مسخ ہوا اور دریا میں چلا گیا اور دوسرا فرقہ سوسمار کی شکل میں مسخ ہو کر جنگلوں میں پھیل گیا۔

رکوع نمبر ۶ :- وَاِذْ قَالَ :- اگرچہ یہ سوال و جواب قیامت کے روز ہو گا۔ لیکن چونکہ یقینی ہے اس لئے اس کو

عَلَيْهِمْ ۚ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ

نگاہ بان تھا اور تو اُوپر ہر شے کے شہید ہے اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے

عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ

بندے ہیں اور اگر ان کو معاف کرے تو تُو عزیز و حکیم ہے کہے گا

اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ

اللہ اس دن فائدہ دے گی سچوں کو اپنی سچائی ان کے لئے باغات ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا

کہ جاری ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں دائمی راضی ہوگا خدا ان سے اور وہ راضی

صیغہ ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے یہ ان لوگوں کو تنبیہ ہے جو حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کو خدا مانتے ہیں کہ بروزِ محشر حضرت عیسیٰؑ سے جب پوچھا جائے گا وہ صاف لفظوں میں اس عقیدہ کی تردید اور اپنی عبودیت کا اقرار کریں گے۔

مَا فِیْ نَفْسِیْ صـ۱۸۴ :۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ تو میری پوشیدہ باتوں کو اور مخفی رازوں کو جانتا ہے لیکن میں تیری پوشیدہ باتوں اور مخفی رازوں کو نہیں جان سکتا۔

تَوَفَّيْتَنِيْ :۔ اس کا معنی ہے پورا لے لینا اور موت اس سے مراد نہیں ہے اور اس کی پوری تحقیق تفسیر ہذا کی تیسری جلد صـ۲۴۲ صـ۲۴۷ پر ہو چکی ہے۔ لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

هٰذَا يَوْمُ :۔ تفسیر صافی میں منقول ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب تمام خلائق کو محشور کیا جائیگا۔ تو سب سے پہلے حضرت رسالتمآبؐ کے نام ندا آئے گی اور حضورؐ دربارالٰہی میں حاضر ہوں گے۔ پس عرش کے دائیں جانب قیام فرمائیں گے پھر حضرت علیؑ تشریف لائیں گے اور وُہ ان کے بائیں طرف کھڑے ہوں گے اس کے بعد تمام امّتِ اسلامیہ حضرت علیؑ کے بائیں جانب کھڑی ہوگی۔ پھر باقی تمام نبیوں کو اپنی امتوں سمیت بلایا جائے گا اور وہ عرش کے بائیں جانب قیام کریں گے۔ سب سے پہلے قلم سے پھر لوح سے پھر اسرافیل سے سوال ہوگا اور وہ جواب دیں گے۔ حتّٰی کہ آپ نے فرمایا بنی آدم میں سے پہلے پہل جناب رسالتمآبؐ سے پوچھا جائے گا کہ آپ کو جبریل نے سب کچھ پہنچایا تو آپ جواب دیں گے کہ ہاں پھر سوال ہوگا کہ کیا آپ نے امّت تک پہنچایا تو آپؐ عرض کریں گے کہ ہاں میں نے پہنچایا اور تمام ملائکہ اور اخیارِ امّت اس کی گواہی دیں گے۔

عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ	
ہوں گے اس سے یہ کامیابی بڑی ہے اللہ کے لئے ہے ملک آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان میں ہے	
وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾ ع	
اور وہ اُوپر ہر شیئے کے قدرت رکھنے والا ہے	

پھر ارشاد ہوگا کیا آپ نے اپنے بعد کے لئے اُمّت کا کوئی امام نصب کیا تھا جو تیرے بعد میری حجّت اور خلق پر میرا خلیفہ ہو تو عرض کریں گے۔ ہاں اے پروردگار! میں نے اپنے بھائی۔ اپنے وزیر اور اپنے وصی علیؑ بن ابی طالب علیہ السّلام کو اپنی امّت میں اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کیا تھا اور لوگوں کو اس کی اطاعت کا بھی حکم دیا تھا۔ پس حضرت علی علیہ السّلام کو ذاتِ پروردگار کا ارشاد ہوگا کہ کیا تجھے خلافت دی گئی تھی اور تو نے اپنے فرائض کو ادا کیا تھا تو حضرت علیؑ عرض کریں گے بے شک! اے پروردگار! مجھے حضرت رسالتمآبؐ نے اپنا جانشین مقرر کیا تھا لیکن امّت نے انکار کیا تھا اور میرے حق کو دبا لیا تھا اور دوسرے لوگوں کو آگے کر دیا تھا اور میں نے جہاد بھی کیا۔ حتّٰی کہ قتل کر دیا گیا۔ پھر سوال ہوگا کہ تو نے اپنے بعد کس کو حجّت مقرر کیا تھا تو جواب دیں گے کہ امام حسن کو یکے بعد دیگرے تمام آئمہؑ سے سوال ہوں گے اور وہ جواب دیں گے پس اس کے متعلق ارشاد فرما رہا ہے کہ اس دن سچے لوگوں کو اپنی سچائی فائدہ دے گی اور ہمیشہ جنّت میں رہیں گے۔

سُورَۃُ الْاَنْعَام

- یہ سورۂ مکیہ ہے صرف اس کی چھ آیتیں مدنی ہیں اور کل آیات کی تعداد ایک سو پینسٹھ ہے۔ امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ سورہ اکٹھا نازل ہُوا۔ اور اس کے ہمراہ ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے پس جو شخص اس کی تلادت کرے گا تو تمام فرشتے قیامت تک اس کے لئے استغفار کریں گے۔
- ابنِ عباس سے مروی ہے کہ جو شخص ہر شب سورہ انعام کی تلادت کرے گا قیامت کے روز آمنین میں سے ہوگا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ مسک اور زعفران سے لکھ کر جو شخص اس کو چھ دن متواتر پئے گا وہ خیرِ کثیر پائے گا اور اس کو سوداء نہ ہوگا اور تمام دردوں اور تکلیفوں سے اس کو تندرستی حاصل ہوگی (برہان)
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ سورۂ انعام یکجا نازل ہُوا اور اس کی تشییع ستر ہزار فرشتوں نے کی بس اس کی تعظیم اور تکریم کرو اور اس سورہ میں ستر مقام پہ اللہ کا نام موجود ہے اگر لوگ اس کی قرأت کے ثواب و برکات کو جانتے ہوتے تو قطعاً اس کو ترک نہ کرتے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ ۬

حمد ہے اللہ کے لئے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور بنایا ظلمات اور نور کو

ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ ① ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ

پھر بھی جو کافر ہیں اپنے پروردگار کے ساتھ شریک بناتے ہیں وہ وہ ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ :۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے دھریہ ثنویہ اور مشرکوں کے اقوال کی تردید فرمائی ہے (برہان)

دھریہ :۔ جو وجودِ خدا کے منکر ہیں زمین و آسمان کی خلقت کو ان کے مذہب کے بطلان کی دلیل قرار دیا کہ جب کوئی معمولی سے معمولی چیز بغیر بنانے والے کے معرضِ وجود میں نہیں آسکتی تو اتنا بڑا آسمان اور اتنی لمبی چوڑی زمین اپنے تمام لوازم کے ساتھ جو مصلحتوں سے پُر ہیں کیسے بغیر خالق حکیم و علیم کے پیدا ہوسکتی تھی پس وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو تمام خوبیوں اور مصلحتوں کے ساتھ خلق فرمایا۔

ثنویہ :۔ جو نور اور ظلمت کو مدبرِ خلق جانتے ہیں ان کے عقیدہ میں خدا دو ہیں ایک کا نام یزدان جو نیکیوں کا خالق ہے اور دوسرے کا نام اہرمن ہے جو برائیوں کا خالق ہے اور انہی دونوں کو نور و ظلمت سے بھی تعبیر کرتے ہیں کہ نور خیر کا فاعل ہے ـــــ اور ظلمت شر کی فاعل ہے۔ خداوندِ کریم نے اس قول کو اس طرح باطل کیا کہ فرمایا اللہ وہ ہے جس نے ظلمت و نور دونوں کو خلق فرمایا ہے پس نہ نور فاعل ہے اور نہ ظلمت بلکہ فاعل وہ ہے جو ان دونوں کا خالق ہے۔ اور وہ چونکہ خود خیر ہے اس لئے وہ خیر کا ہی فاعل اور خالق ہے اور شر اس کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا

مشرک :۔ وہ جو خدا کی صفات میں اپنے نصب کردہ بتوں کو شامل اور شریک مانتے تھے ان کو آیت کے آخری فقرہ سے رد کردیا

یَعۡدِلُوۡنَ :۔ کا مفعول حذف کرکے تعمیم کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جس کو خدائی معاملات میں شریک مانا گیا ہے۔ خواہ وہ بُت ہوں یا درخت ہوں اور خواہ وہ جن ہوں یا ملک ہوں نیز خواہ نبی ہوں یا امام ہوں۔ بہرکیف کسی کو اس کا شریک قرار دینا کفر ہے۔

خَلَقَکُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ :۔ تفصیلی طور پہ دہریہ ثنویہ اور مشرکین کے عقائد کو باطل قرار دیتے ہوئے۔ مسئلہ خلق کو واضح

ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ﴿۲﴾

پھر مقرر کی ایک اجل اور ایک اجل مسمی اس کے پاس ہے پھر تم شک کرتے ہو

فرمایا ہے کہ صرف وہ اللہ ہی ہے جس نے تم سب کو مٹی سے خلق فرمایا کہ حضرت آدمؑ و حواؑ کے مٹی کے ڈھانچوں میں اپنی قدرتِ کاملہ سے روح داخل کرکے انسانی خلعت ان کو مرحمت فرمائی اور تم سب لوگ انہی دو کی ہی اولاد سے ہو۔ نیز زمین سے پیدا ہونے والی غذائیں جن کی نشوونما ذراتِ ارضیہ سے ہوتی ہے۔ انسان کے بدنی اجزا بنتی ہیں اور منی بھی انہی سے تیار ہوتی ہے جو انسان کا مادہ ہے۔ پس تخلیق انسان کا مادہ زمین کے ہی اجزا ہیں جو قدرت کے مختلف کارخانوں سے گذر کر جسم انسانی تک منتہی ہوتے ہیں جو روحِ انسانی کا قالب ہے اور جسم اور رُوح دونوں کے باہمی ربط سے انسان بنتا ہے۔ ان میں روح بمنزلہ راکب کے اور جسم بمنزلہ مرکوب کے ہے اور ان کی ایک دوسرے سے مکمل جدائی کا نام موت ہے پس كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ اِلٰى اَصْلِهٖ کے قاعدہ کے ماتحت موت کے بعد رُوح اپنی منزل کی طرف چلی جاتی ہے اور جسم اپنی حقیقت کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

مادہ وطبیعت کے پرستار اجزاءِ ارضیہ کے ان تطورات کو مادہ وطبیعت کا عمومی دستور کہیں گے لیکن اگر ان سے دریافت کیا جائے کہ مادہ وطبیعت کے افعال شعور کے ماتحت ہیں یا بے شعوری سے صادر ہیں؟ تو تمام عقلائے زمانہ اس امر پر متفق ہیں کہ مادہ وطبیعت میں قطعاً کوئی شعور نہیں ہوتا پس ان کے تمام افعال لاشعوری سے ہی ہوتے ہیں اور ناممکن ہے کہ بے شعوری کی حرکات وسکنات میں ہمیشہ توازن واعتدال قائم رہے اور دائمی طور پر مصالح ومفاسد کے ماتحت ہوں۔ پس نظامِ خلق میں توازن واعتدال کی ہمیشگی اور مصالح ومفاسد کی رعایت ببانگِ دہل اپنی زبان بے زبانی سے اعلان کر رہی ہے کہ اس کا مدبر وناظم اور خالق ورازق ایک ایسی ذات ہے جو اپنے ارادہ ومشیت سے مصلحت وحکمت کے ماتحت یہ سب کام کر رہی ہے اور مادہ وطبیعت بھی اسی کی ہی مخلوق ہیں اور اسی کے اختیار وارادہ سے محوِ عمل ہیں۔ نیز مادہ کے مختلف ادوار میں چکر لگانے کے بعد جب جسم انسانی تک نوبت پہنچتی ہے تو اس میں روحِ انسانی کو لاکر داخل کرنا۔ مادہ وطبیعت کے بس سے باہر ہے کیونکہ ان میں تو شعور ہی نہیں اور اگر مادہ وطبیعت ہی اس کے فاعل ہوتے تو کبھی بے شعوری سے انسانی ڈھانچہ میں حیوانی روح اور کبھی حیوانی ڈھانچہ میں انسانی رُوح بھی داخل کر بیٹھتے لیکن ایسا کبھی نہیں ہوتا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خالق علیم وحکیم مادہ صورت سے ارفع واجل ہے اور وہ اللہ ہے جو تمام کائنات کا واحد خالق و مدبر ہے اور جو لوگ یہ صفت کسی دوسرے کی طرف منسوب کریں۔ وہ مشرک ہیں بعض جاہل کہہ دیتے ہیں کہ اللہ نے صرف محمدؐ وآلِ محمدؐ کو خلق فرمایا اور باقی سب مخلوق کو انہوں نے خلق کیا۔ وہ خود بھی مشرک ہیں اور دوسروں کو بھی شرک کی تعلیم دیتے ہیں کیا وہ قرآن کی ان آیتوں کو نہیں پڑھتے کہ خدا فرماتا ہے هُوَ الَّذِيْ

خَلَقَكُمْ :- صرف وُہ اللہ ہی ہے جس نے تم سب کو مٹی سے خلق فرمایا ۔ اے اللہ ہم تیرے بندے اور تیری مخلوق ہیں اور تجھے تمام کائنات کا خالق و رازق مانتے ہیں اور ایسے لوگوں سے بری و بیزار ہیں ۔ جو تیرے علاوہ کسی دوسرے کو خالق یا رازق کہیں ۔ تو ہمیں راہِ راست پر ثابت قدمی کی توفیق مرحمت فرما۔

مسئلہ بدا

ثُمَّ قَضٰى اَجَلًا :- یعنی خداوندکریم نے ہر انسان کے لئے دو طرح کی اجل مقرر فرمائی ہے ۔ ایک اجل مقضی اور دوسری اجل مسمّٰی ۔ پہلی کو قضائے محتوم و مبرم بھی کہتے ہیں اور دوسری کو قضائے غیر مبرم بھی کہا جاتا ہے یعنی خداوندِ علیم نے ہر انسان کے لئے ایک معیارِ زندگی مقرر کر دیا ہے کہ فلاں شخص کی مثلاً پچاس برس زندگی ہے پس نہ اس سے وُہ کم ہوسکتی ہے ۔ اور نہ اس سے زیادہ ہوسکتی ہے اور یہ ہے اجل مقضی اور قضائے محتوم اور اپنی حکمتِ شاملہ سے یہ بات بھی مقدر فرمادی ہے کہ اگر اس نے صدقہ یا دُعا یا کوئی صلہ رحمی وغیرہ کی تو اس کی عُمر میں اتنے سال بڑھا دیئے جائیں گے اور اگر اُس نے زنا بدکاری یا شراب نوشی وغیرہ کی تو اس کی عُمر طبعی سے اس قدر کم کیا جائے گا ۔ اس کا نام ہے اجلِ مسمّٰی اور قضائے غیر مبرم اور اس کا علم سوائے اس کی ذات کے اور کسی کو نہیں ہوتا وہ جس قدر کم و بیش کرے اس کے اپنے اختیار میں ہے ۔

کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اجلیں دو قسم کی ہیں ایک اجل محتوم اور دوسری اجل موقوف اور بروایت قمی امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اجل مقضی قضائے محتوم کا نام ہے اور اجل مسمّٰی وہ ہے جس میں بدا واقع ہوتی ہے کہ خُدا جس قدر چاہے آگے یا پیچھے کرسکتا ہے لیکن محتوم میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوسکتی ۔

تفسیر ابو السعود میں ابن عباس سے منقول ہے کہ ہر انسان کی دو اجلیں مقرر ہیں ۔ ایک ولادت سے موت تک اور دوسری موت سے حشر تک یعنی ایک اجل زندگی کی اور دوسری اجل برزخ کی ۔ پس اگر نیک ہوگا تو اس کی برزخ کی اجل کا کچھ حصّہ زندگی کی اجل میں شامل کیا جائے گا اور اس کی عمر لمبی ہوگی اور اگر بدکار ہوگا تو اس کی زندگی کی اجل کا کچھ حصّہ برزخ کی اجل میں شامل کیا جائے گا اور اس کی عمر کم ہوجائے گی ۔

تفسیر کبیر فخر الدین رازی سے منقول ہے کہ حکمائے اسلام نے اجل کی دو قسمیں بیان کی ہیں ایک اجل طبعی اور دوسری اجل اخترامی پس اجل طبعی سے مراد یہ ہے کہ مثلاً فلاں انسان اگر عوارضِ خارجیہ سے محفوظ رہا تو وہ اسقدر عمر پا سکے گا اجلِ اخترامی سے مراد یہ ہے کہ عوارضِ خارجیہ کے اثرات اس پر وارد ہوکر اس کی عمر کو کم کردیں گے ۔ مثلاً ڈوب کر مرنا ۔ یا قتل ہونا یا جل جانا وغیرہ ۔ انتہٰی

یوں سمجھئے کہ جس طرح ہر صانع اپنے مصنوع کی ایک گارنٹی مقرر کر دیتا ہے تو پس ہوسکتا ہے کہ بیرونی صدمات کی وجہ سے وہ چیز گارنٹی کی میعاد سے قبل ختم ہوجائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مزید حفاظت و احتیاط کی بدولت وُہ چیز گارنٹی کی میعاد سے بھی بڑھ جائے ۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ

اور وہی اللہ آسمانوں میں اور زمین میں ہے جانتا ہے تمہارا باطن اور تمہارا ظاہر اور جانتا ہے

پس خداوندکریم نے بھی اپنی مصنوعات کی ایک گارنٹی مقرر کی ہے جس کو وہ خود جانتا ہے اوراس کا نام اجل مقضی یا قضائے محتوم ہے اور اسباب خارجیہ سے اس میں کمی یا بیشی کا نام اجل مسمی ہے چنانچہ ایک مقام پر ارشاد قدرت ہے وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ یعنی کسی کی عمر نہیں بڑھائی جاتی اور نہ کم کی جاتی ہے مگر یہ کہ وہ کتاب میں موجود ہے اور اجل محتوم کا علم خداوندکریم بعض اوقات انبیاء و اولیاء کو عطا فرما دیا کرتا ہے لیکن اجل مسمّٰی کا علم صرف اس کی اپنی ذات کے پاس محفوظ ہے بنابریں منقول ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے ایک شخص کی موت کی خبر دے دی۔ جب وہ شخص اس تاریخ کو نہ مرا تو لوگوں نے حضرت عیسٰیؑ سے وجہ دریافت کی۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تُو نے اس دوران میں کوئی نیک کام کیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں نے صدقہ دیا تھا پس آپ نے فرمایا کہ اس صدقہ کی وجہ سے اس کی عمر میں زیادتی کی گئی۔

بدا کا یہ معنی نہیں کہ خداوندکریم معاذاللہ پہلے نہیں جانتا اور پھر جان لینے کے بعد اپنے سابق فیصلہ میں ترمیم کرتا ہے اگر ایسا ہو تو پھر خدا کیسے رہا؟ عملی طور پر بدا کے قائل سارے مسلمان ہیں بلکہ تمام انسان ہیں کہ ہر معاملہ میں دعائیں مانگ کر خدا سے اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ چاہتے ہیں اگر وہ صرف قضائے محتوم کے قائل ہوتے تو دعاؤں کا سلسلہ سارے کا سارا لغو ہوتا حالانکہ اپنے اکثر امورِ خیر کو اپنی دعاؤں کا یا اپنے پیرومرشد کی دعاؤں کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور یہ بدا کا عملی اعتراف ہے گویا مقصد ان کا یہ ہوتا ہے کہ میں نے فلاں کام نہ کیا ہوتا۔ یا پیرومرشد نے دعا نہ کی ہوتی تو میرا یہ کام نہ ہوسکتا۔ گویا بغیر دُعا کے قضائے محتوم و مبرم آشکار ہوتی اور اللہ نے اب قضائے مسمی کے ماتحت میری تقدیر بدل دی ہے۔

پس شیعوں پر بدا کا اعتراض بالکل لغو اور بے ہودہ ہے اور صرف دشمنِ اہلبیت ملاؤں کی طرف سے شیعوں کے خلاف عوام کو برانگیختہ کرنے کا ایک بہانہ ہے۔ پس وہ اپنی بدضمیری کے ماتحت بدا کے غلط سلط معانی کر کے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں اور شیعوں کو موردِ دشنام بنا کر زہر اُگلتے رہتے ہیں۔ خداوندکریم حق کا خود محافظ ہے ان ہنگامہ آرائیوں سے حق کی آواز کو نہیں دبایا جاسکتا۔

توحید

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ - یعنی وہ اللہ جس کی بعض صفات کا پہلے بیان ہوچکا ہے وہ آسمانوں اور زمینوں میں معبود ہے اور اہلِ آسمان و زمین اس کی الوہیت و توحید کے قائل ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ زمین و آسمان میں اس طرح ہے جس طرح کوئی مکین مکان میں فروکش ہوا کرتا ہے۔

تفسیر برہان میں ارشاد مفید سے مروی ہے ایک مرتبہ ایک یہودی عالم خلیفہ اوّل کی خدمت میں حاضر ہوا اور

مَا تَكْسِبُوْنَ ﴿۳﴾ وَمَا تَأْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا

جو تم کسب کرتے ہو اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی اپنے رب کی نشانیوں میں سے مگر وہ اس سے

مُعْرِضِيْنَ ﴿۴﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْبٰٓؤُا

منہ پھیر لیتے ہیں تحقیق انہوں نے جھٹلایا حق کو جب ان کے پاس پہنچا پس عنقریب کھلے گی ان پر حقیقت

دریافت کیا آپ اس امت کے نبی کے جانشین ہیں ؟ تو خلیفہ نے ہاں میں جواب دیا ۔ پس یہودی نے کہا کہ ہم نے تورات میں پڑھا ہے کہ ہر نبی کا خلیفہ وہی ہو سکتا ہے جو تمام امت سے اعلم ہو ۔ پس مجھے بتائیے کہ خدا آسمان میں ہے یا زمین میں ؟ تو خلیفہ نے جواب دیا کہ وہ آسمان میں عرش پر جلوہ فگن ہے ۔ یہ سُن کر یہودی کہنے لگا پھر تو زمین اس سے خالی ہوئی ؟ نیز وہ مکان کا محتاج ہو گیا ؟ نتیجہ یہ ہُوا کہ بارگاہ خلافت سے اسے زندیق و بے دین کہہ کر اور قتل کی دھمکی دے کر نکالا گیا ۔ یہودی بانداز تعجب اسلام پر مسخری کرتا ہُوا باہر نکلا تو راستہ میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام مل گئے ۔ آپ نے فرمایا ۔ اے یہودی ! میں جانتا ہوں جو کچھ تو نے پوچھا اور جو کچھ تجھے جواب ملا ۔ اب ذرا اپنے سوال کا جواب مجھ سے سُن ۔ خدا وہ ہے جس نے مکان کو مکان بنایا اور خود لامکان ہے اور اس سے اجل ہے کہ کوئی مکان اس کا احاطہ کرے وہ ہر جگہ ہے بغیر مس اور مجاورت کے اور جس جگہ جو کچھ بھی ہے وہ سب کو جانتا ہے اور اس کی تدبیر سے کوئی جگہ خالی نہیں ۔ اور تمہاری اپنی کتاب میں میرے مطلب کی تائید موجود ہے اگر میں پیش کر دوں ۔ تو ایمان لائے گا ؟ یہودی نے کہا ہاں ! پس فرمایا تمہاری کتاب میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس مشرق سے ایک فرشتہ آیا اور حضرت موسیٰؑ نے پوچھا کہاں سے آیا ہے ؟ تو اس نے جواب دیا کہ خدا کی طرف سے پھر مغرب کی جانب سے ایک فرشتہ آیا ۔ پھر ساتویں آسمان سے ایک فرشتہ آیا اور آخر میں ساتویں زمین سے ایک فرشتہ حاضر خدمت ہُوا اور ہر ایک نے حضرت موسیٰؑ کے سوال کے جواب میں کہا کہ خدا کی جانب سے آیا ہوں تو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا پاک ہے وہ اللہ جس سے کوئی جگہ خالی نہیں اور وہ کسی مکان سے بہ نسبت دوسرے مکان کے قریب تر نہیں ۔ پس یہودی نے یہ سُن کر کلمۂ شہادت زبان پر جاری کیا اور کہا کہ واقعی آپ رسول کے جانشین برحق ہیں ۔

فَسَوْفَ :۔ یعنی جو لوگ حق کی تکذیب کرتے ہیں یا اس کو محل تمسخر بناتے ہیں وہ مبتلائے عذاب ہوں گے خواہ دنیا میں یا آخرت میں بہرکیف اپنے کئے کا پھل ضرور پائیں گے ۔

قَرْنٍ ص۱۹۳ :۔ بعض نے اس کی حد ستر برس بیان کی ہے اور بعض اسیؒ برس کے زمانہ کو قرن کہتے ہیں لیکن

مَا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٥ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ

اس کی جس پر وہ ہنسی کرتے تھے کیا وہ دیکھتے نہیں کہ کس قدر ہم نے ہلاک کیں ان سے پہلے

مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ

قومیں جنہیں قبضہ دیا تھا ہم نے زمین پر کہ اتنا تمہیں نہیں دیا اور بھیجا ہم نے آسمان کو ان پر

مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ

برستا ہوا اور بنائیں ہم نے نہریں جو بہتی تھیں ان کے نیچے پس ان کو ہم نے ہلاک کیا بوجہ ان کے

وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝٦ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ

گناہوں کے اور پیدا کیں ان کے بعد دوسری قومیں اور اگر ہم اتاریں آپ پر کتاب

قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا

کاغذ میں پس وہ چھوئیں اس کو ہاتھوں سے تب بھی کہہ دیں گے جو کافر ہیں نہیں ہے

سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا

یہ مگر جادو صریح اور کہنے لگے کہ کیوں نہ اترا اس پر فرشتہ؟ اور اگر ہم اتارتے فرشتہ

یہاں قرن سے مراد ہے۔ اہلِ زمان گویا ہر نبی کے زمانہ کے لوگ ایک قرن ہوئے۔ یہاں خداوندِ کریم ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سے نبیوں کے زمانہ والوں کو موردِ عذاب قرار دیا جو بوجہ سرکشی کے اپنے زمانہ کے نبیوں کی تکذیب کرتے تھے اور ان سے تمسخر کرتے تھے تو جب گذشتہ امتوں پر عذاب نازل ہوتے رہے تو تم بھی اہلِ مکّہ عذابِ خدا سے ڈرو اور نبی کی تکذیب نہ کرو ورنہ اگر خدا چاہے تو تمہیں بھی عذاب میں گرفتار کرلے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا :۔ ان کی سرکشی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ قرآن کو اترتا ہوا دیکھیں اور ہاتھوں پر اٹھا بھی لیں تب بھی نبی علیہ السلام کو جادوگر ہی کہتے رہیں گے۔ یہ جنابِ رسالتمآبؐ کو تسلّی دی گئی ہے کہ آپ ان کی باتوں سے خفا نہ ہوں بلکہ آپ اپنا کام کئے جائیں۔ مروی ہے کہ نضر بن حارث نے حضرت رسالتمآبؐ سے عرض

لَقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝٨ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا

تو معاملہ ختم ہو جاتا پھر مہلت نہ دیئے جاتے اور اگر ہم بناتے رسول فرشتہ تب بھی اس کو ایک مرد بناتے

عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝٩ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ

اور مشتبہ کر دیتے ان پر وہ بات جس میں اب اشتباہ کرتے ہیں اور تحقیق ہنسی کی گئی رسولوں کے ساتھ جو آپ سے پہلے تھے پس اترا

سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝١٠ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ

ان پر جنہوں نے ہنسی کی تھی وہ عذاب جس کا مذاق کرتے تھے فرما دیجئے کہ سیر کرو زمین میں پھر

انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝١١ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

دیکھو کیا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا پوچھئے کس کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین

قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ

میں ہے فرما دیجئے اللہ کے لئے ہے اس نے فرض کیا اپنی ذات پر رحمت کو ضرور جمع کرے گا تم کو بروز قیامت اس میں کوئی شک نہیں

کی تھی کہ ہم تب ایمان لائیں گے کہ ہمارے سامنے قرآن کی تصدیق کے لئے آسمان سے فرشتے اتریں پس خدا ان کے قول کی تردید فرما رہا ہے۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا۔ یعنی اگر ہم فرشتہ کو بھی نبوت دے کر بھیجتے تو وہ بھی انسان بن کر آتا۔ پھر ان کو وہی شبہ لاحق ہو جاتا کہ یہ تو انسان ہے اور نبی کے لئے بشریت اور انسانیت کا انکار کرنا صرف انہی تک محدود نہیں بلکہ پہلے رسولوں کو بھی لوگ ایسا ہی کہا کرتے تھے اور رسولوں سے مسخری کیا کرتے تھے اور آپس میں کہتے تھے کہ دیکھو ہم جیسا بشر ہے اور کہتا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ پس ان پر خدا کا عذاب نازل ہوا اور وہ ہلاک کر دیئے گئے۔ اب بھی انہیں کفار کے ہم عقیدہ لوگ موجود ہیں جو بشریت کو رسالت و نبوت کے منافی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید بانگ دہل ان کے فاسد عقیدہ کی تردید فرما رہا ہے اور اس اعتقاد کو کفریہ عقیدہ قرار دے رہا ہے۔

رکوع نمبر ۸

قُلْ سِيْرُوْا :- زمین میں چلنے پھرنے کی دعوت دی تاکہ خدا کی قدرت کی نشانیاں دیکھیں اور سابقہ امتوں کے حالات سے اطلاع حاصل کریں تاکہ ان کے دلوں سے تشکیک و شبہات کے پردے کھل جائیں اور ایمان لے آئیں۔

فِیْهِ ۚ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِی

جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈالا وہ ایمان نہیں لاتے اسی کے لئے ہے جو بستا ہے

الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا فَاطِرِ

رات اور دن میں اور وہی سننے جاننے والا ہے کہہ دیجئے کیا اللہ کے سوا کسی کو ولی بناؤں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ

جو پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا ہے اور وہی رزق دیتا ہے اور خود نہیں دیا جاتا کہہ دیجئے مجھے حکم ہے کہ

اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ

ہو جاؤں پہلا حکم تسلیم کرنے والا اور تم نہ ہو شرک کرنے والوں سے کہہ دیجئے کہ میں ڈرتا ہوں

کَتَبَ صفحہ ۱۹۴ :۔ اگر سوال کیا جائے کہ جب وہ عذاب نازل کرتا ہے یا بروز محشر جب وہ گنہگاروں کو عذاب دے گا تو رحمت کہاں رہی ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اس کا ہر فیصلہ مصلحت کے ماتحت ہی ہوا کرتا ہے اور اس کی مصلحت کا مقتضا صرف رحمت ہی نہ ہے پس مفسدین کو سزا دینا عین مصلحت اور مقتضائے عدل و رحمت ہوا کرتا ہے البتہ غیر گنہگاروں کو موردِ عذاب کرنا بعید از رحمت ہے اور وہ اس سے اجل و ارفع ہے بلکہ وہ تو توبہ کرنے سے گنہگاروں کو بھی معاف کر دیتا ہے۔

وَلَهٗ مَا سَكَنَ :۔ اس سے پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ کے لئے ہے جو آسمان و زمین میں ہے اور یہاں فرمایا ہے کہ اللہ کے لئے ہے جو دن و رات میں ہے وہاں مکان و مکانیات مراد تھے اور یہاں زمان و زمانیات مقصود ہیں اور اللہ ملک و ملک و خلق و رزق کے لحاظ سے سب کا مالک ہے اور ممکن ہے پہلی آیت میں جواہر و اجسام مراد ہوں اور دوسری آیت میں اعراض و احوال مراد ہوں اور سکون حلول کے معنی میں ہو۔ پس مقصد یہ ہوگا کہ جواہر و اعراض اور اجسام و احوال سب اللہ کے ہی مملوک ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سکون حرکت کے مقابلہ میں ہو یعنی ہر ساکن چیز اور ہر متحرک چیز کا مالک خدا ہی ہے لیکن سکون کو بالخصوص ذکر فرمایا اس لئے کہ متحرک کا آغاز و انجام سکون ہی ہوا کرتا ہے۔ نیز دو متضاد چیزوں میں سے ایک کے ذکر سے دوسری کے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ وہ قرینۂ مقام سے سمجھی جاتی ہے اس لئے یہاں بھی صرف سکون کا ذکر کافی ہے اور مراد حرکت و سکون دونوں ہیں۔

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ :۔ اہلِ مکہ نے جناب رسالتمآبؐ سے عرض کی تھی کہ آپ فقر و تنگدستی کی وجہ سے اپنے آبائی دین کو ترک کر کے نئے دین کی بنیاد رکھ رہے ہیں لہٰذا ہم چندہ جمع کر کے آپ کو کافی مال و دولت فراہم کر دیتے ہیں۔ پس آپ نئے

إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ⑮ مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ

اگر نافرمانی کروں ربّ کی بڑے دن کے عذاب سے جس سے ٹالا جائے (عذاب) اس دن تو اس پر

رَحِمَهُ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ⑯ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ

اس کا رحم ہوا اور یہ کامیابی ہے ظاہر اور اگر پہنچائے تمہیں اللہ کوئی تکلیف تو اس کا کوئی دفع کرنے

لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑰ وَهُوَ الْقَاهِرُ

والا نہیں سوائے اس کے اور اگر پہنچائے کوئی خوبی تو وہ ہر شے پر قدرت والا ہے اور وہ غالب ہے

دین کی تبلیغ چھوڑ دیں تو ان کے جواب میں ارشاد قدرت ہے۔ ان لوگوں سے فرما دیجئے کیا میں زمین و آسمان کے خالق کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو اپنا مولا و حاکم بنالوں؟ حالانکہ اللہ ہی ہے جو سب کو رزق دیتا ہے اور وہ خود محتاج رزق نہیں ہے اور میں تو اس بات پر مامور ہوں کہ سب سے پہلے اس کا عبادت گزار ہوں اور شرک نہ کروں۔

مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ :۔ یعنی کوئی اپنی نیکیوں کی بدولت یہ گھمنڈ نہ کرے کہ میں نیک ہوں لہٰذا ضرور جنت میں جاؤں گا اس کی نعمتوں کے مقابلہ میں شکر کما حقہٗ، اور اس کے احسان کے بدلہ میں حقِ عبودیت کی وفا نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہے پس جو بھی بروزِ محشر گرفت سے بچ گیا اور داخلِ جنت ہوا وہ اللہ کے رحم و کرم کا ہی نتیجہ ہوگا۔

تفسیر مجمع البیان میں تفسیر حسن سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کوئی شخص بھی اپنے اعمال کی بدولت جنت میں داخل نہیں ہوگا تو لوگوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ بھی؟ تو فرمایا۔ ہاں :۔ مگر یہ کہ خدا اپنی رحمت و فضل سے ڈھانپ لے، پھر آپ نے ہاتھ مبارک سر پہ رکھا اور بلند آواز سے روئے۔

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ :۔ یہ خطاب اگرچہ حضورؐ کی طرف ہے لیکن مراد تمام امت ہے کہ تمہیں کوئی رنج و ضرر یا نفع و خوشی نہیں پہنچتی۔ مگر اللہ کی جانب سے اور اس آیتِ مجیدہ میں خداوند کریم اپنے بندوں کو تمام احوال میں اپنی طرف رجوع کی دعوت دے رہا ہے کہ اگر رنج و دکھ کی حالت ہو تو چونکہ میرے سوا اس کا کوئی کاشف نہیں۔ لہٰذا مجھ سے ہی دعا مانگو اور اگر تمہیں کوئی خوشی پہنچے تو میری ہی ذات کا شکریہ ادا کرو۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ :۔ فرماتا ہے کہ تمام بندوں پر غالب و قاہر صرف میں ہی ہوں اور تمام مخلوق کی ہر حالت و کیفیت سے ہر وقت مطلع میں ہی ہوں اور میرا ہر فیصلہ اور ہر کام حکمت کے ہی ماتحت ہوا کرتا ہے۔

قُلْ أَيُّ شَيْءٍ ص ۱۹۷ :۔ مروی ہے کہ اہل مکہ خدمتِ اقدس نبوی میں آئے اور عرض گذار ہوئے کہ کیا خدا

فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ

اپنے تمام بندوں پر اور وہ حکیم و خبیر ہے کہہ دیجئے کون سی چیز بڑی ہے گواہی میں ؟ کہہ دو

اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ

اللہ گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان اور وحی ہوا مجھے یہ قرآن کہ تمہیں ڈراؤں اس کے ذریعے

وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ

اور جس تک پہنچے کیا تم گواہی دیتے ہو کہ تحقیق اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہیں اور کہہ دو میں تو یہ نہیں

اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾

کہتا کہہ دیجئے صرف وہ ایک ہی معبود ہے اور میں بیزار ہوں اس سے جو تم شریک کرتے ہو

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا

وہ جن کو ہم نے دی کتاب پہچانتے ہیں اسے جس طرح پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو وہ جنہوں نے خسارہ دیا

کو آپ کے علاوہ کوئی اور نبوّت کے عہدہ کے لئے نہیں ملتا تھا ؟ اور ہمارے خیال میں تو کوئی بھی تمہاری نبوّت کو نہ مانے گا ۔ کیوں کہ ہم نے یہودیوں اور نصرانیوں سے دریافت کیا ہے ؟ وہ کہتے ہیں ہماری کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں لہٰذا آپ ہمیں اپنی نبوّت کا کوئی گواہ دکھائیں تو یہ آیت اتری ۔

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ :۔ یعنی میری طرف نبوّت کی شہادت کے لئے یہ قرآن اترا ہے اور اللہ نے اُتارا ہے پس وہ خود گواہ ہے اور اس کا یہ قرآن گواہ ہے اور اس سے بڑی شہادت اور کوئی ہو نہیں سکتی ۔

وَمَنْۢ بَلَغَ :۔ اس کی ترکیبیں دو طرح کی گئی ہیں (۱) جو عام مفسّرین نے کی ہے کہ اس کا عطف اُنْذِرَكُمْ کے مفعول پر ہے اور معنی یہ ہوگا کہ اس قرآن کے ذریعہ میں تمہیں عذابِ خدا سے ڈراؤں گا اور ہر اُس شخص کو ڈراؤں گا جس تک یہ قرآن پہنچے ۔ یعنی میں قیامت تک کے لئے نذیر ہوں (۲) جو آئمہ اہلبیتؑ سے منقول ہے کہ اس کا عطف اُنْذِرُ کے فاعل پر ہے اور معنی یہ ہوگا کہ میں تمہیں انذار کروں گا اور میرے بعد وہ انذار کرے گا جس تک قرآن پہنچے اور وہ صرف آلِ محمدؑ ہیں جو رسالتمآبؐ کے بعد قیامت تک کیلئے اُمّتِ اسلامیہ کیلئے نذیر ہیں اور تفسیر برہان میں کافی و عیاشی سے متعدد روایات اسی معنی کی منقول ہیں کہ من بلغ سے مراد آلِ محمدؑ ہیں ۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ :۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ جب جناب رسالتمآبؐ ہجرت کرکے مدینہ

أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا

اپنے آپ کو تو وہ ایمان نہیں لاتے اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو افترا باندھے اللہ پر جھوٹا

أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۗ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢١﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا

یا جھٹلائے اس کی آیات کو تحقیق نہ چھٹکارا پائیں گے ظالم اور جس دن ہم اکٹھا کریں گے ان سب کو

ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾

پھر کہیں گے ان کو جو شرک کرتے تھے کہاں ہیں تمہارے شریک جن کے متعلق تمہارا گمان تھا؟

ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾

پھر نہ ہوگا ان کا عذر مگر یہ کہ کہیں گے ہمیں اللہ پروردگار کی قسم ہم مشرک نہ تھے

انظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ ۚ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾

دیکھو کیسے جھٹلایا اپنے نفسوں کو اور گم ہو گئے ان سے وہ جس کا افترا کرتے تھے

میں تشریف فرما ہوئے تو ایک روز حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن سلام سے دریافت کیا کہ خداوند کریم اپنی کتاب میں فرماتا ہے کہ اہل کتاب حضرت رسولؐ پاک کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں یہ کیسے ہے؟ تو عبداللہ بن سلام نے جواب دیا کہ ہم رسالتمآبؐ کو اس وصف کے ساتھ پہچانتے ہیں جو خداوند کریم نے فرمائی ہے جس طرح کہ کوئی شخص چند لڑکوں کے درمیان اپنے بیٹے کو پہچان لیا کرتا ہے اور خدا کی قسم ہم محمد مصطفےٰؐ کو اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ پہچانتے ہیں تو حضرت عمر نے دریافت کیا یہ کیسے؟ تو اس نے جواب دیا کہ حضورؐ کو تو ہم نے خدا کی بیان کردہ صفات سے صحیح پہچان لیا جو ہماری کتب میں مذکور ہیں۔ پس ہم شہادت دیتے ہیں کہ واقعی وہ وہی ہیں لیکن اپنے بیٹے کے متعلق شک ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے اس کی ماں نے خیانت کی ہو۔

رکوع نمبر ۹

وَاللَّهِ رَبِّنَا:۔ تفسیر برہان میں صادقین علیہما السلام سے مروی ہے کہ وہ قسم اٹھا کر کہیں گے کہ ہم ولاءِ علیؑ میں شرک نہیں کرتے تھے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے قرآن میں شک ہے آپ نے فرمایا وہ کیسے؟ تو عرض کی کہ ایک جگہ ارشادِ قدرت ہے کہ اس دن روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے اور کوئی نہ بول سکے گا مگر وہ جس کو رحمٰن کی اجازت

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ

اور ان میں سے بعض سنتے ہیں تیری اور کر دیئے ہم نے ان کے دلوں پہ غلاف کہ سمجھیں اسے

وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا

اور ان کے کانوں پر پردے اور اگر دیکھیں تمام نشانیاں تب بھی نہ ایمان لائیں ان پر یہاں تک کہ

جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ

آئیں آپ سے جھگڑنے کے لئے کہتے ہیں وہ جو کافر ہیں نہیں یہ مگر کہانیاں گذرے

ہوگی اور درست بولے گا اور دوسری جگہ فرماتا ہے کہ جھوٹ بولیں گے اور کہیں گے کہ ہم تو مشرک نہ تھے۔ پھر ایک جگہ فرماتا ہے کہ بعض بعض کا کفر کریں گے اور ایک دوسرے پر لعنت کریں گے اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ حکم ہوگا کہ میرے پاس جھگڑا مت کرو پھر ایک مقام پر فرماتا ہے۔ ہم ان کے منہ پہ مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ بولیں گے اور پاؤں گواہی دیں گے۔ پس سمجھ میں نہیں آتا کہیں ارشاد ہے کہ بولیں گے کہیں فرماتا ہے نہ بولیں گے کسی جگہ فرماتا ہے ہر کوئی سچ بولے گا اور دوسری جگہ ہے وہ جھوٹ بولیں گے پس آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ وہ پچاس ہزار سال کا دن ہوگا اور اس میں کئی موقف ہوں گے۔ ایک مؤقف پہ مومن ایک دوسرے سے محبت کریں گے اور باہم خوشی سے ملیں گے اور گنہگار جنہوں نے دنیا میں ایک دوسرے کی ظلم و عدوان پہ مدد کی تھی وہ ایک دوسرے پہ لعنت ملامت کریں گے۔ اس کے بعد دوسرا موقف ہوگا جہاں نفسی نفسی کی پکار ہوگی اور بھائی بھائی سے ماں باپ اولاد سے اور اولاد ماں باپ سے اور زن و مرد ایک دوسرے سے بے زار ہوں گے۔ جیسے ارشاد قدرت ہے۔ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ پھر تیسرا مؤقف ہوگا جہاں لوگوں پہ گریہ طاری ہوگا اور خون روئیں گے۔ اگر اہل دنیا وہ آوازیں سنتے تو مدہوش ہو جاتے۔ پھر چوتھا مؤقف ہوگا جہاں لوگ سامنے کے عذاب کا مشاہدہ کر کے اپنے گناہوں کا انکار کر دیں گے۔ پھر زبانوں پہ مہر لگ جائے گی اور ہاتھ پاؤں اور چمڑے ان کے کرتوتوں کے گواہ ہوں گے۔ پھر جب زبانوں سے مہر اٹھے گی تو پوچھیں گے اپنے اعضاء سے کہ تم نے کیوں گواہی دی تو جواب دیں گے کہ ہم کو اللہ نے بولنے کی طاقت دی اور ہم نے سچ سچ کہا۔ پھر پانچواں مؤقف آئے گا۔ جہاں سوائے اذن پروردگار کے اور کوئی نہ بول سکے گا۔ پھر چھٹا موقف آئے گا۔ جہاں لوگ ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے اور اپنے اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے اور ان کا فیصلہ ہوگا اور حساب کا مؤقف ہوگا اور حساب کے بعد

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ
لوگوں کی اور وہ روکتے ہیں اس سے اور دُور ہوتے ہیں اُس سے اور نہیں
يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾
برباد کرتے مگر اپنے نفسوں کو حالانکہ وہ نہیں سمجھتے

ہر ایک اپنے ٹھکانے لگ جائے گا اور ایک حدیث طویل میں آپ نے فرمایا کہ تہتر فرقوں میں سے ناجی فرقہ صرف وہی ہے جو ہمارے ساتھ محبت کرے گا اور ہمارے دشمنوں سے بیزاری کرے گا۔ ہم قرآن کے ساتھ اور قرآن ہمارے ساتھ ہے اور ایک دوسرے سے قیامت تک جُدا نہ ہوں گے اور باقی بہتر فرقے ابلیس اور اس کے ساتھیوں کے پیرو ہیں۔ اور وہ بروزِ محشر کہنے والے ہوں گے کہ قسم ہے پروردگار کی ہم تو مشرک نہ تھے۔

وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ص۱۹۹:۔ اس کی تفسیر تفسیر کی دوسری جلد میں وضاحت سے بیان کی جا چکی ہے اور جبرو اختیار کے مسئلہ پر بھی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اَكِنَّةً ص۱۹۹:۔ کنان کی جمع ہے اس کا معنی ہوتا ہے پردہ یا غلاف۔

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ص۱۹۹:۔ اساطیر جمع ہے اس کی واحد اسطورہ اور اسطارہ آتی ہے۔ اس کا معنی ہے۔ ایک لمبی کہانی، اور سطر کو سطر بھی اسی لئے کہا جاتا ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ قریش کے چند سرداروں نے حضرت رسالتمآبؐ سے قرآن کی آیتیں سُنیں تو اُنہوں نے ایک یہودی سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ گذشتہ لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ پس خدا ان کی مذمت کر رہا ہے۔

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ:۔ اس آیتِ مجیدہ کے تین معانی بیان کئے گئے ہیں (۱) وہ لوگوں کو جناب رسالتمآبؐ کی اتباع سے روکتے ہیں اور خود بھی ان سے دُور رہتے ہیں (۲) لوگوں کو قرآن کے سننے سے روکتے ہیں اور خود بھی دُور بھاگتے ہیں (۳) لوگوں کو جناب رسالتمآبؐ کی ایذا رسانی سے روکتے ہیں لیکن خود ان پر ایمان نہیں لاتے بلکہ دور رہتے ہیں۔ یہ تیسرے قول والے اس آیت کا مصداق حضرت ابوطالبؑ کو قرار دیتے ہیں۔

ایمان حضرت ابوطالبؑ

جن لوگوں نے تیسرا قول اختیار کیا ہے وہ صرف تعصب ہی کی بناء پر ورنہ حضرت ابوطالبؑ کی جانثاری اور فداکاری کا عالم یہ تھا کہ کبھی اپنی زندگی بھر حضرت رسالتمآبؐ سے دور نہ ہوئے بلکہ پروانہ وار شمع رسالتمآبؐ کے شیدائی رہے۔ حالانکہ آیتِ مجیدہ ان کفارِ مکہ کی مذمت کر رہی ہے جو لوگوں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی دُور بھاگتے ہیں اور حضرت ابوطالبؑ کا عمل

یقیناً اس کے برعکس تھا کیونکہ وُہ لوگوں کو بھی ان کی اتباع کی ترغیب دیتے تھے اور خود بھی اطاعت گذار تھے چونکہ حضرت ابوطالب ابوالائمہ کے ایمان کی بات چھڑ گئی تو ضروری ہے کہ اس کے متعلق قدرے وضاحت کی جائے ممکن ہے کوئی منصف طبع انسان ہدایت پالے۔

حضرت ابوطالبؑ کا عمل :- (۱) جب یہ آیت مجیدہ وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ اتری تو حضورؐ نے کوہ صفا پر کھڑے ہوکر آواز دی۔ پس لوگ جمع ہوگئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں خبر دوں کہ پہاڑ کے دامن سے کوئی لشکر آرہا ہے تو مان لوگے ؟ کہنے لگے جی ہاں! کیونکہ ہم نے آپ کو کبھی جھوٹا نہیں پایا۔ پس آپ نے فرمایا قیامت کے عذاب سے ڈرو فوراً ابولہب نے بات ٹوک دی اور چند باتیں کہہ کر مجمع کو منتشر کر دیا پھر آپ نے دوبارہ دعوت دی اور خطبۂ توحید کے بعد اپنی رسالت کا اظہار فرمایا۔ پس حضرت ابوطالبؑ نے کھڑے ہوکر عرض کی کہ ہم آپ کے مددگار اور نصیحت قبول کرنے والے اور آپ کی فرمائشات کی تصدیق کرنے والے ہیں یہ تمام آپ کا خاندان موجود ہے۔ جن میں سے ایک میں بھی ہوں۔ لیکن ان سب میں سے میں آپ کی بات کو جلدی قبول کرنے والا ہوں۔ بے شک آپ کو جو حکم ہُوا ہے اسے پُورا کیجئے خدا کی قسم میں آپ کا جانثار ہوں گا اور آپ کی پُوری حفاظت کروں گا۔ ہاں بے شک میرا نفس حضرت عبدالمطلب کے دین کو چھوڑنا قطعاً گوارا نہیں کرتا (جس طرح وہ خدا پرست اور موحد تھے ہم بھی خدا پرست اور موحد ہیں نہ ہم مشرک ہیں اور نہ مشرکوں کے ساتھی ہیں پس آپ جو کچھ فرماتے ہیں دُرست اور بجا ہے)

ابن اثیر نے کہا ہے کہ ابولہب یہ باتیں سُن کچھ سٹ پٹایا لیکن حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا بخدا جب تک ہماری جان میں جان ہے ہم ان کی ضرور حفاظت کریں گے اور سیرتِ حلبیہ میں ہے کہ یہ دعوت حضرت ابوطالب ہی کے گھر میں منعقد ہوئی تھی)

۲۔ نیز طبری نے ابن الاعرابی سے نقل کیا ہے کہ جب جناب رسالتمآبؐ نے کلام کا ارادہ کیا تو ابولہب نے ابتری پھیلا دی اور مجمع کو منتشر کر دیا۔ دوسرے روز بھی جب حضرت رسالتمآبؐ نے بولنا چاہا تو ابولہب نے شرارت کا ارادہ کیا لیکن حضرت ابوطالبؑ نے جھڑک کر فرمایا او یک چشم خاموش۔ تجھے ان سے کیا واسطہ ؟ پھر مجمع سے خطاب کرکے فرمایا کہ خبردار! تم میں سے کوئی نہ اُٹھے۔ چنانچہ مرعوب ہوکر سب بیٹھ گئے تو حضرت ابوطالب عرض کرنے لگے۔ اے میرے سردار! اٹھ کر ارشاد فرمائیے جو طبع چاہے اور اپنے پروردگار کی رسالت پہنچائیے کیوں کہ آپ صادق و مصدق ہیں۔

(۳) اسنی المطالب اور سیرتِ حلبیہ اور دیگر کتب سیر میں برزنجی سے منقول ہے کہ اس باب کی احادیث و روایات حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں کہ حضرت ابوطالبؑ جناب رسالتمآبؐ کے سچے محب محافظ ناصر اور تبلیغ دین میں معاون نیز

ان کی فرمائشات کے تصدیق کنندہ تھے اور اپنی اولاد مثلاً حضرت جعفر طیار اور حضرت علیؑ کو حضورؐ کی اطاعت و نصرت کا حکم دیا کرتے تھے اور برزنجی نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ روایات صاف بتلاتی ہیں کہ ان کا دل ایمان سے پُر تھا۔

(۴) بعض کتب معتبرہ میں ہے کہ جب حضرت ابوطالبؑ جناب رسالتمآبؐ کو دیکھتے تھے تو رو دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جب میں ان کو دیکھتا ہوں تو مجھے اپنا بھائی یاد آجاتا ہے اور حضرت عبداللہ ان کے مادری و پدری بھائی تھے اور وہ ان سے بہت محبت کیا کرتے تھے اسی طرح حضرت عبدالمطلب بھی ان سے بہت محبت کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوطالبؑ کا یہ دستور تھا کہ رات کو جناب رسالتمآبؐ کے بستر پر حضرت علیؑ کو لٹا دیا کرتے تھے تاکہ مبادا دشمن جناب رسالتمآبؐ کی خواب گاہ پر اطلاع پاکر ان کو قتل کردیں۔ ایک رات حضرت علیؑ نے دریافت کیا اے ابا جان! کیا آپ مجھے یہاں قتل ہونے کے لئے سُلاتے ہیں؟ تو حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا۔

اِصْبِرْ یَا بُنَیَّ فَالصَّبْرُ اَحْجٰی
کُلُّ حَیٍّ مَصِیْرُہٗ لِشَعُوْبٖ
قَدْ بَذَلْنَاکَ وَالْبَلَاءُ شَدِیْدٌ
لِفِدَاءِ الْحَبِیْبِ وَابْنِ الْحَبِیْبِ

بیٹا صبر کرو کہ صبر دانشمندی ہے کیونکہ ہر زندہ کا انجام موت ہے گو آزمائش سخت ہے لیکن ہم تجھے اپنے دوست اور دوست کے فرزند کا فدیہ بنا چکے ہیں۔

پس حضرت علیؑ نے اپنے باپ کا نظریہ معلوم کرکے اشعار میں ہی جواب دیا۔

اَتَاْمُرُنِیْ بِالصَّبْرِ فِیْ نَصْرِ اَحْمَدٍ
وَوَاللّٰہِ مَا قُلْتُ الَّذِیْ قُلْتُ جَازِعًا
وَلٰکِنَّنِیْ اَحْبَبْتُ اَنْ تَرَ نُصْرَتِیْ
وَتَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَزَلْ لَکَ طَائِعًا
سَاَسْعٰی لِوَجْہِ اللّٰہِ فِیْ نَصْرِ اَحْمَدٍ
نَبِیِّ الْہُدٰی الْمَحْمُوْدِ طِفْلًا وَیَافِعًا

کیا آپ مجھے حضرت احمدؐ کی نصرت کیلئے صبر کی تلقین فرماتے ہیں۔ حالانکہ خدا کی قسم میں نے جو کچھ عرض کیا تھا وہ جزع و فزع کی بنا پر نہ تھا لیکن میں تو چاہتا ہوں کہ آپ میری نصرت و یاوری کے کارنامے ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ میں ہر دم کس طرح آپ کا اطاعت گذار ہوں۔ ضرور رضائے خدا کیلئے حضرت احمدؐ کی نصرت میں کوشش کروں گا جو پیغمبر ہدایت ہیں اور قابل حمد ہیں۔ بچپنے اور جوانی میں۔

(۵) تفسیر قرطبی میں ہے ایک دن حضرت رسالتمآبؐ کعبہ میں نماز پڑھنے کیلئے گئے جب نماز شروع کی تو ابوجہل نے کہا۔ کوئی ہے جو اس کی نماز کو توڑ دے پس ایک شخص ابن زبعری اٹھا اور ایک جانور کی اوجھڑی اور خون آپ پر گرا دیا جس سے آپ کا چہرۂ انور اور جسم اقدس ملوث ہوگیا۔ پس نماز کو ختم کرکے اپنے چچا بزرگوار حضرت ابوطالب کے پاس فریاد لے کر پہنچے اور فرمایا کہ عبداللہ بن زبعری نے میرا یہ حال کیا ہے تو حضرت ابوطالب تلوار علم کرکے حضورؐ کے ہمراہ روانہ ہوئے جب مشرکین نے ابوطالبؑ کو آتے دیکھا تو اٹھ کر جانے کا ارادہ کیا لیکن حضرت ابوطالبؑ نے جھڑک کر کہا۔ خبردار جو اٹھا اس کا سر قلم کردوں گا۔ چنانچہ سب بیٹھ گئے۔ پھر کہنے لگے بیٹا بتاؤ تمہارے ساتھ کس نے یہ سلوک کیا ہے تو آپ نے عبداللہ بن زبعری

کا پھر نام لیا۔ پھر حضرت ابوطالبؑ نے وہی اوجھڑی اور خون ان کے منہ ڈاڑھی اور کپڑوں پر مل دیئے اور انہیں سخت الفاظ میں ڈانٹا۔

(۶) ایک دفعہ کفارِ مکہ مل کر حضرت ابوطالبؑ کے پاس آئے اور کہا کہ تیرا بھتیجا ہمارے خداؤں کو سخت و سُست الفاظ کہتا ہے آپ اسے روکیں تو جب حضرت ابوطالبؑ نے آپ کی خدمت میں قریش مکہ کا پیغام پہنچایا۔ حضورؐ نے جواب دیا اے عمِ بزرگوار اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو بائیں ہاتھ پر رکھیں تاکہ میں یہ کام چھوڑ دوں۔ خدا کی قسم میں ایسا نہ کروں گا اور یہ بات کہتے ہوئے حضرت کی آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہوگئے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ تو حضرت ابوطالبؑ نے عرض کی۔ اے فرزندِ برادر! آپ کا جو جی چاہے کریں میں بخدا آپ کو کسی قیمت پر اکیلا نہ چھوڑوں گا۔

شاید سُورج و چاند سے مراد دنیا بھر کا سونا و چاندی ہو کیونکہ انہوں نے چندہ جمع کرکے آپ کو زرِ کثیر کا لالچ بھی دیا تھا اور ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو کہ اگر مجھے چودہ طبق کی حکومت بھی مل جائے۔ تب بھی اس تبلیغ کو نہ چھوڑوں گا کیوں کہ انہوں نے سلطنت کا لالچ بھی دیا تھا۔

(۷) جب قریش نے دیکھا کہ حضرت ابوطالبؑ جناب رسالتمآبؐ کی نصرت سے باز نہیں آتے تو انہوں نے قریش میں سے ایک حسین و جمیل لڑکا عمارہ بن ولید ساتھ لیا اور حضرت ابوطالبؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ یہ قریش کا خوبصورت ترین لڑکا لے لو اور اس کے بدلہ میں اپنا بھتیجا ہمارے حوالے کردو کہ وہ ہمارے اور ہمارے باپ دادا کے دین کا دشمن ہے اور قومی اتحاد کا مخالف ہے نیز وہ ہم سب کو بے وقوف کہتا ہے پس ہم اس کو قتل کر دیں گے تو حضرت ابوطالبؑ نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ تم لوگ نہایت بُرا سودا کرنے آئے ہو کیا میں تمہارا لڑکا پالنے کے لئے لے لوں اور تمہیں اپنا لڑکا قتل کے لئے دے دوں؟

(۸) قریش نے ایک جگہ جمع ہو کر آپس میں عہد کیا کہ بنی ہاشم سے پُورا بائیکاٹ کیا جائے جب تک کہ جنابِ رسالتمآبؐ کو ہمارے حوالے نہ کریں۔ چنانچہ عہدنامہ لکھا گیا اور تمام اکابر قریش نے اوپر دستخط کئے اور دیوارِ کعبہ سے اُسے لٹکا دیا یہ ماہِ محرم بعثت کے ساتویں سال کا واقعہ ہے پس ابولہب کے علاوہ تمام بنی ہاشم حضرت ابوطالبؑ کے ہمراہ شعب میں آگئے اور دو یا تین برس وہاں درختوں کے پتے کھا کر گذارے۔ اس دوران میں حضرت ابوطالبؑ کا یہ دستور رہا کہ رات کو جب لوگ سو جاتے تو کسی فرزند یا عزیز کو حضورؐ کے بستر پر سُلا دیتے تھے تاکہ حضورؐ کو شب خون کرکے اگر کفار مکہ قتل کرنے کے لئے آئیں تو میرا بیٹا قتل ہو جائے لیکن حضورؐ کو کوئی گزند نہ پہنچے۔

ادھر خداوند کریم نے بذریعہ جبریلؑ حضورؐ کو خبر دی کہ ان کے عہد نامہ کو دیمک کھا گئی ہے۔ سوائے اسمِ خدا کے کہ وہ باقی ہے۔ حضورؐ نے اپنے چچا بزرگوار کو خبر دی۔ حضرت ابوطالبؑ نے دریافت کیا کہ کیا پروردگار نے یہ خبر بھیجی ہے تو آپ نے فرمایا ہاں! تو حضرت ابوطالبؑ چند ہاشمی افراد کو ساتھ لے کر مسجد میں تشریف لائے

کفارِ قریش یہ دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور انہوں نے خیال کیا کہ شاید تکلیف سے گھبرا کر ہم سے معافی مانگنے آئے ہیں اور حضرت محمد مصطفٰےؐ کو ہمارے حوالے کرنے پر رضا مند ہو گئے ہیں پس حضرت ابوطالبؑ نے عہد نامہ منگوایا اور فرمایا میں ایسی بات کہتا ہوں جو ہمارے اور تمہارے ہر دو فریق کے لئے قابلِ قبول ہو اور وہ یہ کہ مجھے اپنے برادر زادہ نے خبر دی ہے کہ خدا نے تمہارے عہد نامہ پر دیمک کو مسلط کر دیا ہے اور سوائے اللہ کے نام کے باقی تمام تحریر کو وہ کھا گئی ہے۔ پس تم عہدنامہ کو کھولو۔ اگر ان کا کہنا دُرست ہے تو تم مان جاؤ اور اگر غلط ہے تو ہم اس کو تمہارے حوالے کر دیں گے۔ کفارِ قریش نے کہا یہ بات بالکل دُرست ہے۔ پس جب عہد نامہ کھولا گیا تو بات وہی نکلی جو آپ نے فرمائی تھی۔ کہنے لگے یہ تو صاف جادو ہے۔

اشعار ابوطالبؑ

حضرت ابوطالبؑ کے وہ اشعار جن سے ان کی پختگی ایمان کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) ایک قصیدہ میں آپ ارشاد فرماتے ہیں جو آپ نے غالباً نجاشی کی طرف بھیجا تھا۔

لیعلم خیار النّاس ان محمدا ۔ وزیرلموسٰی والمسیح بن مریم

اتانا بھدی مثل ما ایتا بہ ۔ فکل بامر اللہ یھدی ویعصم

شریف لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت محمدؐ موسٰیؑ وعیسٰیؑ کا قائمقام ہے جس طرح وہ احکام ہدایت لائے تھے یہ بھی لایا ہے بس ہر ایک اللہ کے حکم سے ہدایت کرتا ہے۔

(۲) ایک قصیدہ میں ارشاد فرمایا ؛۔

امین حبیب فی العباد مسوّم ۔ بخاتم ربّ قاھر فی الخواتم

نبی اتاہ الوحی من عند ربہ ۔ ومن قال لایقرع بھاسن نادم

امین ہے بندوں میں محبوب ہے اور اللہ غالب کی مہر سے اس کو نشان لگایا گیا ہے۔ نبی ہے اپنے پروردگار کی طرف سے اس کو وحی ہوتی ہے اور جو انکار کرے گا وہ پشیمان ہوگا۔

(۳) ایک اور قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

الم تعلموا انا وجدنا محمدا ۔ رسولا کموسٰی خط فی اوّل الکتب

کیا تم نہیں جانتے کہ ہم نے حضرت محمد مصطفٰےؐ کو رسولؐ پایا جیسے حضرت موسٰیؑ رسول تھے۔

(۴) نیز ایک جگہ فرمایا۔

فاصدع بامرك ماعليك غضاضة

وابشر بذاك وقر منك عيونا

ولقد علمت بان دين محمد

من خير اديان البرية دينا

آپ بلا جھجک اپنی تبلیغ کو جاری رکھیں۔ آپ کو بشارت ہو اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ حضرت محمدؐ کا دین دنیا کے تمام دینوں سے بہتر دین ہے۔

(۵) سفر شام میں ایک بحیرا نامی راہب کی تصدیق کے بعد آپ نے ایک قصیدہ پڑھا جس میں ارشاد فرمایا۔

ان ابن آمنة النبی محمدا	تحقیق آمنہ کا فرزند محمد مصطفےؐ جو نبی ہے وُہ
عندی یفوق منازل الاولاد ،	میرے نزدیک اولاد سے بڑھ کر ہے ۔

(۶) آپ کا یہ شعر بھی ملاحظہ ہو :۔

نَصَرتُ الرَّسُولَ رَسُولَ الْمَلِیك	میں نے اللہ کے رسولؐ کی بجلی کی طرح چمکنے
بِبِیضٍ تَلَألأَ كَلَمعِ البُروق	والی تلواروں سے نصرت کی ۔ میں اللہ کے رسولؐ کی
أذب واحمی رسول الاله	حفاظت و مدد کرتا ہوں ۔ جس طرح کوئی مہربان دوست
حمایة حام علیه شفیق	مدد کیا کرتا ہے ۔

(۷) ایک جگہ فرماتے ہیں ۔

فَأَیَّدَهُ رَبُّ العِبادِ بِنَصرِه	تمام لوگوں کے رب نے اپنی نصرت سے اس
واظهر دینا حقه غیر باطل	کی تائید کی اور دینِ حق کو فروغ دیا ۔

(۸) حضرت حمزہ کے ایمان کی خبر سُن کر ان کو ثابت قدمی کی تلقین فرماتے ہیں ۔

فقد سرنی اذ قلت انك مومن	جب تُو نے کہا میں مومن ہوں تو مجھے خوشی ہوئی ۔
فکن لرسول الله فی الله ناصرًا	پس خوشنودئی خدا کیلئے رسولؐ اللہ کے ناصر رہو ۔

(۹) ایک اور مقام پر حضورؐ کو مخاطب کر کے فرمایا ۔

انت النبی محمد - قرد اغرّ مُسَوَّد	تو نبی محمدؐ ہے اور روشن چہرے والا سیّد و سردار ہے ۔

اس کے علاوہ حضرت ابوطالبؑ کے اور بہت سے اشعار ہیں جو ان کے ایمان کے بانگِ دہل ترجمان ہیں ۔ حضرت ابوطالبؑ کے اشعار سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ موحد خدا پرست تھے اور گذشتہ انبیاء کی نبوت اور ان پر نازل شدہ کتب پر وہ ایمان رکھتے تھے ۔ اور صرف دِل ہی دِل میں ان کا ایمان نہیں تھا بلکہ ان کے اشعار صاف بتلاتے ہیں کہ وُہ اعلانیہ مومن تھے اور دوسروں کو ایمان کی تلقین فرماتے تھے ۔

جب حضرت ابوطالبؑ کا انتقال ہوا تو وحی کا نزول ہُوا کہ قوم آپ کی ایذا کے درپے ہے اور اب آپ کا ناصر کوئی نہیں رہا ۔ یہاں سے ہجرت کر جائیے اور اربابِ سیر و تواریخ اس امر پر متفق ہیں کہ شیخ الابطح حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے بعد حضورؐ کو ہجرت کا حکم دیا گیا ۔

حضرت ابوطالبؑ کی تصریحات

ابراہیم بن علی دینوری حنبلی نے اپنی کتاب غایۃ السؤل میں ذکر کیا ہے کہ ابن عبّاس فرماتے ہیں ۔ جناب رسالتمآبؐ نے اظہارِ نبوت کے لئے پہلے پہل حضرت عباس کو ذکر کیا تو حضرت عباس نے مشورہ دیا کہ قریش حسد کریں گے اور سخت مصائب کا

سامنا ہوگا لہذا حضرت ابوطالبؑ سے کہنا چاہیئے کیونکہ وہ آپ کے چچوں میں سے بزرگ ہیں چنانچہ دونوں چل کر خدمتِ ابوطالبؑ میں حاضر ہوئے اور اپنا مقصد پیش کیا تو حضرت ابوطالبؑ نے جوابدیا کہ آپ بڑی خوشی سے اپنا کام انجام دیں تمام عرب ایک دن آپ کے قدموں میں جُھک جائیں گے ۔میرے والد بزرگوار کتابیں پڑھا کرتے تھے اور انہوں نے فرمایا تھا کہ میری صلب سے ایک نبی مبعوث ہوگا، کاش کہ میں وہ زمانہ پاتا اور اس پر ایمان لاتا ۔پس میری اولاد میں سے جس کو وُہ زمانہ نصیب ہو اس پر ضروری ہے کہ ان پر ایمان لائیں ۔

(۲) ابن حجر نے اصابہ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ سے منقول ہے میں نے اپنے برادر زادہ محمدؐ بن عبداللہ سے سُنا ہے کہ خُدا نے مجھے مبعوث کیا ہے ۔صلہ رحمی اور خدائے واحد کی پرستش کے لئے اور واقعی محمدؐ بہت سچا اور امین ہے

(۳) حضرت فاطمہ بنتِ اسد روایت کرتی ہیں کہ حضرت عبدالمطلب کا جب انتقال ہوا تو ان کی وصیت کے مطابق نبی علیہ السلام کی تربیت حضرت ابوطالبؑ کے ذمہ تھی اور میں بھی ان کی خدمت کیا کرتی تھی اور ہمارے گھر کے باغیچہ میں کھجوروں کے درخت تھے اور ان کے پکنے کا موسم تھا میں ہر روز تازہ کھجور حضورؐ کے لئے ایک پیالہ میں جمع کرکے رکھتی تھی اور میری کنیز بھی ایسا ہی کرتی تھی ۔ایک دن ہم دونوں بھُول گئیں اور نبی علیہ السلام محوِ خواب تھے ۔ بچے باغ میں داخل ہوئے اور انہوں نے پختہ گرے ہوئے کھجوروں کے دانے چُن لئے اور چلے گئے ۔میں شرم وحیا سے بستر پر لیٹ رہی اور اپنے منہ پر آستین ڈال دی ۔حضرت محمدؐ بیدار ہوکر سیدھے باغ میں گئے تو دیکھا زمین پر کوئی کھجور کا دانہ نہیں ۔پس ایک درختِ خرما کو فرمایا ۔اے درختِ خرما میں بھوکا ہوں ۔ میں نے دیکھا کہ کھجور نے اپنے تازہ خوشے حضورؐ کے آگے بڑھا دیئے اور آپ نے جی بھر کر کھایا پھر وہ اپنے مقام پر بلند ہوگئے میں نہایت متعجب ہوئی ۔جب باہر سے حضرت ابوطالبؑ نے دقّ الباب کیا تو میں پابرہنہ دوڑی اور دروازہ کھول کر ماجرا بیان کیا ۔پس ابوطالبؑ نے جواب دیا کہ اس میں شک نہیں کہ یہ نبی ہیں اور تجھے زمانہ یاس کے بعد خدا اس کا وزیر عطا فرمائے گا (راوندی)

(۴) حضرت ابوطالبؑ سے مروی ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے بیان فرمایا ۔میں نے ایک دفعہ ایک خواب دیکھا جس سے بہت گھبرایا ۔پس ایک کاہنہ قریش کے پاس گیا ۔جب کہ پشمینہ اوڑھے تھا اور سر کے بال کاندھوں پر لٹک رہے تھے اور میں سردارِ قوم تھا ۔میرے تغیّر و پریشانی کو بھانپ کر اس نے وجہ پُوچھی تو میں نے خواب بیان کیا وہ یہ کہ میں نے اپنی پُشت پر ایک درخت اُگا ہوا دیکھا جو آسمان تک پہنچا ہے اور اس کی شاخیں مغرب و مشرق تک پھیلی ہوئی ہیں اور ایک نور دیکھا ہے جو سُورج کے نور سے ستر گنا زیادہ ہے اور عرب وعجم اس کے سامنے سجدہ کناں ہیں اور دن بدن اس کی نورانیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے ۔قریش اس درخت کو کاٹنا چاہتے ہیں لیکن ایک خوبرو نوجوان ان کی کمر توڑ دیتا ہے اور آنکھیں نکال لیتا ہے ۔میں نے ایک شاخ کی طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو اس جوان نے مجھے روک دیا کہ تیرا اس میں حصّہ نہیں ہے پس میں گھبرا گیا اور خواب سے بیدار ہوگیا ۔فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ اس کاہنہ کا رنگ فق ہوگیا اور پھر کہنے لگی اگر یہ بات درست ہے

تو تیری صلب سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو مشرق و مغرب کا مالک بنے گا اور عہدۂ نبوت پر فائز ہوگا۔ پس یہ سن کر میرا غم دُور ہُوا۔ جب جناب رسالتمآبؐ نے دعوائے نبوت فرمایا تو حضرت ابوطالبؑ یہ حدیث بھی بیان کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ بخدا وہ حضرت ابوالقاسم امین ہیں (امالی صدوق)

نصائح و وصایائے ابوطالبؑ

(۱) شرح ابن ابی الحدید میں ہے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔ مجھے اپنے باپ نے وصیت فرمائی تھی کہ بیٹا اپنے ابن عم یعنی حضرت محمدؐ کا ساتھ نہ چھوڑنا پس اسی میں ہر آنے والی بلا سے سلامتی ہے پھر فرمایا۔

ان الوثیقة فی لزوم محمد- فاشدد بصحبته علیّ یدیکا تحقیق دانشمندی حضرت محمدؐ کی غلامی میں ہے۔ اے علیؑ اس کی صحبت کو مضبوط ہاتھوں سے تھامے رہنا۔

(۲) ابن اثیر سے منقول ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے جعفر و علیؑ کو نماز پڑھتے دیکھا تو جعفر کو فرمایا۔ بیٹا اپنے چچازاد کے بازو بن کر رہو۔

(۳) مواہب لدنیہ۔ تاریخ خمیس۔ سیرت حلبیہ اور اسنی المطالب وغیرہ میں کلبی سے منقول ہے۔ حضرت ابوطالبؑ نے بوقتِ وفات تمام اکابر قریش کو جمع کرکے ان کو وصیتیں فرمائیں اور یہ کہا میں تمہیں حضرت محمدؐ کی وصیت کرتا ہوں۔ وہ صدیق و امین ہے۔ اس سے بھلائی کرنا۔ وہ جو کچھ لائے ہیں میرا اس پر قلبی ایمان ہے۔ اگرچہ مصلحت وقت کے اعتبار سے زبانی اقرار نہ سہی۔ بے شک گرد و نواح کے عرب اس کی دعوت کو قبول کریں گے اور اس کی تعظیم کریں گے اور ان کی بدولت موت کی سختیوں میں گھس کر تمام عرب پر چھا جائیں گے۔ اے گروہ قریش تم اس کا ساتھ دینا اور خدا کی قسم جو بھی اس کی راہ پر چلے گا وہ ہدایت یافتہ ہوگا۔ اور جو بھی اس کی ہدایت پر عمل کرے گا وہ نیک بخت ہوگا اگر میری زندگی لمبی ہوتی اور موت دُور ہوتی تو میں ہر قسم کے شور و غوغا کو اس سے دُور کرتا۔

(۴) طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے بوقتِ وفات حضرت عبدالمطلب کی تمام اولاد کو جمع کرکے فرمایا تم بھلائی سے رہو گے۔ جب تک حضرت محمدؐ کی بات مانو گے اور ان کی اطاعت کرو گے۔ پس ان کی اتباع کرو اور مدد کرو فلاح پاؤ گے۔ ایک روایت میں ہے کہ محمدؐ کی تصدیق و اطاعت کرو تو ہدایت و فلاح پاؤ گے۔

(۵) جب قریش نے دیکھا کہ اسلام روز افزوں ترقی پر ہے اور حضورؐ کے حلقۂ اطاعت میں لوگ فوج فوج ہوکر داخل ہو رہے ہیں تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہ جادوگر ہے اور جب ابوطالبؑ مر جائیں گے تو ہم اس کو قتل کر دیں گے۔ پس یہ سُن کر حضرت ابوطالب نے بنی ہاشم اور قریش میں سے اپنے حلیفوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ میرا برادر زادہ جو کچھ کہتا ہے اس سے قبل ہمارے آباء علماء ہمیں بتا چکے ہیں اور بلاشک محمدؐ نبی صادق اور امین ہے اور اس کی شان بلند اور اللہ کے نزدیک اس کی منزلت رفیع ہے اس کی دعوت کو قبول کرو اور اس کی نصرت پر کمربستہ

ہوجاؤ۔ اس میں زمانہ بھر تک تمہاری نیک نامی ہوگی

علمائے اعلام کی رائے

اب ان حقائق کے بعد صرف تعصب و عناد کا دلدادہ ہی حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کو چیلنج کرسکتا ہے اسی بنا پر تو علمائے احناف میں سے احمد بن حسین موصلی حنفی نے شرح شہاب الاخبار میں کہا ہے۔ اِنَّ بُغْضَ اَبِیْ طَالِبٍ کُفْرٌ۔ تحقیق ابوطالب سے بغض رکھنا کفر ہے اور مالکی علماء میں علی اجہوری اور تلمسانی نے کہا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ کو ناپسندیدہ الفاظ سے یاد کرنا رسالتمآبؐ کو اذیت دینے کے برابر ہے اور رسالتمآبؐ کو اذیت دینے والا کافر ہے اور واجب القتل ہے اور ابوطاہر کا فتویٰ ہے۔ مَنْ اَبْغَضَ اَبَا طَالِبٍ فَهُوَ كَافِرٌ جو بھی حضرت ابوطالبؑ سے بغض رکھے وہ کافر ہے

ابن اثیر نے جامع الاصول میں ذکر کیا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کے چچوں میں سے صرف تین شخص ایمان لائے حضرت حمزہ۔ حضرت عباس اور حضرت ابوطالبؑ۔ بنابر قول اہلبیت علیہم السلام

بروایت عکرمہ ابن عباس سے منقول ہے کہ مجھے اپنے باپ نے خبر دی۔ اَنَّ اَبَا طَالِبٍ شَهِدَ عِنْدَ الْمَوْتِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ یعنی حضرت ابوطالبؑ نے موت کے وقت کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا تھا۔ (ضیاء العالمین)

اقول :- یہ روایت عوام کی تسلی کے لئے ذکر کی گئی ہے۔ ورنہ حضرت ابوطالبؑ کے اشعار و تقاریر نصائح و وصایا بلکہ ان کی زندگی کا ہر پہلو ایمان کا آئینہ دار تھا جس کی رگ رگ میں جناب رسالتمآبؐ کی سچی محبت رچ چکی ہو اور اپنے تمام عزیزوں۔ دوستوں حتیٰ کہ بچوں کو حضورؐ کی غلامی کی تلقین فرماتے ہوں اور اپنی سرمایۂ زندگی پیاری اولاد کو ان پر قربان کرنا اپنا فریضہ سمجھتے ہوں تو ان کے متعلق کوئی کافر ہی کفر کا شبہ کرسکتا ہے۔

آئمہ طاہرینؑ کے ارشادات

(۱) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ بفرمانِ خُدا کوئی مسلمان عورت کافر کے نکاح میں باقی نہیں رہ سکتی اور حضرت فاطمہ بنتِ اسد جو عورتوں میں سے پہلے اظہار اسلام کرنے والی تھیں۔ ان کا حضرت ابوطالبؑ کے نکاح میں رہنا حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کی دلیل ہے۔ ورنہ جناب رسالتمآبؐ قطعاً برداشت نہ کرتے۔

(۲) امام محمد باقر علیہ السلام سے جب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تمام مخلوق کا ایمان ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور حضرت ابوطالبؑ کا ایمان دوسرے پلڑے میں ہو تو حضرت ابوطالبؑ کا ایمان وزنی ہوگا۔

(۳) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جس طرح اصحاب کہف دل سے مومن تھے اور ظاہر میں کفار سے ملے جلے

رہتے تھے۔ پس خُدا نے ان کو دوگنا اجر عطا فرمایا۔ اسی طرح ہمارے جدّ حضرت ابو طالبؑ کا رویّہ رہا اور ان کو خدا دوگنا اجر عطا فرمائے گا۔

(۴) حضرت امام رضا علیہ السلام نے ابان بن محمود سے فرمایا اگر تم ایمانِ ابو طالب کا اقرار نہ کروگے تو تمہاری بازگشت دوزخ میں ہو گی۔

(۵) حضرت امام حسن علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے سامنے ایک شخص نے حضرت ابو طالبؑ کے ایمان کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا مجھے قسم ہے اس پروردگار کی جس نے حضرت محمدؐ مصطفےٰ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے۔ اگر میرا باپ پوری روئے زمین کے گنہگاروں کی شفاعت کرے تو خدا ان کی شفاعت کو قبول کرے گا۔ کیا وہ باپ بھی جہنم میں جا سکتا ہے جس کا فرزند قسیم الجنۃ والنّار ہو اور پھر قسیمہ فرمانے لگے کہ سوائے محمدؐ و آلِ محمدؐ (جو معصوم ہیں) کے انوار کے حضرت ابو طالب کا نور بروز قیامت تمام خلائق کے انوار پر غالب ہوگا۔

(۶) نیز حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ میرے باپ ابو طالبؑ، میرے دادا عبد المطلب اور ہاشم اور عبد مناف نے کبھی بت پرستی نہیں کی۔ بلکہ وہ دینِ ابراہیمؑ پر بیت اللہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے اور دینِ ابراہیمؑ سے تمسک رکھتے تھے۔

(۷) نیز آپ سے منقول ہے کہ حضرت ابو طالبؑ کی اس وقت موت آئی جبکہ حضورؐ اس سے پوری طرح رضامند تھے

(۸) امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت ابو طالبؑ علیہ السلام مومن و مسلم ہو کر دنیا سے گئے ہیں۔

(۹) امام جعفر صادق علیہ السلام نے یونس سے فرمایا کہ حضرت ابو طالب نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھی ہوں گے۔

(۱۰) امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت ابو طالبؑ کی انگوٹھی کے نگینہ کا نقش یہ تھا۔ رَضِيتُ بِاللهِ رَبًّا وَبِابْنِ اَخِيْ مُحَمَّدٍ نَبِيًّا وَبِابْنِيْ عَلِيٍّ لَهٗ وَصِيًّا۔ یعنی میں اللہ کی ربوبیت اپنے بھتیجے محمدؐ کی نبوّت اور اپنے فرزند علیؑ کی ولایت پر ایمان رکھتا ہوں۔

(۱۱) امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے رسولؐ کو وحی کی تھی کہ میں دو قسم کے مددگاروں سے تیری تائید کروں گا۔ ایک پوشیدہ اور ایک ظاہر۔ پوشیدہ امداد کرنے والوں کا سردار حضرت ابو طالبؑ اور ظاہری نصرت والوں کا سردار حضرت علیؑ بن ابی طالب تھا اور حضرت ابو طالبؑ کی مثال مومن آلِ فرعون کی سی تھی۔

حضرت ابو طالبؑ کا جنازہ

تذکرہ سبط۔ شرح ابن ابی الحدید۔ سیرت حلبیہ اور اسنی المطالب وغیرہ میں ہے حضرت ابو طالبؑ کی وفات کی حضورؐ کو اطلاع پہنچی تو بہت روئے۔ اور حضرت علیؑ کو غسل و کفن و دفن پر مامور فرمایا اور دعائے مغفرت کی اور نمازِ جنازہ اس لئے نہیں پڑھی گئی کہ ابھی تک

نماز جنازہ کا حکم نہیں تھا اور مروی ہے کہ حضرت ابوطالبؑ کا انتقال نصف شوال کو ہُوا تھا اور اس کے ایک مہینہ پانچ دن بعد جناب خدیجہ کا بھی انتقال ہوگیا تو آپ غمزدہ ہوئے اور اس سال کا نام بھی عام الحزن رکھا گیا۔

جناب ابوطالبؑ کے لئے حضرت رسالتمآبؐ نے دعائے مغفرت ورحمت کی تو عباس نے دریافت کیا کہ حضورؐ کیا ابوطالبؑ کے لئے خیر کی اُمید ہے تو آپ نے فرمایا ہاں! اپنے پروردگار سے ابوطالبؑ کے لئے مجھے بالکل نیک جزا کی ہی توقع ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت ابوطالبؑ کے جنازہ کو دیکھ کر لوگوں سے فرمایا کہ میں حضرت ابوطالبؑ کے حق میں ایسی شفاعت کروں گا کہ زمین و آسمان والے حیران ہوں گے۔

شریف نسابہ سے منقول ہے کہ جب حضرت ابوطالب کا انتقال ہُوا۔اس وقت نماز جنازہ کا حکم نازل نہیں ہُوا تھا پس حضرت رسالتمآبؐ۔ علیؑ۔جعفر۔حمزہ علیہم السلام نے تشیع جنازہ کی اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی۔

نتیجہ ان حقائق کی روشنی میں ہر منصف مزاج انسان حضرت ابوطالبؑ کے متعلق اپنا صحیح نظریہ قائم کرسکتا ہے اور علمائے امامیہ کا بلکہ اہل بیتؑ اطہار کا اس امر پہ اتفاق ہے کہ حضرت ابوطالبؑ مومن بلکہ کامل الایمان تھے۔

ہاں بنی عباس نے سیاسی مفاد کی خاطر لوگوں میں حضرت ابوطالبؑ کے ایمان پہ نکتہ چینی کی اور سادات علویہ سے اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے لوگوں کے سامنے وہ یہ نظریہ رکھتے تھے کہ ہم لوگ رسولؐ کے مسلمان چچا حضرت عباس کی اولاد ہیں۔ اور علوی سادات رسولؐ کے کافر چچا ابوطالب کی اولاد ہیں۔اور اس دھوکا سے لوگوں کو اپنے دام تزویر میں پھنسا لیا کرتے تھے۔ اور اسلامی مذاہب کے آئمہ سب کے سب چونکہ اسی پُرفتن دور کی پیداوار تھے۔ لہذا وہ اپنے مفاد کی خاطر سلاطین کے نظریہ کو اپنانا بلکہ فروغ دینا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ پس یہی وجہ ہے کہ مسلمانانِ عالم نے حضرت ابوطالبؑ کی خدمات اور ان کی تصریحات کو پس پشت ڈال دیا اور ان کے کفر کا اعلان گلی گلی کرنا اپنا فرض سمجھ لیا۔ روحِ رسولؐ ناراض ہو تو بے شک ہو۔ ان کے متعصب نظریہ میں ذرا بھر بھی تبدیلی نہ ہوگی اور خصوصاً معاملہ خلافت میں حضرت علیؑ کو پیچھے ہٹانے والوں نے حضرت علیؑ کی تنقیص کا ایک یہ بہانہ بھی ڈھونڈ لیا۔ پس بغض وعناد کی بھڑاس اس طرح نکال لی کہ معاذاللہ حضرت ابوطالبؑ کافر تھے۔

دیکھئے۔ حضرت علیؑ اور امیر شام کی آپس میں خط وکتابت ہوتی تھی اور حضرت علیؑ نے بعض خطوط میں اس کو سخت وسست الفاظ میں خطاب فرمایا۔ لیکن امیر شام کو کبھی یہ جرأت نہیں ہوسکی کہ حضرت علیؑ کو اپنے باپ کے کفر کا طعنہ دے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دورِ اوّل میں حضرت ابوطالبؑ کا ایمان مسلّم تھا اور یہ شکوک صرف بنی عباس کی پیداوار ہیں اور اس کی اشاعت ان آئمہ کی سازش ہے جو اس زمانہ کے سلاطین کے وظیفہ خوار اور کاسہ لیس تھے ورنہ معاویہ ضرور حضرت علیؑ کو ان کے باپ کے کفر کا طعنہ دیتا اور عوام کے سامنے علیؑ پہ اپنی برتری کی اس امر کو دلیل

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ

اور اگر تو دیکھے ان کو جب ٹھہرایا گیا دوزخ پر تو کہیں گے ہائے افسوس ہمیں پلٹایا جاتا اور نہ جھٹلاتے ہم اپنے پروردگار

رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ

کی آیات کو اور ہوتے مومنوں میں سے — بلکہ ظاہر ہوئی ان کی وہ بات جسے چھپاتے تھے

مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾

پہلے — اور اگر ان کو پلٹایا جائے تو پھر وہی کریں گے جس سے ان کو روکا گیا اور تحقیق وہ جھوٹے ہیں

قرار دیا۔

وصایتِ حضرت ابو طالبؑ

شیعہ کے نزدیک ان کا مومن کامل ہونا تو الگ بات ہے آثار و روایات سے تو ان کے متعلق حضرت ابراہیمؑ کا وصی ہونا ثابت ہے چنانچہ علامہ مجلسی جلد ۹ بحارالانوار میں تحریر فرماتے ہیں۔ شیعہ کا اجماع ہے کہ حضرت ابو طالبؑ مسلمان تھے اور انہوں نے ابتدائے دعوت میں اسلام کو قبول کر لیا تھا۔ نیز زندگی بھر کبھی بت پرستی نہیں کی تھی بلکہ حضرت ابراہیمؑ کے اوصیاء میں سے تھے۔ ضیاء العالمین فتونی میں ہے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ حضرت رسالتمآب سے پہلے نبوت کا آخری وصی کون تھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ میرا والد بزرگوار۔

کافی میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا حضرت ابو طالبؑ رسول خدا پر حجت خدا تھے؟ تو امام نے جواب دیا کہ ایسا نہیں۔ بلکہ وہ انبیاء کے وصایا کے حامل تھے اور انہوں نے حضورؐ تک وہ پہنچا دیں اور فرمایا کہ حضرت ابو طالبؑ نے جناب رسالتمآبؐ کی نبوت کا اور اس کی تمام شریعت کا اقرار کیا اور وصیتیں پہنچائیں اور دنیا سے کوچ کر گئے۔

پس ان واقعات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے آخری وصی تھے اور تبرکاتِ انبیاء انہی کے ذریعہ سے رسالتمآبؐ تک پہنچے اور نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ کے باقی آبائے طاہرین بھی یکے بعد دیگرے اوصیائے حضرت ابراہیمؑ تھے۔ واللہ اعلم۔ یہ پوری بحث الغدیر جلد ۷ سے اختصاراً اخذ کی گئی ہے حوالہ جات کتب الغدیر سے ملاحظہ فرمائیں۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ :۔ اس کے معنی میں کئی اقوال ہیں (۱) ان کے (جہال کے) لئے بعض وہ حقائق ظاہر ہو جائیں گے جو ان کے علماء ان سے چھپایا کرتے تھے۔

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓى

اور کہتے ہیں نہیں ہے مگر صرف زندگی دنیاوی اور ہمیں اٹھایا نہ جائے گا اور اگر تو

اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ

دیکھے جب ان کو ٹھہرایا گیا پروردگار کے سامنے فرمائے گا کیا یہ بات حق نہیں ہے؟ تو کہیں گے بے شک پروردگار کی

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

قسم (حق ہے) فرمائے گا پس چکھو عذاب بوجہ اس کے کہ تم لوگ کفر کرتے تھے تحقیق خسارہ پایا جنہوں نے جھٹلایا ملاقات

بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي

خدا (قیامت) کو یہاں تک کہ جب آئی ان پر قیامت اچانک تو کہا ہائے افسوس اس پر جو کوتاہی کی ہم نے

(۲) ان کے وہ کرتوت ظاہر ہو جائیں گے۔ جن کو وہ چھپاتے تھے کہ ان کے اعضاء و جوارح ان کے خلاف گواہ ہوں گے

(۳) جو لوگ گمراہ اماموں کے پیچھے چلے جاتے تھے ان کے لئے حقیقت کھل جائے گی اس کی جو ان سے پوشیدہ تھی

(۴) ان کے لئے اس کفر کا وبال سامنے آجائے گا جو دل میں رکھتے تھے۔

(۵) موضح القرآن میں ہے کہ اس تدبیر سے ان کے منہ سے اقرار کروایا کہ ہم نے کفر کیا تھا حالانکہ پہلے منکر ہوئے تھے کہ ہم شریک نہ کرتے تھے۔

تفسیر برہان میں جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کوفہ کے باہر تشریف فرما تھے تو میں بھی ان کے پیچھے ہو گیا۔ آپ یہود کے قبرستان میں گئے اور وسط قبرستان میں کھڑے ہو کر آواز دی یا یہود۔ یا یہود۔ پس ہر طرف سے لبیک لبیک کی آوازیں اٹھیں تو آپ نے دریافت فرمایا کہ بتاؤ تمہارا عذاب کیسا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ہم جنہوں نے حضرت ہارون کی نافرمانی کی تھی اور تیرے نافرمان سب قیامت تک عذاب میں ہیں۔ پھر آپ نے ایک ہیبت ناک آواز دی ——— کہ میں بے ہوش ہو کر گر گیا۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ حضرت امیرؑ سرخ یاقوت کے تخت پر جلوہ گر ہیں۔ سر پر موتیوں کا تاج ہے۔ سبز و زرد قسم کے حلّے زیب تن ہیں اور چہرہ مثل چودھویں کے چاند کے ہے میں نے عرض کی حضورؑ یہ تو بڑی حکومت ہے؟ فرمایا ہاں میرا ملک سلیمان بن داؤد کے ملک سے بڑا ہے اس کے بعد ہم کوفہ میں داخل ہوئے میں نے دیکھا کہ حضرت چند قدم چلتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ نہیں خدا کی قسم ہرگز نہیں۔ تو میں نے عرض کی حضور کس سے بات کرتے ہیں۔ حالانکہ نظر کوئی نہیں آتا۔ تو فرمایا اے جابر! میں نے وادیٔ برہوت کو دیکھا اور وہاں

مَا فَرَّطْنَا فِيهَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ ۚ أَلَا سَاءَ

اس میں حالانکہ وہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اپنی پشتوں پر آگاہ ہو بُرا ہے وہ بوجھ

مَا يَزِرُونَ ۝٣١ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۖ وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ

جو اٹھائیں گے اور نہیں ہے زندگانی دنیا مگر کھیل تماشا اور البتہ دارِ آخرت

دو شخصوں کو عذاب میں گرفتار پایا۔ اب وہ مجھے دہائی دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں ایک دفعہ معاف کر دیجئے اور دنیا میں آنے کی اجازت دلوائیے تو ہم ہرگز آپ کی مخالفت نہ کریں گے اور آپ کی ولا کا اقرار کریں گے تو ان کو جواب دے رہا ہوں۔

رکوع نمبر ۱

•قَدْ خَسِرَ :۔ ان آیتوں میں صیغے اگرچہ ماضی کے استعمال کئے گئے ہیں۔ لیکن مراد زمانہ مستقبل ہے۔ قیامت کے یقینی وقوع کے پیش نظر صیغہ ماضی استعمال کیاجاتا ہے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ چیز اسقدر یقینی ہے۔ گویا کہ وہ واقع ہو چکی ہے۔

قَالُوا يَا حَسْرَتَنَا :۔ تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے آپ نے فرمایا جب اہل نار جنتیوں کے منازل کو دیکھیں گے تو یہ کلمہ کہیں گے۔

وَهُمْ يَحْمِلُونَ :۔ اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ تفسیر مجمع البیان میں قتادہ سدی سے منقول ہے کہ مومن جب قبر سے نکلے گا تو ایک حسین وجمیل پاکیزہ خوصورت اس کے سامنے آئے گی۔ اور کہے گی کہ میں تیرا عملِ صالح ہوں۔ دنیا میں تجھ پر سوار رہا۔ اب تو مجھ پر سوار ہوجا اور اسی کے متعلق ارشاد خدا ہے۔ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا۔ وہ دن کہ ہم محشور کریں گے متقین کو کہ وہ سوار ہوکر بارگاہِ پروردگار میں پہنچیں گے۔ لیکن جب گنہگار قبر سے نکلے گا تو ایک قبیح خبیث اور بدبوصورت اس کے سامنے آئے گی اور کہے گی کہ میں تیرا بُرا عمل ہوں۔ دنیا میں تو مجھ پر سوار رہا۔ اب میں تجھ پر سوار رہوں گا۔

لَعِبٌ وَلَهْوٌ :۔ مقصد یہ ہے کہ دنیا ایک فانی چیز ہے اور آخر گذر جانے والی ہے جس طرح کہ کھیل تماشہ تھوڑے وقت کے بعد ختم ہوجاتا ہے گویا دنیا کی ناپائیداری کو لعب ولہو سے تشبیہ دی گئی ہے۔

خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ

بہتر ہے ان کے لئے جو ڈرتے ہیں کیا پس تم نہیں سمجھتے؟ ہم جانتے ہیں کہ آپ کو غمزدہ کرتی ہیں

الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ

ان کی باتیں تحقیق وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ وہ ظالم تو آیات

اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى

خدا کا انکار کرتے ہیں اور تحقیق جھٹلائے گئے رسولؐ آپ سے پہلے تو انہوں نے صبر کیا اوپر

مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ

جھٹلائے جانے کے اور ان کو اذیت دی گئی یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد پہنچی اور کوئی بدلنے والا نہیں اللہ کے فیصلے کو

جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ

اور تحقیق آئی ہے تیرے پاس خبر رسولوں کی اور اگر شاق ہے تجھے ان کی روگردانی کرنا تو اگر

لَا يُكَذِّبُوْنَكَ :۔ اس کے معنی میں کئی اقوال ہیں۔ لیکن اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ وہ دل سے آپ کو نہیں جھٹلاتے۔ بلکہ از روئے عناد آیاتِ الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ مروی ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل سے حضرت رسالتمآبؐ کی ملاقات ہوئی اور ابوجہل نے حضرت سے مصافحہ کیا۔ جب لوگوں نے ابوجہل پر اعتراض کیا تو کہنے لگا کہ خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ یہ سچا ہے لیکن ہم عبد مناف کی اولاد کے تابع کیوں بنیں؟ اور نیز یہ بھی مروی ہے کہ ابوجہل نے حضورؐ کو کہا تھا کہ ہم تیری تکذیب نہیں کرتے بلکہ ہم تو اس کی تکذیب کرتے ہیں جو تو لایا ہے۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ :۔ یہ حضورؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر بالفرض وہ آپ کو بھی جھٹلائیں تو یہ نئی بات نہیں۔ بلکہ آپ سے پہلے رسولوں کو بھی لوگ جھٹلاتے رہے اور وہ صبر کرتے رہے۔ آخر ہماری مدد ان کو پہنچی اور اللہ کا نصرت کا وعدہ ہے اور اسے کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ پس ضرور نصرتِ خدا آئے گی اور حق کا بول بالا ہو گا۔

وَاِنْ كَانَ :۔ تفسیر برہان میں ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف کا اسلام لانا محبوب رکھتے تھے لیکن وہ آخر تک اسلام نہ لایا۔ تو حضورؐ کو بہت رنج پہنچا۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر ان لوگوں کی روگردانی آپ کو اس قدر شاق گزرتی ہے تو پھر اگر آپ کے بس میں ہے تو زمین میں سرنگ لگا کر یا آسمان پر سیڑھی نصب کر کے

فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ

کر سکو کہ ڈھونڈو سرنگ زمین میں یا لگاؤ کوئی سیڑھی آسمان پر پس لاؤ ان کے لئے کوئی

بِآيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ ۚ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٣٥﴾

نشانی اور اگر اللہ چاہے تو ان کو جمع کر دے ہدایت پر پس تم نہ ہو جاہلوں میں سے

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ

صرف مانتے وہی ہیں جو سنتے ہیں اور جو مردے ہیں ان کو اٹھائے گا خدا پھر اس کی طرف پلٹائے

يُرْجَعُونَ ﴿٣٦﴾ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ

جائیں گے اور انہوں نے کہا کہ کیوں نہ نازل ہوئی اس پر نشانی اپنے رب سے تو کہہ دو کہ تحقیق اللہ

کوئی نشان ان کے منوانے کے لئے لے آؤ۔ یعنی آپ براہ راست کچھ نہیں کر سکتے اگر میں چاہوں تو ان کو منوا سکتا ہوں۔ اور تمام کو ہدایت پر جمع کر سکتا ہوں۔ لیکن دین میں زبردستی نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ آیاتِ قرآنیہ اور دیگر معجزات کو نہیں مانتے اور پھر اور نشانیاں طلب کرتے ہیں تو یہ صرف ان کا عناد ہے۔ وہ ایمان نہ لانے کے بہانے بناتے ہیں۔ لہٰذا آپ کو رنجیدہ نہ ہونا چاہیے۔

فَلَا تَكُونَنَّ :۔ تفسیر برہان میں علی بن ابراہیم سے منقول ہے کہ یہ خطاب ظاہراً اگرچہ جناب رسالتمآبؐ کی طرف ہے لیکن مراد تمام لوگ ہیں۔

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ :۔ یعنی جو لوگ آیاتِ قرآنیہ اور آپ کے استدلالات کو سنتے ہیں۔ وہ تو مان جاتے ہیں لیکن جو سننا گوارا نہیں کرتے وہ کیسے مانیں گے؟ اور آیاتِ خداوندی کو نہ سننے والے اور دلیل و برہان کو نہ ماننے والے یعنی غور و فکر سے کام نہ لینے والے بمثل میت کے ہیں اور مردوں سے ایمان کی توقع بے سود ہے۔ پس ایسے مردہ انسانوں کو قیامت کے دن ہی اپنے عناد کا مزہ چکھایا جائے گا۔

وَقَالُوا :۔ جب کفار قریش حضرت رسالتمآبؐ کی دلیلوں اور آیاتِ قرآنیہ کی محکم براہین کے جواب سے عاجز ہوئے تو کہنے لگے اگر نبی ہے تو گذشتہ انبیاء کی طرح نشانیاں کیوں نہیں لاتا۔ مثلاً عصا کو سانپ بنانا یا پتھر سے ناقہ کا پیدا کرنا تو خداوند کریم ان کے اس قول کی تردید فرماتا ہے کہ یہ سب بہانے ہیں۔ بے شک اللہ قادر ہے کہ ان کی مطلوبہ نشانیاں ظاہر کر دے لیکن ان کے انکار کے بعد عذاب حتمی ہوا کرتا ہے اور ان لوگوں کو اس کی سمجھ نہیں۔

قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ

قادر ہے کہ نازل کرے کوئی نشانی ولیکن ان کے بہت سے نہیں جانتے اور کوئی زمین

دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا

پر چلنے والا ایسا نہیں اور نہ کوئی اپنے پروں پر اڑنے والا پرندہ ہے مگر یہ کہ وہ تم جیسے گروہ ہیں

فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ

نہیں چھوڑی ہم نے کتاب میں کوئی چیز پھر وہ طرف اپنے پروردگار کے جمع کئے جائیں گے اور جن لوگوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ

جھٹلایا ہماری آیات کو بہرے اور گونگے ہیں تاریکیوں میں جس کو چاہے اللہ اس کو گمراہی میں چھوڑ دے

يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ

اور جسے چاہے تو کرے اس کو اوپر راہ سیدھی کے کہہ دو کیا سمجھتے ہو؟ کہ اگر آئے تم پر عذاب

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ :۔ یعنی ہر جانور و پرندہ تمہاری طرح مخلوق خدا ہیں اور ان کی انواع و اجناس کا اختلاف ہے اور ان کے خلق ورزق کا انتظام و اہتمام اور دیگر عجیب و غریب احوال و اطوار سب خالق کائنات کی دلیلیں ہیں۔

اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ :۔ یعنی تمام چرند و پرند کو بھی محشور کیا جائے گا اور ان میں بعض کا بعض سے بدلہ لیا جائے گا اور حیوانات پر انسانی مظالم کی بازپرس بھی ہوگی۔ اور حساب وکتاب کے بعد ان کو مار دیا جائے گا اور جنّت و دوزخ کا انجام صرف انسانوں کے لئے ہی ہے۔

صُمٌّ وَّبُكْمٌ :۔ یعنی جو لوگ حق سے کنارہ کرتے ہیں اور آیاتِ الٰہیہ کو نہیں سُنتے تو وہ ایسے ہیں جس طرح کہ بہرے ہوتے ہیں اور جو حق کو بیان نہ کریں وہ بمنزلہ گونگوں کے ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ :۔ کفارِ مکہ کو توحید کی طرف دعوت دی گئی ہے جو ہر مقام پر لات و منات و عزّیٰ کو سامنے لاتے تھے کہ ان سے ذرا دریافت تو کیجئے کہ جب تم کو کسی تکلیف کا دریاؤں، جنگلوں، پہاڑوں اور وادیوں میں سامنا ہو جائے تو کیا اس وقت بھی اللہ کے علاوہ کسی اور کو مشکل کشائی کے لئے پکارا کرتے ہو اور اگر تم ان بتوں کو سچ مچ خدا مانتے ہو اور انہیں مشکل کشاء سمجھتے ہو تو ایسے اڑے وقتوں میں بھی تو ان ہی کو بلا لیا کرو کہ وہ تمہاری

اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾

اللہ کا یا آئے تم پر قیامت کیا سوائے اللہ کے کسی کو پکاروگے اگر تم سچے ہو؟

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ

بلکہ صرف اسی کو پکارتے ہو پس وہی مشکل کشائی کرتا ہے جس کے لئے اس کو بلاتے ہو اگر وہ چاہے اور

مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ

بھول جاتے ہو ان کو جن کو شریک بناتے ہو اور ہم نے رسول بھیجے طرف امتوں کے آپ سے پہلے پس ان کو پکڑا ہم نے سختی

بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ

اور تکلیف میں تاکہ وہ گڑ گڑائیں پس کیوں نہیں جب پہنچے

مشکلات کو حل کریں۔

ہاں! ہاں مصائب و مشکلات کے وقت تو یقیناً اللہ ہی کو پکارتے ہیں اور اللہ ہی ان کی مصیبتوں کو دُور کرتا ہے اگر چاہے اور اس وقت یہ لوگ اپنے شرکاء کو فراموش کر دیا کرتے ہیں۔

بے شک ہر مشکل و مصیبت میں وہ اللہ ہی ہے جو فریاد سُنتا ہے اور مصائب کو دُور کرتا ہے کیوں کہ ہر نفع ونقصان کا مالک صرف وہی ہے۔ مذہب شیعہ میں محمدؐ وآل محمدؐ کے وسیلہ و واسطہ سے بارگاہِ رب العزت میں دُعا مانگی جاتی ہے جو مستجاب ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ شرک نہیں ہے البتہ یہ اعتقاد رکھنا کہ سب کچھ محمدؐ وآل محمدؐ ہی کرتے ہیں اور خدا سے مانگنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ نفع و نقصان کے مالک صرف یہی ہیں اور خدا سب کچھ ان کے حوالے کرکے خود الگ ہو گیا ہے اس لحاظ سے ان کو پکارنا اور ان سے کچھ مانگنا یقیناً شرک و کفر ہے اور محمدؐ وآل محمدؐ ایسے لوگوں سے بیزار ہیں اور ایسے لوگوں کو شیعہ کہنا یا سمجھنا غلطی ہے۔ مذہبِ شیعہ میں محمدؐ وآل محمدؐ خدا کی برگزیدہ مخلوق ہیں اور ہر وقت اس کی طرف محتاج ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ نہ ان کا محتاج ہے نہ کسی دوسرے کا۔ ہاں خدا کی ساری خدائی میں یہ افضل ہیں۔ اور اس کی طرف قرب حاصل کرنے کیلئے یہ وسیلہ ہیں۔ اس سے بڑھ کر ان کو خدائی صفات میں شریک ماننا کفر و شرک ہے۔ خداوند کریم تمام اہلِ ایمان کو ایسی لغزشوں سے محفوظ رکھے۔ شیعہ حضرات کو انہی آیات میں کفارِ قریش کے ساتھ خطاباتِ خداوندی کو سوچنا چاہیئے اور اس سے درس لینا چاہیئے۔

رکوع ۱۱ ب۔ لَعَلَّهُمْ۔ یعنی گذشتہ امتوں پر خوشحالی کے بعد بدحالی بھیجی گئی۔ تاکہ خدا کی طرف جھکیں۔ لیکن وہ اس

بَأْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا

ان کو سختی گڑگڑاتے لیکن سخت ہیں ان کے دل اور زیب دیا ان کے لئے شیطان نے اس کو جو

يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ

وہ کرتے ہیں پس جب بھلا دیا انہوں نے جو نصیحت کئے گئے تھے تو کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے

شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ

ہر شے کے یہاں تک کہ جب خوش ہوئے اس پر جو ان کو دیا گیا تو پکڑا ہم نے ان کو اچانک تو وہ

قدر سخت دل ہو گئے تھے کہ پھر بھی نہ جھکے۔

لَعَلَّ ترجی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور مقام شک اس کا محل استعمال ہوا کرتا ہے لیکن چونکہ اللہ کے علم میں شک نہیں ہے لہٰذا کلام خدا میں لعل کے استعمال کا مقصد یہ ہے کہ ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے جن سے دانشمند طبقہ ان کی توبہ کی توقع اور امید رکھے اور وہ کہنے لگ جائیں کہ شاید یہ لوگ اب نصیحت قبول کر لیں گے۔

فَلَمَّا نَسُوْا:- اس کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ جب وہ لوگ آزمائشی دور سے متاثر نہ ہوئے۔ اور نصیحتوں کو ٹھکرا دیا تو خدا نے ان پر اپنی نعمات کے دروازے کھول دیئے تاکہ خوشحالی کو دیکھ کر شائد وہ اپنے گناہوں سے باز آجائیں لیکن جب یہ طریقہ بھی کارگر نہ ہوا تو پھر ان پر اچانک عذاب بھیج دیا گیا اور ان کی جڑ کاٹ دی گئی۔ نیز اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جب خوشحالی اور بدحالی کے ہر دور میں انہوں نے اپنی سرکشی اور کفر کو نہ چھوڑا۔ تو خدا نے ان کو زیادہ ڈھیل دے دی اور ان پہ دنیاوی نعمتیں اور زیادہ کر دیں۔ تاکہ پوری طرح مستحق عذاب ہو جائیں۔ چنانچہ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ کو خطاب خداوندی ہوا۔ اے موسیٰ جب فقر کو آتا دیکھو تو کہو مرحبا اے نیک لوگوں کا شعار اور جب دولتمندی کو آتا دیکھو تو سمجھو کہ یہ کسی لغزش کی سزا ہے یعنی بعض اوقات کسی سخت لغزش کی سزا میں خدا نعمات دنیاویہ کا رُخ اس کی طرف کر دیتا ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالتمآب سے مروی ہے جب دیکھو کہ گناہوں کے باوجود بھی خدا اپنی نعمتیں بھیج رہا ہے تو سمجھو کہ یہ استدراج ہے۔ یعنی اس کی طرف سے مہلت اور ڈھیل دی جا رہی ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اے ابن آدمؑ جب خدا کی پے در پے نعمتوں کو اپنی طرف متوجہ دیکھو تو ڈرو۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ص۲۱۹:- یہ مومنوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ دشمنان خدا کی عذاب میں گرفتاری اور دین خدا کی ترقی

مُبۡلِسُوۡنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ؕ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ

ناامید رہ گئے پس کٹ گئی نسل ظالم قوم کی اور حمد ہے اللہ کی

الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۴۵﴾ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ اَخَذَ اللّٰهُ سَمۡعَكُمۡ وَاَبۡصَارَكُمۡ وَخَتَمَ

جو عالمین کا رب ہے کہہ دیجئے کیا دیکھتے ہو اگر پکڑے اللہ تمہارے کانوں اور آنکھوں کو اور مہر کرے

عَلٰى قُلُوۡبِكُمۡ مَّنۡ اِلٰهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ يَاۡتِيۡكُمۡ بِهٖ ؕ اُنۡظُرۡ كَيۡفَ نُصَرِّفُ

تمہارے دلوں پر تو کون سا وہ معبود ہے اللہ کے علاوہ جو تمہیں وہ لا کر دے گا دیکھئے کیسے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں

الۡاٰيٰتِ ثُمَّ هُمۡ يَصۡدِفُوۡنَ ﴿۴۶﴾ قُلۡ اَرَءَيۡتَكُمۡ اِنۡ اَتٰٮكُمۡ عَذَابُ اللّٰهِ

ہم آیات کو پھر وہ کنارا کرتے ہیں کہہ دو کیا سمجھتے ہو اگر آئے تم پر عذاب خدا

پر حمدِ خدا بجا لائیں کیونکہ یہ بھی اس کی ایک نعمت ہے۔ تفسیر برہان اور مجمع البیان میں ہے۔ فضیل بن عیاض نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پرہیزگاری کا معنی دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ پرہیزگاری اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچنے کا نام ہے اور جو شخص شبہ کے مقام سے گریز نہ کرے گا تو وہ فعلِ حرام کا نادانستہ طور پر ارتکاب کر بیٹھے گا۔ اور انسان جب برائی کو دیکھے اور باوجود طاقت کے انکار نہ کرے یعنی نہی عن المنکر کا فریضہ نہ بجا لائے تو گویا وہ اللہ کی نافرمانی کو دوست رکھتا ہے اور اللہ سے اعلانیہ دشمنی کرتا ہے اور جو شخص ظالم لوگوں کی زندگی کو پسند کرے تو گویا وہ گناہوں کو پسند کرتا ہے۔ حالانکہ خداوندکریم نے ظالموں کو مبتلائے عذاب کرنے کے بعد خود اپنی حمد کی ہے۔

تاویل آیت مجیدہ کی تاویل کے متعلق تفسیر صافی و برہان میں بروایت قمی امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖ جب بھلا دی انہوں نے وہ جس کی نصیحت ان کو کی گئی تھی یعنی انہوں نے ولایتِ علیؑ بن ابی طالب کو ترک کر دیا تو خدا نے ان پر دنیاوی جاہ و جلال اور دولت و مال کے دروازے کھول دیئے۔ وہ عیاشی میں مشغول ہو گئے تو اچانک ان کو پکڑ لیا گیا اور اس سے مراد حضرت قائم آلِ محمدؐ کی سلطنت ظاہری ہے جو اچانک قائم ہو گی اور دشمنانِ دین کو سزائیں ملیں گی اور ان کی نسلیں ختم کر دی جائیں گی۔ چونکہ حضرت قائم آلِ محمدؐ کی تشریف آوری حتمی اور ضروری ہے اس لئے ان کی آمد اور دشمنانِ دین کی گرفتاری کو صیغۂ ماضی سے ادا کیا گیا ہے۔ جس طرح قیامت کے وقوع کو متعدد آیات میں ماضی کے لہجہ میں بیان کیا گیا ہے۔

هَلۡ يُهۡلَكُ :۔ جب صحابہ ہجرت کر کے مدینہ میں پہنچے تو انہوں نے اپنی تکلیفیں بیان کیں جو اس راہ میں ان کو

بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ
اچانک یا ظاہر کیا کوئی ہلاک ہوگا سوائے ان کے جو ظالم ہیں اور ہم نہیں بھیجتے
الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ فَلَا
رسولوں کو مگر خوشخبری سناتے یا ڈراتے ہوئے پس جو ایمان لائے اور نیک بنے تو نہ
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ
خوف ہوگا ان کو اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو تو پکڑے گا
الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ
ان کو عذاب بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے فرما دیجئے میں نہیں کہتا تمہیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں

پہنچی تھیں تو یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی اور ان کو تسلی دی گئی کہ یہ دنیاوی درد و الم تو تمہیں وقتاً فوقتاً پہنچ ہی جاتا ہے البتہ دائمی عذاب اور اخروی ہلاکت صرف انہی لوگوں کے لئے ہے جو ظالم ہیں اور تفسیر صافی میں قمی سے مروی ہے کہ بنی امیہ اچانک عذاب میں گرفتار ہوئے اور بنی عباس ظاہری عذاب میں مبتلا ہوئے یعنی بنی امیہ سے اچانک سلطنت لی گئی اور ان کو سزائیں ملیں اور بنی عباس کے لئے ایسا نہیں تھا۔

عام دنیاوی عقوبات میں بعض اہل ایمان کا اور ان کے بچوں کا مبتلا ہوجانا آزمائش ہوتی ہے۔ جس کا خدا انہیں چند در چند زیادہ بدلہ عطا فرماتا ہے جو نقصان سے بدرجہا زیادہ ہوا کرتا ہے۔

علم غیب

عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ:۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے اللہ کی رحمت کے خزانے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہے اس کی قدرتوں کے خزانے اور بعض کہتے ہیں رزق کے خزانے یعنی ان لوگوں کو فرما دیجئے کہ میں خدائی خزانوں کا مالک نہیں ہوں تاکہ تمہیں مال تقسیم کروں اور تم ایمان لاؤ (مجمع البیان)

تفسیر صافی میں بعض کتب معتبرہ سے بروایت امام جعفر صادق علیہ السلام منقول ہے کہ کوہ طور پہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے پروردگار مجھے اپنے خزانے دکھا تو ارشاد قدرت ہوا۔ اے موسیٰؑ میرا خزانہ یہ ہے کہ میں جس شے کے متعلق ارادہ کرتا ہوں تو اسے حکم دیتا ہوں کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا
اور نہ جانتا ہوں غیب کو اور نہ کہتا ہوں تمہیں کہ میں فرشتہ ہوں (بلکہ) میں نہیں اتباع کرتا مگر
مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾
اس کی جو مجھے وحی ہوتی ہے فرما دیجئے کیا برابر ہیں نابینا اور بینا کیا تم سوچتے نہیں ہو
وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ
اور ڈرایئے اس قرآن کے ساتھ ان کو جنہیں ڈر ہے کہ جمع ہوں گے اپنے رب کے پاس کہ نہیں ان کا

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ :۔ یعنی علمِ غیب جو اللہ کے ساتھ مختص ہے ۔میں اسے نہیں جانتا بلکہ میں تو صرف اسی قدر جانتا ہوں جو اللہ کی طرف سے مجھے عطا ہوا ہے ۔

کافر لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے اس کے لئے ضروری ہے کہ تمام غیب کی باتیں یعنی بعد میں ہونے والے واقعات جو مشاہدہ سے دُور ہوں بتا سکے اور اسی چیز کو وہ نبی کی صداقت کی دلیل سمجھتے تھے تو خداوند کریم نے اس عقیدہ کی تردید فرمائی ہے کہ علم غیب سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا ۔ہاں وہ جس کو جتنا عطا فرما دے وہ جان سکتا ہے ۔

اِنْ اَتَّبِعُ :۔ اس میں صاف صاف اعلان ہے کہ میں تو وہی کرتا ہوں جو مجھے وحی ہوتی ہے ۔یعنی میرا علم و عمل خدا کی تعلیم کے تابع ہے ۔

وَلَآ اَقُوْلُ :۔ غالباً ان کا یہ خیال ہو کہ وہ نبی ہوتا ہے جو درحقیقت ملک ہو اور صرف ظاہری شکل میں انسان ہو تو ان کی تردید ہے کہ کہہ دیجئے میں تمہاری قوم و قبیلہ کا ایک فرد ہوں اور سچ مچ انسان ہوں ملک (فرشتہ) نہیں ہوں ۔اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فرشتہ نبیوں سے افضل ہوتا ہے ۔بلکہ یہ آیت تو کفار کے عقیدۂ فاسدہ کی تردید کر رہی ہے ۔

هَلْ يَسْتَوِي :۔ اعمیٰ کا معنی نابینا اور اس سے مراد جاہل ہے اور بصیر کا معنی بینا اور اس سے مراد عالم ہے یعنی میں عالم ہوں اور تم جاہل ہو اور میرا علم خدا کا عطا کردہ ہے ۔لہٰذا تمہیں میرے پیچھے چلنا چاہیئے ۔

رکوع نمبر ۱۲

وَاَنْذِرْ بِهِ :۔ یعنی جو لوگ حشر و نشر کے قائل ہیں ۔قرآن مجید کے ذریعے ان کو وعظ کرو تاکہ گناہوں سے

مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ

اس کے سوا کوئی ولی اور نہ شفیع تاکہ وہ بچتے رہیں نہ ہٹا ان کو جو

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ

پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام چاہتے ہیں اس کا قرب نہیں تم پر ان کے

مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ

حساب سے کچھ اور نہیں تیرے حساب سے ان پر کچھ پس ان کو

فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا

ہٹائے گا (اپنی بارگاہ سے) تو ہو جائیگا ظلم کرنے والوں میں سے اور اسی طرح ہم نے آزمایا بعض کو بعض کے ذریعے تاکہ کہیں کہ

بچتے رہیں قرآن اگرچہ تمام لوگوں کے لئے باعث ہدایت ہے لیکن ان لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ جو قیامت کا خوف رکھتے ہیں کیونکہ ان پر قرآنی نصائح زیادہ مؤثر ہوتی ہیں۔ لَيْسَ اپنے اسم و خبر کے ساتھ حال واقع ہوا ہے۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ:۔ تفسیر برہان وصافی میں ہے کہ مدینہ میں ایک فقراء و مساکین کا گروہ تھا جو مومن تھے۔ جنہیں اصحابِ صفہ کہا جاتا ہے۔ وہ جناب رسالتمآبؐ کے حکم سے ایک صفہ میں رہتے تھے اور حضورؐ خود بنفسِ نفیس ان کی خبرگیری کرتے تھے اور بسا اوقات ان کا کھانا خود اٹھا کر ان کے پاس لے جاتے اور وہ جب حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ان کو اپنے قریب بٹھلاتے اور ان سے پیار و محبت کی باتیں کرتے تھے لیکن دولت مند و مالدار طبقہ کو یہ بات پسند نہ تھی اور آپ سے اس امر کے خواہشمند تھے کہ ان کو اپنی بارگاہ سے ہٹا دیا جائے۔ ایک دفعہ آپ کے پاس اصحابِ صفہ میں سے ایک مسکین مومن بیٹھا ہوا تھا کہ ایک مالدار انصاری آگیا تو وہ دُور بیٹھ گیا۔ آپ کے بلانے پر بھی وُہ قریب نہ آیا اور اس نے خواہش کی کہ اس مسکین کو دُور کر دیا جائے۔ تب یہ آیت مجیدہ اُتری۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا:۔ تفسیر مجمع البیان میں تفسیر ثعلبی سے منقول ہے کہ قریش کا ایک گروہ جناب رسالتمآب کے پاس سے گذرا۔ اس وقت حضورؐ کے پاس صہیب۔ بلال۔ خباب اور عمار وغیرہ بیٹھے تھے تو قریشی کہنے لگے اے محمدؐ! کیا ان لوگوں کے ساتھ آپ خوش ہیں؟ اور کیا ہم ایمان لا کر ان جیسے لوگوں کے تابع ہو جائیں؟ اور

أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا ۗ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ﴿٥٣﴾

کیا یہی لوگ ہیں کہ احسان کیا اللہ نے ان پر ہم میں سے کیا اللہ نہیں جانتا شکرگزاروں کو

وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ

اور جب آئیں تیرے پاس جو ایمان رکھتے ہیں ہماری آیات پر تو ان کو سلامٌ علیکم کہو

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۖ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنكُمْ

فرض کی تیرے رب نے اپنی ذات پر رحمت تحقیق جو کام کرے تم میں سے

سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِن بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ

بُرے جہالت کی وجہ سے پھر توبہ کرے اس کے بعد اور نیک بن جائے تو وہ بہت بخشنے

رَّحِيمٌ ﴿٥٤﴾ وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلُ

والا مہربان ہے اور اسی طرح ہم کھول کھول کر آیتیں بیان کرتے ہیں اور تاکہ واضح ہو جائے

الْمُجْرِمِينَ ﴿٥٥﴾ ع ۱۲ قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن

راستہ مجرمین کا کہہ دیجئے میں منع کیا گیا ہوں کہ عبادت کروں ان کی جن کو تم پکارتے ہو

کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے؟ اگر آپ ان لوگوں کو اپنی بارگاہ سے نکال دیں تو ہم آپ کی اطاعت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور بعض روایات میں ہے انہوں نے کہا اگر ان کو آپ نکال دیں تو ہم آپ کے پاس بیٹھیں گے اور آپ کی باتیں سُنیں گے۔ کیونکہ عرب کے قافلے آپ کے پاس آتے رہتے ہیں۔ ہمیں ان غلاموں کے ساتھ بیٹھا دیکھیں گے تو ہمیں شرمساری ہوگی۔ پس یہ آیت اُتری۔

وَإِذَا جَاءَكَ :۔ اس میں چند اقوال ہیں۔ ۱۔ انہی لوگوں کے حق میں ہے جن کو بارگاہِ نبوی سے نکالنے کی ممانعت ہوئی تھی۔ پس جب وہ لوگ حضورؐ کے پاس آتے تھے تو حضورؐ پہلے سلام علیکم کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے میری اُمت میں ایسے لوگ پیدا کئے جن کے متعلق مجھے حکم ہے کہ ان کو پہلے سلام دوں (۲) کہتے ہیں ایک جماعت صحابہ نے اپنے گناہوں کی شکایت کی تو یہ آیت اُتری کہ خُدا نے اپنی

دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّ

سوائے اللہ کے کہہ دیجئے میں نہیں پیچھے چلتا تمہاری خواہشات کے ورنہ بھٹک جاؤں گا اور

مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ

نہ ہوں گا ہدایت پانے والوں میں سے کہہ دیجئے میں ایک یقینی چیز پر ثابت ہوں اپنے رب کی

وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ

طرف سے اور تم اسے جھٹلاتے ہو۔ نہیں میرے پاس وہ جس کی تم جلدی چاہتے ہو نہیں ہے حکم مگر اللہ کے پاس

یَقُصُّ الْحَقَّ وَ هُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ

بیان حق کا کرتا ہے اور وہ خوب فیصلہ کرنے والا ہے کہہ دیجئے اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کو تم جلدی

بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾

چاہتے ہو تو بات ختم ہو جاتی میرے اور تمہارے درمیان اور اللہ بہتر جانتا ہے ظالم لوگوں کو

ذات پر رحمت فرض کی ہے جو بھی جہالت کی وجہ سے گناہ کر بیٹھے اور پھر توبہ کرے تو خدا غفور رحیم ہے۔

(۳) امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ مطلقاً تائبین کے حق میں یہ آیت اُتری ہے (مجمع البیان)

رکوع نمبر ۱۳

عَلٰی بَیِّنَةٍ :۔ بَیِّنَہ سے مراد باختلاف اقوال دلیل یا برہان یا نبوّت یا معجزہ یا یقین یا قرآن ہے۔

مَا عِنْدِیْ :۔ کفار لوگ حضورؐ کو کہتے تھے کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے اوپر عذاب خداوندی لے آؤ تو ان کے جواب میں ارشاد ہے کہ ان سے کہہ دیجئے میں تمہاری خواہشات کے تابع نہیں ہوں اور میں اپنے یقینی مسلک پر ثابت قدم ہوں اگر تم جھٹلاؤ اور عذاب طلب کرو تو یہ چیز مصلحت خداوندی کے تابع ہے۔ جب وہ مصلحت دیکھے گا تم پر عذاب بھی بھیج دے گا۔

لَقُضِیَ الْاَمْرُ :۔ تفاسیر اہلبیت میں اسی کی تاویل یوں کی گئی ہے کہ منافقوں سے خطاب ہے کہ اگر مجھے اس چیز کے اظہار کی اجازت ہوتی جس کی جلدی تم چاہتے ہو تو ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو جاتا۔ منافق چاہتے تھے کہ حضورؐ جلدی دنیا سے کوچ کر جائیں تاکہ بعد میں اہل بیت اطہار کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا جائے۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ

اور اس کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی نہیں جانتا اسے مگر وہ ہی اور جانتا ہے جو کچھ خشکی

وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ

اور تری میں ہے اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ اسے جانتا ہے اور نہیں کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں

الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ

میں اور نہ کوئی تر اور نہ خشک ہے مگر یہ کہ وہ کتاب مبین میں ہے اور وہ

الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ

وہی ہے جو لے لیتا ہے تمہیں رات کو اور جانتا ہے جو تم کماتے ہو دن میں پھر تمہیں اٹھاتا ہے

فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

اس میں تاکہ پوری ہو جائے میعاد مقررہ پھر اس کی طرف تمہاری بازگشت ہے پھر تمہیں خبردار کرے گا جو تم

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ص۲۲۴:- یعنی ان مصلحتوں کو خدا خود ہی بہتر جانتا ہے کہ کون فوری عذاب کا مستحق ہے اور کون مہلت کے قابل ہے۔

وَعِنْدَهٗ :- آیتِ مجیدہ کا ظاہری معنی واضح ہے اور اس کی تاویل میں تفسیر برہان وصافی میں بروایت عیاشی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ پتہ گرنے سے مراد وہ بچہ ہے جو ناتمام ماں کے شکم سے ساقط ہوتا ہے اور دانہ سے مراد وہ بچہ جو ماں کے شکم میں زندہ ہوتا ہے اور رطب سے مراد مضغہ اور یابس سے مراد ہے کامل بچہ اور کتاب مبین سے مراد ہے امام مبین اور تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ظلمات الارض سے مراد شکم مادر کی تاریکیاں اور رطب و یابس سے مراد زندہ و مردہ ہے۔

بہرکیف ایک ایک آیت میں کئی کئی تاویلات ہو سکتی ہیں۔ لیکن وہی جانتے ہیں جن کے پاس علم کتاب ہے۔ نماز ساعۃ الغفلۃ مستدرک الوسائل میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص نماز مغرب و عشاء کے درمیان دو رکعت نماز پڑھے۔ پہلی رکعت میں سورہ الحمد کے بعد وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ

تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰٓى

عمل کرتے تھے اور وہ غالب ہے اپنے بندوں پہ اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان (کراماً کاتبین) یہانتک

اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾

کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو پورا لے لیتے ہیں اس کو ہمارے فرستادہ اور وہ نہیں کوتاہی کرتے

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۫ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾

پھر پلٹائے گئے طرف اللہ کے جو ان کا مولائے حق ہے بے شک اس کا ہی حکم ہے اور وہ جلد حساب لینے والا ہے

الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۂ الحمد کے بعد یہی آیت وَعِنْدَهٗ سے لے کر مبین تک پڑھے اور بعد سلام کے یہ دُعا پڑھے :- اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِمَفَاتِحِ الْغَيْبِ الَّتِيْ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا اَنْتَ اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ - پھر اپنی حاجات کا ذکر کرے اور پھر کہے :- اَللّٰهُمَّ اَنْتَ وَلِيُّ نِعْمَتِيْ وَالْقَادِرُ عَلٰى طَلِبَتِيْ تَعْلَمُ حَاجَتِيْ فَاَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ لَمَّا قَضَيْتَهَا لِيْ - پس اپنی حاجات کا اللہ سے سوال کرے تو ضرور دُعا مقبول ہوگی۔

اَجَلٌ مُّسَمًّى :- بدا کے مسئلہ کے تحت رکوع ۱ کی تفسیر میں صفحہ ۱۹ میں اجل مقضی اور اجل مسمّی کی وضاحت گذر چکی ہے

رکوع نمبر ۱۴

وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ :- انسانوں کو گناہوں سے بچانے کے لئے یہ بھی لطفِ خداوندی ہے کہ اس کے اعمال کی دیکھ بھال اور ان کی حفاظت کیلئے ملائکہ مقرر کر دیئے کیونکہ جب انسان کو یہ معلوم ہو کہ میرے اعمال کو باقاعدہ ضبط کیا جاتا ہے تو وہ گناہوں سے بچنے کی خود بخود کوشش کرے گا۔

تَوَفَّتْهُ :- تفسیر برہان میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ قرآن میں ایک مقام پر ہے۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ یعنی خدا نفسوں کو لیتا ہے اور دوسرے مقام پر ہے يَتَوَفّٰىكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ :- یعنی ملک الموت تمہیں لیتا ہے اور تیسرے مقام پر ہے تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ - فرشتے ان کو لے لیتے ہیں (ان مقامات میں وفات سے مراد موت ہے) اور ظاہر ہے کہ ایک ہی وقت میں مختلف مقامات پر بہت زیادہ مخلوق کی رُوح قبض ہوتی ہے - لہذا آپ ان آیات کے معنی کی وضاحت فرمائیں - تو آپ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے ملک الموت کو کافی معاون فرشتے عطا فرمائے ہیں جو ارواح کو قبض کرتے ہیں - جس طرح ایک پولیس افسر کے ماتحت بہت سے سپاہی ہوا کرتے ہیں - پس اس بناء پر وفات کی نسبت اللہ ملک الموت اور ملائکہ سب کی طرف دُرست ہے۔

وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ :- تفسیر مجمع البیان ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے حسابِ خلق کے

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا

کہہ دیجئے کون نجات دیتا ہے تم کو خشکی و تری کی تاریکیوں میں کہ پکارتے ہو اس کو گڑگڑا کر اور پوشیدہ کہ اگر

وَّخُفْيَةً لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۶۳ قُلِ اللّٰهُ

ہمیں نجات دے دے اس سے تو ہو جائیں گے شکرگزاروں میں سے کہہ دیجئے اللہ

يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝۶۴ قُلْ هُوَ

نجات دیتا ہے تم کو ان سے اور ہر مصیبت سے پھر تم شرک کرتے ہو کہہ دیجئے وہ

الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ

قادر ہے کہ بھیجے تم پر عذاب تمہارے اُوپر سے اور تمہارے پاؤں کے

اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ

نیچے سے یا تمہیں فرقہ بازی کے اشتباہ میں ڈال دے اور چکھائے بعض کو بعض کی سختی دیکھئے

كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝۶۵ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ

کس طرح پھیر پھیر کر ہم بیان کرتے ہیں آیات کو تاکہ وہ سمجھیں اور جھٹلایا اس کو تیری قوم نے

متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ وہ اس طرح ایک وقت میں سب کا حساب لے لے گا۔ جس طرح ایک ہی وقت میں سب کو رزق پہنچا دیتا ہے۔ نیز ایک روایت میں ہے کہ تمام خلائق کا حساب ایک بکری کے دوہنے کی دیر میں ختم ہو جائے گا۔

تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً :۔ تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ بہترین دُعا وہ ہے جو یکسوئی میں چپکے سے مانگی جائے اور بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہو رہے۔ آپ ایک قوم کے پاس سے گذرے جو باآواز بلند دُعا مانگ رہے تھے فرمایا تم کسی بہرے یا دُور بسنے والے کو نہیں پکار رہے ہو بلکہ تم تو اُسے پکارتے ہو۔ جو سمیعؔ قریب ہے (یعنی آہستگی اور چپکے سے دُعا مانگنا زیادہ بہتر ہے۔

قُلْ هُوَ :۔ تفسیر مجمع البیان میں تفسیر کلبی سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے اس آیت کے نازل —

وَهُوَ الْحَقُّ ۚ قُلْ لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ نَبَإٍ مُسْتَقَرٌّ ۚ وَسَوْفَ

حالانکہ وہ حق ہے کہہ دیجئے نہیں ہوں میں تم پہ نگران ہر خبر کے لئے ایک واقعہ ہوتا ہے اور عنقریب

تَعْلَمُونَ ﴿٦٧﴾ وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ

تم جان لوگے اور جب دیکھو ایسے لوگوں کو جو گھستے ہوں ہماری آیات میں تو ان سے منہ پھیر لو

حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ

یہاں تک کہ وہ گھس جائیں کسی بات دوسری میں اور اگر بھلا دے تمہیں شیطان تو نہ بیٹھو

بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ

بعد یاد آنے کے ظالم لوگوں کے ساتھ اور نہیں ہے اوپر تقوٰی کرنے والوں کے

ہونے کے بعد وضو فرمایا اور نماز پڑھی اور چار دعائیں مانگیں (۱) امتّت پہ آسمانی عذاب نازل نہ ہو (۲) زمین کا عذاب ان پہ نہ آئے (۳) فرقہ بندی سے محفوظ رہیں (۴) باہمی قتل و غارت میں گرفتار نہ ہوں تو جبریلؑ کا نزول ہوا اور عرض کی۔ خداوند کریم نے پہلی دونوں دعائیں قبول کی ہیں اور پچھلی دونوں دعائیں قبول نہیں کیں۔ اور امتّتِ اسلامیہ پچھلے دونوں عذابوں میں گرفتار ہوگی اور یہ آزمائش ہے جس سے کھرے کھوٹے کی تمیز ہوگی۔

وَاِذَا رَاَيْتَ :- یہ خطاب اگرچہ جناب رسالتمآبؐ کی طرف ہے لیکن معنوی طور پہ ساری امتّت مراد ہے اور خدائی پیغامات کی تبلیغ میں جناب رسالتمآبؐ پر نسیان کا ورود ناممکن ہے اور یہی شیعی عقیدہ ہے۔ اور تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا جو شخص خدا و رسولؐ پہ ایمان رکھتا ہو اسے ایسی مجلس میں نہیں بیٹھنا چاہیئے جس میں امام حق کو سب کیا جا رہا ہو یا کسی مسلمان (مومن) کی غیبت ہو رہی ہو۔

تفسیر برہان میں ہے حضورؐ نے فرمایا خدا رحم کرے اس بندے پہ جو اچھی بات کرے اور فائدہ اٹھائے ورنہ چُپ رہے اور بچ جائے اور تمہیں یہ جائز نہیں کہ جو جی چاہے سنتے پھرو کیونکہ خدا فرماتا ہے۔ کان، آنکھ اور دل ہر ایک سے قیامت کے روز باز پُرس ہوگی۔

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ :- جب بے دین طبقہ کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت ہوئی تو مسلمانوں نے عرض کی کہ ہم پہ واجب ہے جب بھی مشرکین قرآن کے ساتھ تمسخر کریں۔ تو ہم اٹھ جائیں پس اس صورت میں تو ہم مسجد الحرام اور طواف بیت اللہ سے بھی محروم ہو جائیں گے تو یہ آیت اتری کہ جہاں تک ممکن ہو ان کے ساتھ اٹھ بیٹھ چھوڑ دو

حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَلَٰكِن ذِكْرَىٰ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٦٩﴾ وَذَرِ الَّذِينَ

ان کا حساب کچھ بھی ولیکن ایک نصیحت ہے تاکہ وہ ڈریں اور چھوڑ ان کو

اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهِ

جنہوں نے بنایا ہے اپنا دین کھیل اور تماشہ اور دھوکا دیا ان کو زندگانی دنیا نے اور ان کو نصیحت کرد

أَن تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا

مبادا پھنس جائے کوئی نفس اپنے کئے میں کہ نہ ہوگا اس کا سوائے اللہ کے کوئی دوست اور نہ

شَفِيعٌ وَإِن تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا

سفارشی اور اگر بدلہ دے ہر قسم کا بدلہ تو نہ لیا جائے گا اس سے وہ وہی لوگ ہیں جو پھنس گئے

بِمَا كَسَبُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا

اپنے کئے میں ان کے پینے کے لئے گرم پانی ہوگا اور دردناک عذاب بوجہ اس کے کہ

يَكْفُرُونَ ﴿٧٠﴾ قُلْ أَنَدْعُوا مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا

کفر کرتے تھے کہہ دیجئے کیا ہم پکاریں سوائے اللہ کے اس کو جو نہ نفع دے اور نہ نقصان

ورنہ جو لوگ مسلمان ہیں اور تقویٰ رکھتے ہیں ان پر کفار کے جرم کا کوئی بوجھ نہ ہوگا۔ یہ تو ایک نصیحت تھی۔ تاکہ وہ لوگ باز آجائیں۔

اَنْ تُبْسَلَ :۔ محلاً منصوب ہے کیونکہ مفعول ہے بطریق مجاز الحذف یعنی دراصل تھا۔ کَرَاهِيَةَ اَنْ تُبْسَلَ اور تحت اللفظ مرادی معنی کر دیا گیا ہے اور لَيْسَ اپنے اسم وخبر کے ساتھ مل کر جملہ نفس کی صفت واقع ہوا ہے

اُولٰٓئِكَ :۔ مبتدا ہے اور اَلَّذِيْنَ اپنے صلہ کے ساتھ مل کر اس کی خبر ہے اور لَهُمْ شَرَابٌ الی آخرہ ممکن ہے کہ اُولٰٓئِكَ کی خبر ثانی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جملہ مستانفہ ہو۔

تنبیہ :۔ آیات بتلاتی ہیں کہ لہو ولعب کا دین حق سے کوئی واسطہ نہیں۔ اسی بناء پر فراءؔ کا قول ہے کہ ہر امت کے لئے ایسی عیدیں مقرر ہوتی ہیں۔ جن میں وہ لہو ولعب میں مشغول ہوتے ہیں۔ لیکن امت محمدیہ کی عیدیں

وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ

اور پلٹ جائیں اُلٹے قدم بعد اس کے کہ ہمیں خدا نے ہدایت دی مثل اس کے جس کو غلطی پہ لگایا

الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى

شیطانوں نے زمین میں کہ وہ حیران پھر رہا ہو اس کے ساتھی اسے بلاتے ہوں طرف سیدھے راستے

الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ

کے کہ ادھر آ۔ کہہ دیجئے تحقیق اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور ہمیں حکم ہے کہ مان لیں

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ

رب العالمین کی اور یہ کہ قائم کرو نماز کو اور اس سے ڈرو اور وہ وہی ہے جس کی طرف

تُحْشَرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ

تمہاری بازگشت ہوگی اور وہ وہی ہے جس نے پیدا کئے آسمان و زمین بجا اور جس دن کہے گا

نماز، دُعا اور عبادت سے ہوا کرتی ہیں اور مذہب امامیہ میں تو خصوصیت سے عیدوں کے لئے مخصوص اعمال ہیں۔ اور نیک بخت ہیں وہ لوگ جو اپنی عیدیں عباداتِ الٰہیہ سے گذارتے ہیں جن لوگوں نے عید اسلامی لہو و لعب کا نام رکھا ہوا ہے وہ انہی آیاتِ مجیدہ کی رُو سے سرزنش کے حقدار ہیں۔

رکوع نمبر ۱۵

كَالَّذِىْ :۔ یعنی گمراہ شخص کی مثال ایسی ہے جس طرح کوئی راہ گم کردہ شخص جنگل میں مارا مارا پھر رہا ہو اور اسے دوسرے ساتھی صحیح راستہ کی طرف بلائیں اور وہ پھر بھی ان کی بات کو نہ مانتا ہو۔

بِالْحَقِّ :۔ یعنی زمین و آسمان کا پیدا کرنا موافق حکمت ہے باطل اور لغو نہیں ہے۔

وَيَوْمَ يَقُوْلُ :۔ اس کی ترکیب میں چند اقوال ہیں (۱) اِتَّقُوْا کا مفعول ہے اور ضمیر غائب پر اس کا عطف ہے یعنی ڈرو اللہ سے اور ڈرو اس دن سے (۲) فعل محذوف اُذْكُرْ کا مفعول ہے یعنی یاد کرو اس دن کو جب اُٹھایا جائے گا۔ (۳) خَلَقَ کا مفعول ہے یعنی اس نے آسمان و زمین پیدا کئے اور پیدا کرے گا مخلوق کو دوبارہ جب

كُنْ فَيَكُوْنُ ۝٧٣ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۭ عٰلِمُ

ہوجاؤ تو وہ ہوجائیں گے اس کا قول حق ہے اور اسی کا ہے ملک جس دن پھونکا جائے گا صور میں جاننے

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝٧٣ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ

والا ہے پوشیدہ اور ظاہر کو اور وہ حکیم و خبیر ہے اور جب ابراہیمؑ نے اپنے چچا

اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّىْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝٧٥

آزر کو کہا کیا بناتا ہے تو بتوں کو معبود تحقیق میں سمجھتا ہوں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں

کہے گا ہو جا تو ہو جائیں گے۔

يَوْمَ يُنْفَخُ :۔ اس کی ترکیب میں بھی چند اقوال ہیں۔ (۱) پہلے یوم سے بدل ہے (۲) قَوْلُهُ الْحَقُّ سے متعلق ہے یعنی اس کا فیصلہ حق ہوگا۔ جب نفخ صور ہوگا (۳) وَلَهُ الْمُلْكُ سے متعلق ہے یعنی نفخ صور کے دن اسی کی ہی حکمرانی ہوگی۔

لِاَبِيْهِ اٰزَرَ :۔ تفسیر مجمع البیان میں زجاج کا قول منقول ہے کہ علم الانساب کے ماہرین کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام تارخ تھا اور علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ زجاج کا قول ہمارے علماء کے مسلک کی تائید کرتا ہے کہ آذر یا تو حضرت ابراہیمؑ کا نانا تھا یا چچا تھا کیوں کہ علمائے امامیہ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت رسالتمآبؐ کے آباء کا سلسلہ آدمؑ تک موحدین کا تھا اور حضورؐ نبی اکرم سے مروی ہے کہ اللہ مجھے پاک صلبوں سے پاکیزہ ارحام میں منتقل فرماتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے تمہارے دور میں ظاہر کر دیا۔ مجھے کسی دور میں جہالت کی میل آلودہ نہ کر سکی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضورؐ کے آباء میں سے کوئی بھی کافر ہوتا تو حضورؐ اپنے تمام آباء کو پاک نہ فرماتے۔

قرآن مجید کے ظاہر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آذر حضرت ابراہیمؑ کا باپ تھا اور کتب حدیث و تفسیر میں بعض روایات بھی اسی مطلب کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا باپ آذر بت تراش تھا اور نمرود کا مختار عام اور وزیر مملکت بھی تھا۔ نیز علم نجوم میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ تو اس نے اپنے بادشاہ نمرود بن کنعان سے ذکر کیا کہ علم نجوم کے حساب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس زمانہ میں ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جو ہمارے دین کو ختم کر دے گا اور نئے دین کی دعوت دے گا۔ نمرود نے پوچھا کہ وہ کس ملک میں پیدا

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ

اور اسی طرح ہم نے دکھائی ابراہیمؑ کو ملکوت آسمانوں اور زمین کی اور تاکہ وہ ہو جائے

الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّا

یقین والوں میں سے پس جب چھا گئی اس پہ رات تو دیکھا ستارہ کہا یہ میرا رب ہے ؟ پس جب

ہوگا؟ تو کہا کہ ہمارے ہی ملک میں پیدا ہوگا۔ نمرود نے پوچھا کیا وہ پیدا ہو تو نہیں چکا؟ آذر نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس نمرود نے عورتوں اور مردوں میں جدائی کا حکم دے دیا۔ لیکن اسی دوران میں حضرت ابراہیمؑ کی والدہ حاملہ ہوگئیں اور اپنے حمل کو پوشیدہ کئے رہیں۔ یہاں تک کہ وقتِ ولادت قریب پہنچا تو آذر سے کہا کہ میں بیمار ہوں اور اس زمانہ کا دستور تھا جب عورت بیمار ہوتی تو مرد سے علیحدگی اختیار کر لیا کرتی تھی۔ پس پہاڑ کی ایک غار میں اس نے علیحدگی اختیار کر لی۔ وہاں حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے پس ان کی والدہ نے ایک پارچہ میں اس کو لپیٹا اور جگہ ہموار کر کے وہاں لٹا دیا اور خود غار سے باہر آگئیں اور غار کا دروازہ پتھروں سے بند کر دیا۔ حضرت ابراہیمؑ اپنا انگوٹھا چوستے تھے اور خداوند کریم کی قدرت سے اس سے دودھ نکلتا تھا جو حضرت ابراہیمؑ کی غذا تھی۔ حضرت کی والدہ بھی موقعہ پا کر اسے دیکھ جایا کرتی تھی۔ اُدھر نمرود نے ہر نوزائیدہ لڑکے کے ذبح کرنے کا حکم دے دیا اِدھر حضرت ابراہیمؑ غار کے اندر ایک دن میں ایک ماہ کے برابر بڑھتے تھے۔ حتیٰ کہ ۱۳ برس غار میں رہے۔ اس کے بعد جو ماں ملنے کو آئی تو حضرت ابراہیمؑ ماں کے دامن سے لپٹ گئے اور غار سے باہر آنے کی خواہش ظاہر کی تو ماں نے ان کو قتل کے خطرہ سے آگاہ کیا۔ جب سورج غروب ہوگیا تو وہ غار سے باہر تشریف لائے اور سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ پس ماں ان کو اپنے ساتھ لائی اور اپنی اولاد میں شامل کر دیا اور آذر کو سارا ماجرا بیان کیا چنانچہ آذر کو بھی ان سے محبت ہوگئی اور باقی اولاد کی طرح بت بنا کر ان کو بھی بازار میں فروخت کرنے کے لئے دیا کرتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ ان کی گردنوں میں رسی ڈال کر بازار میں گھسیٹتے تھے اور فرماتے تھے کوئی ہے ایسی چیز کو خریدنے والا جو نہ نفع دے اور نہ نقصان دے تو حضرت ابراہیمؑ کے بھائیوں نے آذر کو اس بات کی اطلاع کر دی۔ چنانچہ اس نے منع کیا لیکن حضرت ابراہیمؑ نے اس کا کہا نہ مانا اور اس کو نصیحت کی جس کی قرآن خبر دے رہا ہے۔

تفسیر برہان میں روضتہ الواعظین سے ایک طویل روایت منقول ہے جس میں جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ نمرود چونکہ حاملہ عورتوں کے شکم چاک کرواتا تھا اور بچوں کو مروا ڈالتا تھا۔ جب حضرت ابراہیمؑ کی والدہ حاملہ ہوئیں تو ان کا باپ اپنی زوجہ کو ساتھ لے کر نمرود کے ڈر سے بھاگ گیا اور راستہ میں مر گیا۔ صاحبِ تفسیر فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا والد آذر نہیں تھا اور اس کی تائید حضرت امیرؑ کے اس فرمان سے ہوتی ہے کہ آذر حضرت ابراہیمؑ کا تربیت کے

بَازِغًا

اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ

وہ ڈوبا تو کہا میں تو ڈوبنے والوں کو نہیں چاہتا — پھر جب دیکھا چاند چمکتا ہوا — کہا یہ میرا رب ہے ؟ جب

اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾

وہ ڈوبا تو کہا اگر مجھے نہ ہدایت کرے میرا پروردگار تو میں ضرور ہو جاؤں گا گمراہ قوم میں سے

اعتبار سے باپ تھا اور حضرت صادق علیہ السلام سے صراحتاً منقول ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام تارخ تھا۔

وَكَذٰلِكَ :۔ اس کا پچھلے واقعہ پر عطف ہے یعنی جس طرح ہم نے حضرت ابراہیمؑ پر بت پرستی کی برائی واضح کردی تاکہ آذر اور اس کی ساری قوم کو ہدایت کریں اسی طرح ہم نے ان کو ملکوتِ ارض و سما کی بھی سیر کرائی ۔ تاکہ وہ اپنی استدلالی قوت سے اپنی قوم کو اپنے مذہب کا گرویدہ بنا سکیں اور تاکہ وہ خود بھی یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں ۔ کتاب مستدرک الوسائل جہر بسم اللہ کے باب میں ہے ۔ جابر جعفی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ جب حضرت ابراہیمؑ کے سامنے حجابات اٹھائے گئے تو انہوں نے جانب عرش میں ایک نور دیکھا تو سوال کیا کہ کس کا نور ہے تو جواب ملا کہ یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کا نور ہے ۔ پھر تین نور دیکھے اور ان کے متعلق سوال کیا کہ یہ کون ہیں ؟ تو جواب ملا کہ فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ کے نور ہیں پھر ان کے گرد نو نور دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہیں ؟ تو جواب ملا کہ یہ اولاد فاطمہؑ سے نو اماموں کے نور ہیں پھر ان کے گرداگرد بہت زیادہ نور دیکھ کر پوچھا یہ کون ہیں ؟ تو جواب ملا کہ یہ علیؑ بن ابی طالبؑ کے شیعوں کے نور ہیں ۔ ابراہیمؑ نے سوال کیا ان کی علامتیں کیا ہوں گی تو جواب ملا (۱) اکاون رکعت نماز (۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا جہر سے پڑھنا (۳) رکوع سے پہلے قنوت (۴) دائیں ہاتھ میں انگوٹھی ۔ اسی مضمون کی روایت باب تختم بالیمین میں باختلاف الفاظ مذکور ہے ۔ اور باب القنوت میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جانب عرش میں ایک نور دیکھا تو سوال کیا کہ یہ کس کا نور ہے تو ارشاد ہوا میرے برگزیدہ محمدؐ کا نور ہے پھر انوار آئمہ کا ذکر ہوا ۔ آخر میں دریافت کیا کہ ان کے اردگرد بہت سے نور جن کی تعداد تو ہی جان سکتا ہے کون ہیں ؟ تو جواب ملا کہ شیعان علیؑ بن ابی طالبؑ کے نور ہیں تو حضرت ابراہیمؑ نے ان کی علامتیں دریافت کیں پس جواب ملا (۱) اکاون رکعت نماز (۲) جہر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (۳) رکوع سے پہلے قنوت (۴) جبین کا زمین پر رگڑنا (غالباً سجدہ شکر مراد ہے) (۵) دائیں ہاتھ میں انگوٹھی ۔ پس حضرت ابراہیمؑ نے دعا مانگی ۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنْ شِيْعَةِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ ۔ اے اللہ مجھے علیؑ کے شیعوں میں سے بنا تو ارشاد ہوا کہ میں نے تجھے ان میں سے کر دیا ہے اور قرآن میں نازل فرمادیا ۔ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ

اقول :۔ بعض روایات میں زیارت اربعین بھی شیعوں کی علامات سے بیان کی گئی ہے ۔ فلاحظ صفحہ ۲۳۲ ۔ اس زمانہ

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ

پھر جب دیکھا سورج کو روشن تو کہا (کیا) یہ میرا رب ہے ؟ یہ بڑا ہے جب وہ ڈوبا. تو کہا

يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۹﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ

اے قوم تحقیق میں بیزار ہوں اس سے جو تم شرک کرتے ہو تحقیق میں نے خالص کیا اپنے منہ کو اس ذات کے لئے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ

جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا درحالیکہ میں حنیف ہوں اور نہیں ہوں شرک کرنے والوں میں سے اور جھگڑی اس سے اس کی قوم

میں جبکہ عقولِ انسانیہ اس قدر ترقی یافتہ نہ تھے کہ ادلۂ عقلیہ سے ان کی اصلاح کی جاتی. پس ان کے ساتھ ساتھ چل کر ان کے عقائد کا بطلان ان پر واضح کرنا اور صحیح راستہ کی نشاندہی کرنا ہی موزوں ترین طریقہ تھا جس کو حضرت ابراہیمؑ نے اختیار فرمایا۔ اور حجت خدا کی یہی شان ہوا کرتی ہے گویا بطور فرض کے حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ چلو فرض کر لو یہی خدا ہی لیکن جب وہ ڈوبا تو فرمایا کیا خدا کی یہ شان ہو سکتی ہے کہ وہ ڈوب جائے. میں تو اس جیسوں کو خدا نہیں مانتا. پھر چاند پرستوں سے ہمکلام ہوئے اور ان کو بھی اسی طرز گفتگو سے اپنے عقیدۂ فاسدہ کی برائی سے آگاہ کیا. پھر سورج پرستوں سے بات ہوئی تو بھی وہی طریقہ اختیار فرمایا اور مامون کے سوال کے جواب میں امام رضاؑ کے بیان کا بھی یہی خلاصہ ہے جو تفسیر صافی میں مذکور ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے افول و غروب کو بیان کر کے ان پر یہ واضح کرنا چاہتے تھے کہ اس قسم کے تغیرات حادث کی شان سے ہیں اور خدا وہ ہے جو حادث نہیں بلکہ قدیم ہے اور تغیرات سے بلند و بالا ہے۔

اِنِّيْ وَجَّهْتُ ۔ جب ان لوگوں پر ان کے عقیدہ ہائے فاسدہ کا بطلان واضح فرما چکے تو ان سے بیزاری کا اعلان فرمایا اور پھر اپنا عقیدہ ظاہر فرمایا کہ میں تو صرف اس ذات کی عبادت کروں گا جو آسمان و زمین کی خالق ہے اور چاند، سورج ستارے بھی اسی کی مخلوق ہیں کیونکہ جب ثابت فرمایا کہ یہ چیزیں حادث ہیں۔ تو مقصد یہ ہوا کہ ایک وقت تھا کہ یہ چیزیں نہ تھیں اور بعد میں ہوئیں تو چونکہ واجب الوجود تو ہیں نہیں ورنہ مسبوق بالعدم نہ ہوتیں۔ پس ممکن ہوئیں اور ہر ممکن منصۂ شہود پر قدم نہیں رکھ سکتا جب تک کہ جانب وجود کو ترجیح دینے والی اس کی علت نہ ہو اور جس علت نے ان کی جانب وجودی کو ترجیح دے کہ منصۂ شہود پر جلوہ گری کا شرف بخشا وہ قدیم اور واجب الوجود ہونی چاہیئے۔ ورنہ اس پر بھی حدوث کا شائبہ عائد ہو گا۔ پس وہ واجب الوجود ذات جو ازلی و ابدی اور جمیع صفات کمالات کی جامع اور آسمانوں و زمینوں اور ان میں بسنے والی جمیع مخلوق کی موجد و مبدع ہے وہ ہے سچا پروردگار اور وہی ہے معبودِ حقیقی۔

قَالَ اَتُحَآجُّوْنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ

تو کہا کیا تم مجھ سے جھگڑتے ہو اللہ کے بارے میں درحالیکہ اس نے مجھے ہدایت فرمائی ہے اور میں نہیں ڈرتا اس سے جو تم شریک کرتے

بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَيْـــًٔـا ۭ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ اَفَلَا

ہو مگر یہ کہ جو خدا چاہے احاطہ کیا ہے میرے رب نے ہر شئے کا علم سے کیا تم

تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ

نہیں نصیحت لیتے اور کیسے ڈروں اس سے جو تم شریک بناتے ہو حالانکہ تم نہیں ڈرتے اس سے کہ تم نے

اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ

شریک بنائے اللہ کے وہ جن پر نہیں اُتاری اس نے تم پہ کچھ دلیل پس ہم دونوں فریقوں میں سے

اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا

کون امن کا زیادہ حقدار ہے اگر ہو تم با ذوق ؟ وُہ لوگ جو ایمان لائے اور نہ ملاوٹ کی

اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ :- یعنی چاند، سُورج، ستارے جن کو تم خُدا کا شریک بناتے ہو۔ وُہ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان دے سکتے ہیں۔ لہٰذا میں ان سے کیوں ڈروں۔ ہاں یہ چیزیں اس وقت نقصان دے سکتی ہیں۔ جب خدا ان کو یہ طاقت دے دے اور اس کی مشیّت کا تقاضا ہو۔ لیکن پھر بھی پرستش و عبادت تو اسی کی ذات کے لئے زیبا ہے جو سب کچھ کر سکتا ہے نہ ان کے لئے جو ہر امر میں اس کے محتاج ہیں۔

وَكَيْفَ اَخَافُ :- یعنی ڈرنا تمہیں چاہیئے تھا کہ خدائے حقیقی کے شریک بنا کر ان کی عبادت کرتے ہو۔ تو جب تم غیرِ خُدا کی عبادت کر کے خدائے حقیقی سے نہیں ڈرتے تو میں خدائے حقیقی کی عبادت کرتے ہوئے ان سے کیوں ڈروں۔ جو خدا نہیں تو سوچ کر بتاؤ کہ امن کا دامن میرے ہاتھ میں ہے یا تمہارے ہاتھ میں ہے

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا :- وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان سے ظلم کی ملاوٹ نہیں کی۔ ان کے لئے امن ہے۔ یہاں ظُلم سے مراد شرک ہے اور سیاق آیات بھی اسی پہ دلالت کرتا ہے۔ بعض روایات میں ظلم سے یہاں زناکاری چوری اور شراب نوشی مراد لی گئی ہے۔ تو مقصد یہ ہے کہ مرضئ خُدا کے خلاف اپنی خواہش نفسانی کی اطاعت میں جو کام کیا جائے تو گویا اس کام میں شرکِ جلی نہ سہی شرکِ خفی کا شائبہ تو ہوتا ہی ہے۔ لہٰذا معصوم نے غالباً یہ افراد بطور تاویل

إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ ﴿٨٣﴾ ع ١٥ وَتِلْكَ

اپنے ایمان کی ظلم سے ان کے لئے ہی امن ہے اور وہی ہیں ہدایت پانے والے اور یہ ہماری

حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ

حجت ہم نے دی ابراہیم کو اپنی قوم پر ہم درجے بلند کرتے ہیں جسے چاہیں تحقیق تیرا رب

حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٨٤﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا

حکیم و علیم ہے اور ہم نے بخشا اس کو اسحٰق و یعقوب ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی اور نوحؑ کو ہدایت کی

مِن قَبْلُ ۖ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ

اس سے پہلے اور اس کی اولاد سے داؤد و سلیمان و ایوب و یوسف و موسیٰ

وَهَارُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٥﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ

و ہارون اور اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں احسان کرنے والوں کو اور زکریاؑ و یحییٰؑ و عیسیٰؑ

کے آیت مجیدہ کے مصداق قرار دیئے ہیں۔

رکوع نمبر ۱۶

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا :- یعنی چاند، سورج ستاروں کے پجاریوں کے مقابلہ میں حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام نے جو توحید پر استدلال فرمایا وہ ہماری عطا کردہ حجت تھی۔ یہ آیت صاف بتلاتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے چاند یا سورج یا ستارہ کی ربوبیت کا اقرار نہیں کیا تھا۔ بلکہ دلیلِ توحید کو بیان کرنے کیلئے خصم کے سامنے بناء بر فرض کے گفتگو کی تھی اور بطور استفہام انکاری کے ان سے خطاب فرمایا تھا۔

دَرَجَاتٍ :- بعض لوگوں نے اس کو مضاف پڑھا ہے اور تنوین نہیں پڑھی اور اگر تنوین کے ساتھ پڑھا جائے تو مَن نَّشَاءُ مفعول ہوگا نَرْفَعُ کا اور دَرَجَاتٍ تمیز ہوگا۔

وَنُوحًا هَدَيْنَا :- تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ابوالجارود سے فرمایا کہ لوگ امام حسن اور امام حسین کے متعلق کیا کہتے ہیں تو اس نے عرض کی۔ حضور! لوگ ان کو اولادِ رسولؐ نہیں تسلیم کرتے۔ آپ نے فرمایا پھر تم ان کے سامنے کون سی دلیل پیش کرتے ہو تو ابوالجارود نے عرض کی۔ مولا! ہم حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کا ذکر پیش کرتے ہیں کہ خداوندِ کریم نے ان کو حضرت نوحؑ کی ذرّیت سے قرار دیا حالانکہ

وَ اِلۡیَاسَ ؕ کُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۸۶﴾ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ الۡیَسَعَ وَ یُوۡنُسَ وَ لُوۡطًا ؕ

والیاس سب نیک لوگ تھے اور اسمٰعیل و لیسع و یونس اور لوط

وَ کُلًّا فَضَّلۡنَا عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۸۷﴾ وَ مِنۡ اٰبَآئِہِمۡ وَ ذُرِّیّٰتِہِمۡ وَ اِخۡوَانِہِمۡ ۚ

اور ہم نے سب کو فضیلت دی اوپر جہان کے اور اُن کے آباء و اولاد و برادری میں سے بعض کو

وَ اجۡتَبَیۡنٰہُمۡ وَ ہَدَیۡنٰہُمۡ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۸۸﴾ ذٰلِکَ ہُدَی اللّٰہِ

اور ان کو ہم نے چُن لیا اور ہدایت کی سیدھے راستے کی یہ اللہ کی ہدایت ہے

یَہۡدِیۡ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ ؕ وَ لَوۡ اَشۡرَکُوۡا لَحَبِطَ عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا

ہدایت کرتا ہے اس کے ذریعے سے جسے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور اگر وہ شرک کرتے تو حبط ہو جاتے ان سے وہ

حضرت عیسیٰؑ ماں کی طرف سے ان کی طرف منسوب تھے تو آپ نے فرمایا پھر وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ ابوالجارود نے عرض کی وہ کہتے ہیں کبھی کبھی لڑکی کی اولاد کو بھی اولاد کہا جاتا ہے لیکن وہ اولاد صلبی نہیں کہلاتی۔ آپ نے فرمایا تم پھر کیا جواب دیتے ہو تو عرض کی آقا! ہم آیت مباہلہ پیش کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا پھر وہ کیا کہتے ہیں؟ تو عرض کی حضورؑ! عرب میں عام مروج ہے کہ دوسرے کی اولاد کو بھی لوگ اپنا بیٹا کہہ کر پکارتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں قرآن مجید کی ایک ایسی آیت پیش کرتا ہوں کہ حسنینؑ کا صلبی اولادِ رسولؐ ہونا ثابت ہو جائے اور اس کا سوائے کافر کے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ راوی نے عرض کی مولا فرمائیے تو آپ نے وہ آیت پڑھی جس میں ان عورتوں کی تفصیل ہے جو مردوں پر حرام ہیں اس میں یہ لفظ ہیں وَحَلَآئِلُ اَبۡنَآئِکُمُ الَّذِیۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِکُمۡ یعنی تمہارے صلبی بیٹوں کی منکوحہ عورتیں تم پر حرام ہیں تو چونکہ رسولؐ پر حسنینؑ کی بیویاں حرام تھیں۔ لہٰذا ان کا صلبی فرزند ہونا ثابت ہو گیا۔

علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کا ذریت نوحؑ یا ذریت ابراہیمؑ سے ہونا اس امر کی دلیل ہے۔ کہ حسنینؑ اور ان کی اولاد ذریت رسولؐ ہے۔ اسی بناء پر صحابہ حسنینؑ اور ان کی اولاد کو یَا ابۡنَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

ذٰلِکَ ہُدَی اللّٰہِ:۔ تفسیر برہان میں عیاشی سے منقول ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ اور ان سے پہلے نبیوں کی ذریت کا ذکر فرمایا کہ ابراہیمؑ کو اسحٰق و یعقوب عطا فرمائے اور

يَعْمَلُونَ ﴿٨٩﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِن

جو عمل کرتے تھے وہ وہی ہیں جن کو دی ہم نے کتاب اور شریعت اور نبوت پس اگر یہ

يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ﴿٩٠﴾ أُولَٰئِكَ

لوگ انکار کریں اس کا تو تحقیق ہم نے سونپی ہے یہ بات ایسی قوم کو کہ وہ اس کا انکار نہیں کرتے وہ وہی

الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۗ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ

ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی پس تم ان کے نقش قدم پر چلو کہہ دیجئے میں نہیں مانگتا تم سے اس کا اجر

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ ﴿٩١﴾ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ

یہ نہیں مگر نصیحت عالمین کے لئے اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جو قدر کا حق تھا جب کہا کہ نہیں اُتاری اللہ نے

رب کو ہدایت کی تاکہ یہ سلسلہ ان کی اہلبیت میں رہے اور نوحؑ کو ہدایت کی کہ یہ سلسلہ ان کی ذریت میں جاری رہے اور یہ اشارہ ہے کہ آپ کا سلسلۂ ہدایت و تبلیغ بھی آپ کی ذریت میں ہی رہے گا اور فرمایا اگر یہ لوگ کفر کریں اور نہ مانیں تو پرواہ نہ کرو ہم نے ایک ایسی قوم معین کر دی ہے جو اس کا انکار نہ کرے گی اور پھر صریح طور پر فرمایا کہ آپ گزشتہ انبیاء کی سنت پر ہی عمل کریں اور یہ خدائی دستور ہے۔ جو ناقابلِ تنسیخ ہے۔

رکوع نمبر ۱۷

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ :۔ بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا کی وصف نہیں کی جا سکتی کیونکہ جس قدر اس کی وصف کی جائے گی وہ اس سے بھی اجل و ارفع ہے۔

قَالُوا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ :۔ ایک یہودی فنحاص بن عازورا نامی حضرت رسالتمآبؐ سے مناظرہ کرنے کے لئے حاضر ہوا تو آپ نے اس کو قسم دے کر پوچھا کہ کیا تورات میں ہے کہ موٹے تازے عالم پر اللہ غضبناک ہوتا ہے۔ وہ تو چونکہ خود کافی موٹا تھا غصہ میں آگیا اور کہنے لگا کہ خدا نے کسی بندہ پر کبھی کوئی چیز نازل ہی نہیں کی تو اس کے اپنے ساتھی اس پر ناراض ہو گئے کہ تو نے تو حضرت موسیٰؑ اور تورات کا بھی انکار کر دیا ہے (غالباً اس سے مراد یہ ہے جو عالم مسائل شرعیہ پر رشوت لے کر حرام کھاتا ہو۔ خدا اس پر غضبناک ہوتا ہے) خداوند کریم آیت مجیدہ میں اسی یہودی کے قول کی مذمت فرما رہا ہے اور قیامت تک جو بھی آیات قرآنی اور فرمان ربانی کا انکار کرے وہ اسی کا مصداق ہوگا۔

عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا

انسان پہ کوئی چیز کہہ دو کس نے اُتاری کتاب جو لائے (حضرت) موسیٰ کہ وہ نور و

وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا وَعُلِّمْتُمْ

ہدایت تھی لوگوں کے لئے جس کو تم نے ورق ورق کردیا بعض کو ظاہر کیا اور بہت کو چھپایا اور تم

مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَلَاۤ اٰبَآؤُكُمْ قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾

سکھائے گئے جو تم نہ جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ کہہ دیجئے اللہ نے۔ پھر چھوڑ دو ان کو اپنی حالت پہ کہ وہ کھیلتے

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ

رہیں اور یہ کتاب اس کو ہم نے اُتارا بابرکت تصدیق کرنے والی ہے اس کو جو اس کے سامنے ہے اور تاکہ ڈرائے

اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ

مکہ اور گردو نواح والوں کو اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں قیامت پر اس پہ ایمان لاتے ہیں

قَرَاطِیْسَ :۔ یعنی وہ لوگ تورات کو الگ الگ اوراق میں لکھ لیا کرتے تھے۔ جن اوراق پر اپنے مطلب کی بات ہوتی تھی اس کو بوقتِ ضرورت پیش کرتے تھے اور جو خلافِ منشاء ہوتی تھی اس کے اوراق کو چھپا لیا کرتے تھے

اُمُّ الْقُرٰى :۔ مکہ کا نام ہے اور اس کو اُم القریٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اسی جگہ کی زمین کو خلق کیا گیا تھا اور پہلا گھر جو زمین پر بنایا گیا وہ کعبہ تھا اور جناب رسالتمآبؐ کو اُمّی بھی اسی نسبت سے کہا جاتا ہے تفسیر برہان میں ہے کہ ایک مقام پر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے لوگوں کے غلط نظریئے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا جو خود ان پڑھ ہو وہ لوگوں کو کیا پڑھائے گا۔ حالانکہ خدا فرماتا ہے میں نے ایسا پیغمبر بھیجا ہے جو ان پڑھ لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا خدا کی قسم جناب رسالتمآبؐ بہتّر یا تہتّر زبانیں لکھ اور پڑھ سکتے تھے

اقول :۔ غالباً اس زمانہ میں اہلِ زمانہ کی کل زبانوں کی تعداد اسی قدر ہو گی اس لئے معصوم نے تحدید فرمادی ورنہ عالمی رسولؐ کو عالمی زبانوں پر حادی ہونا چاہیئے اور چونکہ جناب رسالتمآبؐ عالمین کے رسولؐ تھے لہٰذا عالمین کی زبانوں پر حادی تھے۔ جن کی تعداد کو سوائے خداوندکریم کے کوئی جان نہیں سکتا اور ممکن ہے مراد مطلق کثرت ہو اور بہتّر یا تہتّر کا تذکرہ بطور تفہیم کے ہو۔ جیسے کہا جاتا ہے میرے پاس بیسیوں خطوط آئے یا مجھے بیسیوں آیتیں حفظ ہیں۔ تو

وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿٩٢﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

اور وہ اپنی نماز پر پابندی کرتے ہیں اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو افتری باندھے اللہ پر جھوٹا

اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ

یا کہے مجھ پر وحی کی گئی حالانکہ نہیں وحی ہوئی اس پر کچھ اور کہے میں نازل کروں گا جس طرح اللہ نے نازل کی

اللّٰهُ ۗ وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ

اور اگر دیکھو گے جبکہ ظالم موت کی سختی میں ہوں گے اور فرشتے ہاتھ کو پھیلاتے ہوئے (ان کو کہیں گے)

اس سے مراد یہی عدد نہیں ہوتا بلکہ مراد سینکڑوں اور ہزاروں ہوا کرتے ہیں اور کثرت مطلقہ کے بیان کے لئے یہ ایک محاورہ ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ :- روایات میں ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی لسرح کے بارے میں اتری کہ یہ شخص کاتب وحی تھا اور جب حضرت فرماتے تھے لکھو عَلِيْمًا حَكِيْمًا تو یہ لکھتا غفورٌ رحیماً اور اگر آپ فرماتے تھے کہ لکھو غَفُوْرًا رَّحِيْمًا تو یہ لکھتا عَلِيْمًا حَكِيْمًا۔ پھر مرتد ہو گیا اور منافقوں سے کہا کرتا تھا کہ محمد پر وحی ہوتی ہے اور میں بھی قرآن جیسی باتیں کر سکتا ہوں۔ جب مکہ فتح ہوا تو آپ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا لیکن عثمان کی سفارش سے اس کو چھوڑ دیا اور پھر اسی کو عثمان نے اپنے دورِ خلافت میں مصر کا گورنر مقرر کیا تھا۔

کافر پر موت کی تلخی

وَلَوْ تَرٰى :- تفسیر برہان میں بروایت جابر بن یزید جعفی امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ کافر کی روح قبض کرنے کے لئے ملک الموت کو خدا بھیجتا ہے کہ میرے فلاں دشمن کے پاس جاؤ جس پر میں نے احسانات کئے اور اس کو جنت کی دعوت دی لیکن اس نے میرا کفر کیا اور مجھے گالیاں دیں پس جا کر اس کا روح قبض کرو تاکہ ہم اس کو جہنم میں اُلٹے مُنہ ڈالیں پس ملک الموت اس کی طرف جاتا ہے اس حالت میں کہ شکل سیاہ، بجلی کی طرح آنکھیں گرج کی طرح ہولناک آواز شبِ تار کی طرح رنگ اور اس کے ہر سانس سے آگ کے شرارے اٹھتے ہیں۔ سر آسمان میں اور دونوں پاؤں مشرق و مغرب میں ہوتے ہیں۔ اس کے پاس لوہے کے حربے اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں میں شعلہ ہائے جہنم کے تازیانے ہوتے ہیں اور اس کے ہمراہ خازنانِ جہنم میں سے ایک فرشتہ بھی ہوتا ہے پس جب ملک الموت ایسی اندوہناک اور ہیبت ناک حالت میں آتا ہے تو کافر دیکھتے ہی مدہوش ہو جاتا ہے اور آنکھیں اس کی کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں تو ملک الموت سے التجا کرتا ہے کہ مجھے مہلت دی جائے تو میں اب نیک کام کروں گا۔ لیکن اس کو جواب ملتا ہے کہ اب ہرگز ہرگز اجازت نہیں مل سکتی۔ پھر ملک الموت سے کہتا ہے کہ میرے مال اہل بچے قبیلہ اور باقی ترکہ ان کو کیا کروں تو جواب ملتا ہے کہ ان سب کو اپنے غیر کے لئے چھوڑ دو۔ پس وہ لوہے کے

أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى

نکالو اپنی جانیں آج تم کو بدلہ دیا جائے گا ذلت آمیز عذاب کا بوجہ اس کے کہ کہتے تھے تم

اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٩٣﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ

اللہ پہ ناحق اور تھے تم اس کی آیات سے تکبر کرتے اور آؤ گے تم ہمارے پاس تنہا تنہا

كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ۖ وَمَا نَرَىٰ

جس طرح ہم نے تم کو خلق کیا پہلی مرتبہ اور چھوڑ دو گے وہ جو ہم نے تم کو دیا تھا پیٹھ کے پیچھے اور ہم نہ دیکھیں گے

حربے اس کو مارتے ہیں کہ اس کی ہر رگ اور ہر جوڑ میں درد ہوتا ہے پس قدموں سے رُوح کھینچنے کی ابتدا کرتے ہیں اور آتشی تازیانوں سے اس کو مارتے جاتے ہیں اور رُوح قبض کرتے جاتے ہیں اور یہی اس کی سکرات اور تلخی کا وقت ہوتا ہے اور جب اس کی رُوح حلقوم تک پہنچتی ہے تو فرشتے اس کے منہ اور دبر کو مارتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ نکالو اپنی جان آج تم کو ذلت آمیز عذاب کی سزا دی جائے گی کیوں کہ تم اللہ پر ناحق باتیں کہتے تھے اور اس کی آیات سے تکبر کرتے تھے۔ الخ

فُرَادَىٰ :- تنہا آؤ گے یعنی مال و اولاد یا تمہارے مصنوعی خُدا تمہارا ساتھ نہ دیں گے۔ تفسیر صافی میں خرائج سے مروی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے یہ آیت جناب فاطمہ بنت اسد کے سامنے تلاوت فرمائی تو جناب فاطمہؑ نے فُرَادَىٰ کا معنی دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا اس کا معنی ہے کہ تم عریان محشور ہو گے جس طرح ابتدائے خلقت میں تھے تو بی بی نے یہ سُن کر اظہارِ غم کیا پس آپ نے ان کے حق میں دُعا مانگی کہ وُہ اپنے کفن کے ساتھ محشور ہونگی اور بروایت احتجاج حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے آپ سے سوال کیا گیا کہ کیا لوگ ننگے محشور ہوں گے فرمایا نہیں بلکہ اپنے کفنوں میں محشور ہوں گے۔ پوچھا گیا کہ کفن تو بوسیدہ ہو جاتے ہیں۔ فرمایا جو خدا بدن کے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے کفن کو بھی نیا تیار کر سکتا ہے۔ پھر سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص بلا کفن دفن ہو جائے تو آپ نے فرمایا کہ خدا اس کی شرمگاہ کو مستور کر دے گا۔ جس طرح چاہے گا اس قسم کی اور روایات بھی بہت زیادہ ہیں۔ چنانچہ کفن میت کے متعلق وارد ہے کہ اپنے مردوں کو اچھے کفن دیا کرو۔ کیونکہ محشر کے دن وہ اپنے اکفان پر فخر کریں گے۔ لہذا جن روایات میں فُرَادَىٰ کا معنی عریان ہونا بتایا گیا ہے وہ قابلِ تاویل ہے اور لغت بھی اس معنی کی تائید نہیں کرتی۔ پس فُرَادَىٰ کا معنی اکیلا و تنہا بلا ناصر و مددگار کیا جائے تو زیادہ انسب ہے بلکہ متعین ہے چنانچہ آیت مجیدہ کا ذیل خود اس کا تفصیلی بیان ہے کہ ہر چیز پیچھے چھوڑ آؤ گے تو تمہارے شفعاء و شرکاء بھی تمہارا ساتھ وہاں نہ دے

مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ

تمہارے ساتھ تمہارے سفارشی جن کے متعلق تم گمان رکھتے تھے کہ وہ تمہارے شریک میں تحقیق ٹوٹ جائیں گے تمہارے

وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٩٥﴾ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ

تعلقات اور ختم ہو جائیں گے جن کا تم گمان کرتے تھے تحقیق اللہ چیرنے والا ہے دانہ اور گٹھلی کو نکالتا ہے زندہ

الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٩٦﴾

کو مردے سے اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے یہ ہے اللہ پس تم کہاں روگردانی کرتے ہو؟

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ

پھوڑنے والا ہے صبح کا اور کیا اس نے رات کو سکون اور سورج اور چاند کو حساب سے یہ تقدیر ہے

سکیں گے۔

رکوع نمبر ۱۸

فَالِقُ الْحَبِّ :- تفسیر برہان میں بروایت مفضل امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس کی تاویل یہ منقول ہے کہ حب سے مراد ہے مومن اور نویٰ سے مراد ہے کافر اور اسی طرح زندہ سے مراد مومن اور مردہ سے مراد کافر بھی مروی ہے یعنی مومنوں سے کافر پیدا ہو جاتے ہیں اور کافر سے مومن پیدا ہو جاتے ہیں اور ظاہری معنی کے لحاظ سے مقصد یہ ہے کہ خدا دانہ اور گٹھلی کو شگافتہ کرتا ہے پس دانہ اور گٹھلی جو از قسم جمادات ہیں۔ ان سے زندہ پودے اُگاتا ہے جو از قسم نباتات ہیں اور انہی پودوں سے دانے اور گٹھلیاں پھر پیدا کرتا ہے اسی طرح منی سے انسان کو پیدا کرتا ہے اور انسان سے منی پیدا کرتا ہے۔ انڈوں سے پرندے اور پرندوں سے انڈے پیدا کرتا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس

جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا :- معصوم سے مروی ہے کہ اپنے کسب معاش کے لئے دن کو اختیار کیا کرو کیونکہ رات سکون کے لئے ہے اور امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ عورت بھی باعث سکون ہے۔ لہذا رات کو شادی کرنا سنت ہے اور صافی میں کافی سے مروی ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام اپنے غلاموں کو حکم کرتے تھے کہ طلوع فجر سے پہلے جانور کو ذبح نہ کیا کرو کیوں کہ خدا نے رات کو ہر شے کے لئے سکون قرار دیا ہے۔

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ :- سورج اور چاند حساب کے لئے ہیں کہ سورج بارہ برجوں کو تین سو پینسٹھ دن اور چھ گھنٹے میں طے کرتا ہے اور چاند بارہ برجوں کو ۲۸ دن اور راتوں میں طے کرتا ہے تقریباً پس سورج کے پورے دور سے سال بنتا ہے اور

الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٩٧﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ

عزیز علیم کی اور وہ وہی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے ستاروں کو کہ ہدایت پاؤ ان کے ساتھ

الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٩٨﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ

خشکی وتری کی تاریکیوں میں تحقیق ہم نے کھول کھول کر بیان کیا آیات کو واسطے اس قوم کے جو جانیں اور وہ

مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ایک نفس سے پس کہیں ٹھہرنے کی جگہ (اور کہیں) امانت رہنا ہے تحقیق کھول کھول کر بیان کیا آیات کو

يَّفْقَهُوْنَ ﴿٩٩﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ

اس قوم کے لئے جو سمجھیں اور وُہ جس نے اتارا آسمان سے پانی پس ہم نے نکالی اس سے انگوری ہر شے کی

شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ

پس نکالا اس سے سبزی کو کہ نکالتے ہیں اس سے دانے جڑے ہوئے اور کھجوروں کے شگوفوں

مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ

میں سے گچھے قریب اور باغات انگور کے اور زیتون اور انار کے

اور چاند کے پورے دور سے مہینہ بنتا ہے اور اسی طرح ان کی گردش دن رات مہینے اور سال کی تعیین کی موجب ہوتی ہے

فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۔ اس کے معنی میں کئی اقوال ہیں (۱) مستقر رحم مادر میں تا ولادت اور مستودع قبر میں تا بعثت (۲) مستقر شکم مادر میں اور مستودع صلب پدر میں (۳) مستقر روئے زمین پر اور مستودع آخرت میں اللہ کے پاس (۴) مستقر ایام زندگی میں اور مستودع زمان برزخ میں (۵) مستقر قبر میں اور مستودع روئے زمین پر (۶) صافی میں معصومین علیہم السلام سے مروی ہے کہ مستقر سے مراد ایمان ثابت ہے اور مستودع سے مراد وُہ ایمان ہے جو موت سے پہلے سلب ہو جائے ۔ تفسیر برہان میں تہذیب سے مروی ہے کہ سلیمان دیلمی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ مجھے ایسی دُعا تعلیم فرمائیے جس کی بدولت خدا مجھے ایمان مستقر عطا فرمائے اور کامل الایمان ہو کر مروں تو آپ نے فرمایا ہر نماز کے بعد یہ دُعا پڑھا کرو ۔ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِالْقُرْاٰنِ كِتَابًا وَبِالْكَعْبَةِ قِبْلَةً وَبِعَلِيٍّ وَلِيًّا وَاِمَامًا وَبِالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ

مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۗ اِنَّ فِىْ

ملتے جلتے اور جدا جدا دیکھو اس کے پھل کو جب پھلدار ہو اور اس کے پکنے کو تحقیق اس میں

ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَ

نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو ایمان لائیں اور بنائے انہوں نے اللہ کے شریک جنوں کو حالانکہ ان کو اللہ نے خلق فرمایا

خَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ ع ۱۸

اور تجویز کر لئے اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بے سمجھے پاک ہے وہ اور بلند ہے اس سے جو یہ نسبت دیتے ہیں

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۗ

پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا ۔ کہاں ہے اس کی اولاد حالانکہ نہیں اس کی بیوی اور اس

وَالْاَئِمَّةِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ رَضِيْتُ بِهِمْ اَئِمَّةً فَارْضِنِيْ لَهُمْ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ط

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ :۔ جنوں کو خدا کا شریک مان لیا ۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جنوں سے مراد ملائکہ ہیں کیونکہ جن کا معنی ہے پوشیدہ اور چونکہ ملائکہ بھی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں ۔ اس لئے ان پر جن کا اطلاق کر دیا گیا اور مشرکین کہتے تھے کہ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں اور ان کے مقابلہ میں نصاریٰ عیسیٰ کو اور یہود عزیز کو خدا کے بیٹے مانتے تھے آیت میں ان سب کی تردید ہے اور بعضوں نے کہا ہے جن سے مراد شیاطین ہیں اور چونکہ مشرکین بُت پرستی میں شیاطین کے تابع تھے تو گویا انہوں نے شیاطین کو ہی خدا کا شریک بنا لیا ۔ بعض کہتے ہیں کہ آیت مجیدہ میں مجُوس کے عقیدہ کی تردید ہے جنہوں نے دُو خدا مانے تھے یزدان اور اہرمن کہ فائدہ مند اور اچھی چیزوں کا خالق یزدان ہے اور موذی و نقصان دہ چیزوں کا خالق اہرمن یعنی شیطان ہے تو انہوں نے خلق میں اہرمن کو یزدان کا شریک مان لیا ۔ جس طرح کہ ثنویہ گروہ نور اور ظلمت دو خدا مانتے ہیں کہ نور خیر کا خالق ہے اور ظُلمت شر کی خالق ہے ۔

تَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ :۔ یعنی خدا بلند و بالا ہے اس سے کہ اس کیلئے بیٹے یا بیٹیاں ہوں کیونکہ اولاد باپ کے مشابہ ہوتی ہے پس اولاد جب حادث ہو گی تو باپ کو بھی حادث ماننا پڑے گا کیونکہ مشابہت کا تقاضا یہی ہے اور ساحتِ قدس الٰہی ان عیب سے پاک و منزا ہے ۔ وہ قدیم ازلی و ابدی اور جمیع صفات کمالات کا جامع ہے ۔

رکوع نمبر ۱۹

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ :۔ یعنی آسمانوں اور زمینوں کا موجد اوّل ہے ایسا نہیں کہ پہلے ان چیزوں کا نمونہ یا مثال موجود ہو اور ان کو دیکھ کر یہ بنائے ہوں ۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٠٢﴾ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا

نے پیدا کیا ہر چیز کو اور وہ ہر شے کو جاننے والا ہے یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار نہیں کوئی معبود سوائے

هُوَ ۖ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿١٠٣﴾ لَا تُدْرِكُهُ

اس کے پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کو پس اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا محافظ ہے نہیں اس کو پاسکتیں

الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٠٤﴾ قَدْ جَاءَكُمْ

آنکھیں اور وہ پالیتا ہے آنکھوں کو اور وہ لطیف و خبیر ہے تحقیق آئی تمہارے

بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَا أَنَا

پاس نصیحتیں اپنے رب کی طرف سے پس جو سمجھتے تو اس کو ہی فائدہ ہوگا اور جو نہ سمجھے اس کو ہی نقصان ہوگا اور میں

عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ﴿١٠٥﴾ وَكَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ وَلِيَقُولُوا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهُ

نہیں تمہارا ذمہ دار اور اسی طرح بیان کرتے ہیں ہم نشانیاں اور تاکہ کہیں کہ تو نے درس لیا ہے اور تاکہ اس کو

لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١٠٦﴾ اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَأَعْرِضْ

بیان کریں اس قوم کیلئے جو سمجھتے ہیں اتباع کرو اس کی جو وحی ہوئی تم پر اپنے رب کی جانب سے نہیں کوئی معبود سوائے اس کے

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ :- جو لوگ خدا کی رویت کے قائل ہیں کہ دنیا میں خواص اس کو دیکھ سکتے ہیں اور قیامت کے دن ہر خاص و عام دیکھے گا۔ انہوں نے خدا کو نہیں سمجھا۔ خدا وہ ہے جس کا احاطہ وہم و گمان بھی نہیں کر سکتے اور جو کسی وقت یا کسی کو بھی نظر آسکتا ہے اس کی مثال و شبہ بن سکتی ہے اور خدا وہ ہے جس کی نہ مثال ہے نہ تشبیہہ اور قرآن کی یہ آیت کھلے لفظوں اعلان کر رہی ہے کہ رویت خدا ناممکن ہے۔

وَلِيَقُولُوا دَرَسْتَ :- اس لام کو لام صیرورہ کہا جاتا ہے۔ یعنی جب آپ نے ایسی پُر از حکمت باتیں بیان کیں اور مسائل توحید کو واضح فرمایا تو وہ کہنے لگے کہ کہیں سے پڑھا ہے اور ہماری تصریف آیات ہی ان کے اس نظریہ کا باعث ہوئی۔ اس کا معطوف علیہ محذوف ہے۔ یعنی ہم آیات بیان کرتے ہیں کئی فوائد کے لئے اور اس لئے کہ کہیں تو پڑھا ہوا ہے۔

عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٧﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ

اور منہ پھیر و شرک کرنے والوں سے اور اگر چاہتا اللہ تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے نہیں کیا تم کو ان پہ نگران اور نہیں ہو تم

عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٨﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا

ان پہ وکیل اور نہ گالی دو ان کو جو پکارتے ہیں اللہ کے سوا پس گالیاں دیں گے اللہ کو ازراہِ عناد بغیر سمجھے

بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا

کے اسی طرح ہم نے زینت دی ہر قوم کیلئے ان کے عمل کو پھر طرف رب کے ان کی بازگشت ہو گی تو لکھتائے گا جو وہ

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ :- مجمع البیان میں ہے یعنی اگر خدا چاہتا کہ ان کو جبرًا و اضطرارًا ایمان پر رکھا جائے تو پھر کوئی بھی مشرک نہ ہوتا۔ لیکن وُہ مجبور تو کرتا نہیں کیونکہ پھر تکلیف ہی ساقط ہو جاتی ہے پس ان کو اختیار دے دیا تاکہ جنت و نار کا استحقاق باقی رہے تفسیر اہلبیت میں ہے کہ اگر خدا چاہتا تو سب لوگ مومن و معصوم ہوتے اور کوئی گنہگار نہ ہوتا پھر جنت و نار کی احتیاج نہ ہوتی پس اس نے استحقاق ثواب وعتاب کیلئے انسانوں کو کرنے اور نہ کرنے کی طاقت بھی دی، اختیار بھی دیا اور حجت بھی تمام کی اور اپنے اوامر و نواہی سے بھی ان کو آگاہ کر دیا۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ :- کتب تفاسیر میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے حضرت رسالتمآبؐ کے اس فرمان کا معنی دریافت کیا گیا کہ شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ آہستہ چلتا ہے جو صاف پتھر پر چل رہی ہو تو آپ نے فرمایا صحابہ مشرکین کے خداؤں کو سب کرتے تھے اور اس کے مقابلہ میں مشرک لوگ خدا کو سب کرتے تھے پس رسولؐ نے اسی لئے صحابہ کو منع فرمایا اور اسی کو شرک خفی قرار دیا اور اس سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ ایسا کام یا ایسی بات کرنا ناجائز ہے جس کی وجہ سے دوسرا شخص خدا کی نافرمانی میں مبتلا ہو جائے۔ تفسیر صافی میں کافی سے منقول ہے۔ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا دشمنانِ خُدا کو سب نہ کرو۔ جبکہ وہ سُن رہے ہوں۔ ورنہ وہ اللہ کو سب کریں گے اور بروایت عیاشی آپ نے فرمایا کیا تم نے کسی سے سُنا ہے کہ اللہ کو سب کرتا ہو تو راوی نے کہا نہیں حضور! آپ نے فرمایا جو شخص ولی اللہ کو سب کرے گا اس نے گویا اللہ کو سب کیا۔ ایک اور مقام پر فرمایا۔ ان کو گالیاں نہ دو ورنہ تمہیں گالیاں دیں گے۔ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے۔ حضرت علیؑ کو فرمایا یا علیؑ جو تجھے سب کرے گا گویا اس نے مجھے سب کیا اس نے گویا اللہ کو سب کیا اور ایسا شخص اُلٹے منہ جہنم میں جائے گا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دشمنانِ خُدا اور رسولؐ سے بیزار ہونا عین ایمان ہے۔ لیکن دشمنانِ خُدا اور رسولؐ کے سامنے ایسی بات کرنا جو توہینِ آئمہ اور سُبکیِ مذہب حقہ کی موجب ہو جائز نہیں ہے۔

لَئِنْ جَآءَتْهُمْ :- تفسیر مجمع البیان میں آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق منقول ہے کہ قریش نے سوال کیا تھا۔ یا محمدؐ! آپ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کے پاس ایک عصا تھا۔ جس کو پتھر پر مارتے تھے تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلتے تھے اور آپ فرماتے ہیں

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٠٩﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ

عمل کرتے ہیں اور انہوں نے قسم کھائی اللہ کی پکی قسم کہ اگر آئی ان پر کوئی نشانی تو ضرور ایمان لائیں گے اس پر کہہ دیجئے

إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ ۖ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١١٠﴾ وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ

کہ بس نشانیاں تو اللہ کے پاس ہی ہیں اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ جب آئیں تو یہ لوگ ایمان نہ لائیں اور الٹا کر دیں گے ہم ان

وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١١﴾

کے دلوں اور آنکھوں کو جس طرح کہ وہ ایمان نہیں لائے اس پر پہلی مرتبہ اور چھوڑتے ہیں ان کو اپنی سرکشی میں کہ وہ سرگرداں ہیں

حضرت عیسٰیؑ مردوں کو زندہ کرتے تھے نیز آپ فرماتے ہیں کہ قوم ثمود کے لئے ناقہ پیدا ہوئی تھی۔ آپ ہمارے سامنے بھی تو کوئی ایسی نشانی ظاہر کریں تاکہ ہم آپ کی تصدیق کریں۔ حضورؐ نے فرمایا تم کونسی نشانی مجھ سے طلب کرتے ہو تو کہنے لگے آپ کوہ صفا کو سونا بنا دیں اور ہمارے بعض مردہ لوگوں کو دوبارہ زندہ کر دیں تاکہ ہم ان سے آپ کے متعلق دریافت کر لیں اور ہمیں فرشتے دکھائیں جو آپ کی شہادت دیں تو آپ نے فرمایا اگر میں ایسا کروں تو مان لوگے؟ انہوں نے کہا خدا کی قسم ضرور مان لیں گے اور آپ کے تابعدار ہو جائیں گے اس کے بعد مسلمانوں نے بھی سفارش کی کہ آپ ایسا ضرور کریں تو حضورؐ دعا کے لئے تیار ہوئے پس جبریل امین کا نزول ہوا۔ اور عرض کی خدا فرماتا ہے اگر آپ چاہیں تو کوہ صفا سونا ہو جائے گا لیکن اگر وہ نہ مانے تو ان کو فوراً مبتلائے عذاب کر دیا جائے گا۔ اگر چاہو تو ان کو اپنی حالت پر رہنے دو۔ تاکہ سوچ سمجھ کر ان کو توبہ کا موقعہ ملے۔ حضورؐ نے فرمایا بس یہی درست ہے۔ لہٰذا دعا ترک کر دی۔

وَنُقَلِّبُ :- یعنی ان کی سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان کے دل الٹ جاتے ہیں پس وہ اگر آیات کو مشاہدہ بھی کر لیں تب بھی ایمان پر موفق نہیں ہوتے یا یہ کہ بروز محشر ان کو ایمان نہ لانے کی سزا دی جائے گی اور وہ عذاب دائمی میں گرفتار رہیں گے۔

پارہ ۸

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةَ وَکَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰی وَحَشَرْنَا عَلَیْهِمْ کُلَّ شَیْءٍ

اور اگر ہم اُتارتے ان پر فرشتے اور کلام کرتے ان سے مُردے اور زندہ کرلائیں ان پر ہر شئے کو

قُبُلًا مَّا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَکَذٰلِکَ

رُو برو تب بھی وہ ایمان لانے کے نہیں مگر یہ کہ چاہے اللہ لیکن اکثر ان کے جاہل ہیں اور اسی طرح

جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ

کئے ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن شیطان انسان اور جن پہنچاتے ہیں ایک دوسرے کی طرف ملمع کی باتیں

الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَلِتَصْغٰٓی اِلَیْهِ

دھوکا کے لئے اور اگر چاہتا تیرا رب تو وہ ایسا نہ کرتے پس چھوڑ ان کو افترا بازیوں کے ساتھ اور تاکہ مائل ہوں اس کی طرف

رکوع نمبر ۱

وَلَوْ اَنَّنَا :۔ یعنی وہ اس قدر ڈھیٹ اور ضدی ہیں کہ اگر ان کے مطالبات پُورے بھی کر دیئے جائیں۔ہم فرشتے بھی اُتار دیں اور مردے بھی ان کے ساتھ کلام کریں اور ہر شئے زندہ ہو کر اُن کے رُوبرو آ جائے تب بھی وہ اپنی ضد کو نہ چھوڑیں گے مگر یہ کہ اللہ ان کو مجبور کرے لیکن اللہ مجبور تو کرتا نہیں۔ لہٰذا ان سے ایمان کی توقع فضول ہے۔

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا :۔ تفسیر برہان و صافی میں بروایت قمی امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ خدا نے جو بھی نبی بھیجا ہے اس کی اُمت میں دو شیطان ایسے ہوئے ہیں جو ان کی موجودگی میں تکلیف دیتے رہے اور ان کے بعد ان کی اُمت کو گمراہ کرتے رہے مثلاً حضرت نوحؑ کی اُمت میں قیطقوس اور خرام حضرت ابراہیمؑ کی اُمت میں مکیل اور رزام حضرت موسیٰؑ کی اُمت میں سامری اور مرعقیا۔ حضرت عیسیٰؑ کی اُمت میں بولس اور مرلیون اور حضرت رسالتمآبؐ کی اُمت میں جلتر اور رزیق جلتر کا معنی لومڑی اور رزیق کا لغوی معنی ہے نیلی آنکھوں والا اسی مناسبت سے ان کے نام جلتر اور رزیق تھے اور یہ دنیاوی تکالیف ہر مومن کے لئے ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ جامع الاخبار میں معصوم سے متعدد روایات منقول ہیں کہ کوئی مومن اگر پہاڑ کی چوٹی پر ہو یا ایک روایت میں ہے دریا کی موجوں میں ہو تو وہاں بھی خدا ایک شیطان کو بھیج دے گا جو اس کو اذیت دیتا رہے گا۔پس دنیا مومن کے لئے آزمائش گاہ ہے اور صبر کلید نجات ہے۔

وَلِتَصْغٰی :۔ اس کا عطف غروراً پر ہے یعنی ملمع کی باتیں کرتے ہیں دھوکا دینے کے لئے اور اس لئے کہ آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دلوں کو اپنی طرف جھکالیں تاکہ وہ ان کی بات مان کر ان کے افعال و کردار میں ان کے شریک ہو جائیں۔

فَلَا تَکُوْنَنَّ :۔ خطاب حضرت رسالتمآبؐ کو ہے اور مراد اس سے اُمت ہے۔

أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُمْ مُقْتَرِفُونَ ۝

دل ان کے جو نہیں ایمان رکھتے قیامت پر اور تاکہ اس کو اپنائیں اور تاکہ کسب کریں جو وہ کسب کرتے ہیں

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ

کیا پھر غیر خدا کو اختیار کروں حاکم حالانکہ اسی نے ہی نازل کی تم پر کتاب مفصل اور جن کو ہم نے

آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ

کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ تحقیق وہ اتاری گئی ہے تیرے رب سے برحق پس نہ ہو تو شک کرنے

الْمُمْتَرِينَ ۝١١٥ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ

والوں میں سے اور پوری ہو بات تیرے رب کی سچائی اور درستی میں نہیں کوئی تبدیل کرنے والا

وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝١١٦ وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ

اس کی باتوں کو اور وہ سننے اور جاننے والا ہے اور اگر تو اطاعت کرے زمین والوں کی اکثریت کی تو تمہیں بھٹکا دیں گے

سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝١١٧ إِنَّ

اللہ کے راستے سے وہ نہیں پیچھے لگتے مگر گمان کے اور نہیں وہ مگر اندازہ کرتے ہیں تحقیق

رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝١١٨

تیرا رب خوب جانتا ہے جو گمراہ ہیں اس کے راستہ سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو

تَمَّتْ كَلِمَتُ :۔ کلمہ سے قرآن یا دین یا حجت خدا باختلاف اقوال مراد لئے گئے ہیں۔ تفسیر آئمہ میں ہے کہ امام شکم مادر میں بھی سن سکتا ہے۔ جب امام کی پیدائش ہوتی ہے تو باختلاف روایات اس کے دونوں کندھوں کے درمیان یا اس کی پیشانی پر یا اس کے دائیں بازو پر یہ آیت نقش ہوتی ہے۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الخ اور جب اپنے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوتا ہے تو خدا اس کے سامنے ایک عمود نور پیدا کرتا ہے جس سے وہ تمام اہل زمانہ کے اعمال دیکھ سکتا ہے (تفسیر برہان وصافی)

وَإِنْ تُطِعْ :۔ آیت مجیدہ صاف بتلا رہی ہے کہ لوگوں کا سوادِ اعظم عموماً گمراہی پر ہوا کرتا ہے اور تھوڑے ہی لوگ حق

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٩﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا

پس کھاؤ اس سے جس پر اللہ کا نام لیا جائے اگر تم اس کی آیات پر ایمان رکھنے والے ہو اور کیا ہے تمہیں کہ نہ

تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا

کھاؤ اس سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے حالانکہ اس نے مفصل بیان کیں جو تم پر حرام کیں مگر وہ جس

اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِأَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ

کے کھانے کے لئے تم مجبور ہو جاؤ اور تحقیق بہت لوگ گمراہ کرتے ہیں اپنی خواہشات سے بغیر جاننے کے تحقیق تیرا رب خوب

هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿١٢٠﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ۗ إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ

جانتا ہے سرکشوں کو اور چھوڑ دو ظاہری گناہ اور باطنی تحقیق جو لوگ کماتے ہیں گناہ

الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿١٢١﴾ وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ

عنقریب بدلہ دیئے جائیں گے اس کا جو کماتے ہیں اور نہ کھاؤ اس سے کہ نہ نام لیا جائے اس پر اللہ کا

پر ہوتے ہیں اسی بناء پر ارشاد ہے کہ اگر آپ اکثریت کے پیچھے جائیں گے تو وہ تمہیں راہِ راست سے بھٹکا دیں گے۔ یعنی قلت یا کثرت صداقت کا معیار نہیں ہے حق والوں کو اپنی قلت سے گھبرانا نہیں چاہیے اور باطل پرستوں کو اپنی کثرت پر اترانا نہیں چاہیے

فَكُلُوْا :۔ چونکہ اکثریت کا نظریہ یہ تھا کہ اپنی ظنیات کو ہی وہ دین سمجھتے تھے چنانچہ مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ تم لوگ اپنی ماری ہوئی چیزیں کھاتے ہو اور خدا کی ماری ہوئی چیز سے گریز کرتے ہو تو ارشاد خداوندی ہوا کہ ان لوگوں کی مزعومہ باتوں کی پرواہ نہ کیجئے۔ پس وہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا جائے اور جن جن چیزوں کو تم پر حرام کر دیا گیا ہے ان کی تفصیل بتا دی گئی ہے۔ ان کے علاوہ سب چیزیں حلال و طیب ہیں۔ پس جو جانور اللہ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو اس کے کھانے میں تم کو کوئی باک نہیں ہونا چاہیے حرام و حلال کی تفصیل اسی جلد کی ابتداء میں مذکور ہو چکی ہے۔

مَا اضْطُرِرْتُمْ :۔ یعنی حرام چیزوں کا کھانا تمہیں جائز نہیں ہے البتہ جہاں مجبوری ہو مثلاً بھوک سے مر رہا ہو اور کھانے کو کوئی چیز دستیاب نہ ہو سکتی ہو تو صرف اتنا کھائے جس سے اس کا نفس محفوظ ہو جائے اور اس قدر اس کیلئے معاف ہو جائیگا۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْإِثْمِ :۔ عرب کا یہ خیال تھا کہ اگر زنا ظاہر کیا جائے تو اس میں گناہ ہے۔ لیکن اگر پوشیدہ طور پر کیا جائے تو اس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔ پس خداوند کریم زنا کی ہر دو قسموں سے منع فرما رہا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ظاہری گناہ سے

عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ

اور تحقیق یہ گناہ ہے اور تحقیق شیاطین وسواس ڈالتے ہیں اپنے دوستوں کو تاکہ تم سے جھگڑیں اور

وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ع اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا

اگر ان کی اطاعت کروگے تو تم مشرک ہو جاؤ گے کیا ہو جو مردہ پس ہم اس کو زندہ کریں اور کریں

لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ

اس کیلئے نور کہ چلے ساتھ اس کے لوگوں میں اس کی مثل ہے جو تاریکیوں میں ہو کہ نہ نکلنے پائے ان سے اسی طرح

زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ

مزین ہے کافروں کیلئے جو کرتے ہیں اور اسی طرح کئے ہم نے ہر بستی میں گنہگاروں کے سرکردہ

مراد اعضاء و جوارح کا فعل اور باطنی گناہ سے مراد عقیدہ قلبی ہے یعنی ظاہری و باطنی ہر دو قسم کی برائیوں سے بچو۔

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ :۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ فارس کے مجوسیوں نے مشرکین مکہ کو لکھا تھا۔ کیونکہ زمانِ قدیم سے ان کی دوستی تھی۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ حضرت محمدؐ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے حکم کی اتباع کرتے ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ وہ اپنی ماری ہوئی چیز تو کھا لیتے ہیں اور خدا کی ماری ہوئی چیزوں کو نہیں کھاتے حالانکہ اللہ کی ماری ہوئی مخلوق کی ماری ہوئی چیز سے بدرجۂ اولیٰ حلال ہونی چاہیئے۔ پس اس خط و کتابت کے متعلق خدا فرماتا ہے کہ شیاطین اپنے دوستوں کو وحی کرتے ہیں۔ بہر کیف اس مطلب کی تفصیل استدلالی طریقہ سے ہم نے کتاب کی اسی جلد کی ابتداء میں بیان کی ہے مزید توضیح وہاں سے طلب کی جائے۔

رکوع نمبر ۲

اَوَمَنْ كَانَ :۔ مردہ کے زندہ ہو کر چلنے کی مثال اس شخص کی ہے جو کفر کے بعد ایمان لائے اور نورِ ایمان کے ساتھ چلے پھرے اور ہمیشہ تاریکیوں میں رہنے والے کی مثال کافروں کی ہے جو نورِ ایمان کو قبول نہیں کرتے تقدیر عبارت یہ ہے :۔ مَثَلُهٗ مِثْلُ مَنْ فِى الظُّلُمٰتِ :۔ یعنی کافر کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی تاریکی میں ڈوبا ہو تو فرماتا ہے کیا روشنی میں چلنے والا تاریکی میں رہنے والے کی طرح ہو سکتا ہے۔ بعضوں نے کہا کہ نورِ ایمان کے ساتھ چلنے والے سے مراد ابوجہل ہے اور تفسیر آئمہ میں نور سے مراد ولایۂ علیؑ لی گئی ہے۔

جَعَلْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ :۔ خداوند کریم نے مکاروں اور گنہگاروں کے تقرر کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ کیونکہ اس نے ان کو ایمان کی طرف تو مجبور کیا نہیں۔ بلکہ اپنے اختیار پہ چھوڑ دیا اور آیاتِ خداوندی کا نزول چونکہ ان کے عناد کی زیادتی کا موجب ہوتا ہے نیز ان کی تمام قوائے بدنیہ خواہ ظاہری ہوں خواہ باطنی سب اللہ ہی کی عطا کردہ ہیں۔ اس لئے اس کی جانب

مُجۡرِمِیۡهَا لِیَمۡكُرُوۡا فِیۡهَا ؕ وَمَا یَمۡكُرُوۡنَ اِلَّا بِاَنۡفُسِهِمۡ وَمَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاِذَا جَآءَتۡهُمۡ

تاکہ وہ اس میں مکر کریں حالانکہ وہ اپنی ذات کے ساتھ ہی کر رہے ہوتے ہیں اور سمجھتے نہیں اور جب آئے ان پر

اٰیَةٌ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ حَتّٰی نُؤۡتٰی مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ ؕ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ

کوئی آیت تو کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ ہمیں دیا جائے مثل اس کے جو دیئے گئے خدا کے رسولؐ۔ اللہ خوب جانتا

یَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَیُصِیۡبُ الَّذِیۡنَ اَجۡرَمُوۡا صَغَارٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِیۡدٌۢ

ہے جہاں رکھتا ہے اپنی رسالت کو عنقریب پہنچے گی ان کو جنہوں نے جرم کیا ذلت اللہ کی جانب سے اور عذاب سخت بوجہ اس

بِمَا كَانُوۡا یَمۡكُرُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾ فَمَنۡ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ یَّهۡدِیَهٗ یَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ ۚ

کے جو کرتے ہیں پس جس کے متعلق چاہے اللہ کہ اس کو ہدایت کرے تو کھولتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے

وَمَنۡ یُّرِدۡ اَنۡ یُّضِلَّهٗ یَجۡعَلۡ صَدۡرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ ؕ

اور جس کے متعلق چاہے کہ اس کو گمراہ کرے تو کرتا ہے اس کا سینہ تنگ و تاریک گویا کہ وہ چڑھتا ہے آسمان پر

منسوب ہونا درست ہے اور مسئلہ جبر و تفویض کو کتاب کی دوسری جلد میں لکھا جا چکا ہے۔

لَنۡ نُّؤۡمِنَ :- تفسیر صافی میں ہے ابوجہل کہتا تھا کہ عبدمناف کی اولاد ہم سے سبقت لینا چاہتی ہے اور کہتے ہیں کہ ہم میں نبی ہے جس کو وحی الٰہی ہوتی ہے تو ہم ہرگز نہ مانیں گے۔ جب تک کہ ہم پر وحی نہ ہوگی تو خدا اس کے قول کی تردید فرما رہا ہے

فَمَنۡ یُّرِدِ اللّٰهُ :- یہ آیت آیاتِ مشکلہ میں سے ہے جس کے ظاہر سے جبر کے قول کی تائید ہوتی ہے لیکن خداوند کریم چونکہ جبر و اکراہ سے منزہ و مبرا ہے۔ نہ وہ جبراً کسی کو ایمان کی طرف لاتا ہے اور نہ جبراً کسی کو کافر بناتا ہے بلکہ اس نے کفر و ایمان کے اختیار کرنے میں انسان کو آزاد کر دیا ہے اور دونوں راستے دکھا دیئے ہیں۔ پھر ایمان کے فوائد اور کفر کے نقصانات بھی واضح کر دیئے پس جو جنت میں جائے تو اپنی مرضی سے اور جو جہنم اختیار کرے وہ بھی اپنی مرضی و اختیار سے تو اس مقام پر آیت مجیدہ کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اپنی مرضی و اختیار سے سوچ سمجھ کر دل سے ایمان لاتے ہیں اور اس کے اصول و فروع پر ثباتِ قدم سے آگے بڑھتے ہیں۔ تو خدا ان کے متعلق دارِ آخرت میں جنت کو واجب کر دیتا ہے اور بہشت میں جانے کی راہیں اس کے سامنے ہموار ہو جاتی ہیں پس اس کا دل اسلام کے ہر حکم کو قبول کرنے کیلئے آگے بڑھتا ہے اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کیلئے اس کا سینہ کھل جاتا ہے اور اسلامی احکام پر عمل کرنے میں بوجھ تو بجائے خود وہ سرور محسوس کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں انتہائی کٹھن اور مشکل مراحل سے عبور کرنا بھی انہیں دشوار نہیں معلوم ہوتا

كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ

اسی طرح کرتا ہے اللہ عذاب ان پر جو ایمان نہیں لاتے اور یہ راستہ ہے میرے رب کا سیدھا

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا

ہم نے کھول کر بیان کیں آیتیں واسطے اس قوم کے جو نصیحت پکڑیں ان کے لئے سلامتی کا گھر اپنے ربّ کے پاس ہے اور وہ ان

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ

کا ولی ہے بوجہ ان کے عمل کے اور جس دن ان کو جمع کرے گا سب کو (تو کہے گا) اے گروہ جن تم نے بہت سے لئے انسان

مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ

(گمراہ کرکے) اور کہیں گے ان کے دوست انسان اے ہمارا رب فائدہ اٹھایا ہم نے ایک دوسرے سے اور پہنچے اس اجل تک جو تو نے ہماری مقرر کی فرمائے گا (خدا)

مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ

جہنم تمہارا ٹھکانا ہے کہ ہمیشہ ہوگے اس میں مگر جب اللہ چاہے تحقیق تیرا رب دانا و بینا ہے اور اسی طرح ملا دیں گے

جیسا کہ شہدائے کربلا کے متعلق تاریخ شاہد ہے کہ بڑھ بڑھ کر نیزوں اور تیروں کو اپنے سینہ پر لیتے تھے اور سرور محسوس کرتے تھے اور اس کے برخلاف جب کوئی شخص اپنے عناد وضد کی بدولت کفر کو اختیار کرے اور اس پر ڈٹا رہے تو خدا اس پر جہنم کو واجب کر دیتا ہے پس جس قدر اس کے سامنے آیاتِ خداوندی کی تلاوت کی جائے اس کے سینہ میں گھٹن اور تنگی زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے اور لمحہ بہ لمحہ حق سے دور تر ہوتا جاتا ہے اور حق کا قبول کرنا اسے اس قدر سخت اور گراں معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آسمان پر چڑھنا مشکل ہے۔ اسی بناء پر آخر میں فرمایا کہ یہ ایمان نہ قبول کرنے کی ان کو سزا ہے اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خدا گمراہ نہیں کرتا بلکہ جو گمراہ ہو جاتے ہیں تو ان کا سینہ قبولِ اسلام سے تنگ ہوتا چلا جاتا ہے اور بالآخر ان کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں اور یہ ایمان نہ لانے کا ان پر عذاب ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ :- یعنی جب بروزِ محشر تمام خلائق کو اٹھایا جائے گا تو ابلیس اور اس کی فوج جو قوم جنات سے ہوگی سب کو خطاب ہوگا کہ تم نے انسانوں کی بڑی جماعت اپنے ساتھ ملا لی تھی اور ممکن ہے کہ ابلیس کی فوج کے وہ کرنل جنرل جو انسانوں میں سے ہوئے وہ بھی اس خطاب میں شامل ہوں وہ اگرچہ جن نہیں تھے لیکن ابلیس کی رفاقت ومحبت نے ان کو اپنا بنا لیا جیسا کہ تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے كُلُّ مَنْ وَالٰى قَوْمًا فَهُوَ مِنْهُمْ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ جِنْسِهِمْ یعنی جو بھی کسی قوم سے محبت کرے وہ انہی سے شمار ہوتا ہے خواہ ان کی جنس سے نہ بھی ہو۔

بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًاۢ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ ع یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ

ہم ظالموں کو ایک دوسرے کے ساتھ بوجہ اس کے کسب کرتے تھے — اے گروہ جن وانس کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس تم میں سے رسول

مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ وَ یُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰۤی

کہ بیان کرتے تم پر ہماری نشانیاں اور تمہیں ڈراتے اس دن کی ملاقات سے کہیں گے ہم مانتے ہیں اپنا قصور اور ان کو

اَنْفُسِنَا وَ غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ شَهِدُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِیْنَ ﴿۱۳۱﴾

دھوکہ دیا زندگانی دنیا نے اور مانیں گے اپنا قصور کہ وہ کافر تھے

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ یَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ

یہ اس لئے کہ نہیں ہے تیرا رب ہلاک کرنے والا بستیوں کو ظلم سے کہ اس کے اہل پردۂ غفلت میں ہوں اور ہر ایک کیلئے درجے ہیں

قَالَ اَوْلِیٰٓؤُهُمْ :- خطاب خداوندی کے جواب میں وُہ انسان نما جن جو ابلیس کے ہم پیالہ وہم نوالہ تھے بول اُٹھیں گے کہ اے پروردگار! ہم موقعہ موقعہ پر ایک دوسرے سے برابر فائدہ اُٹھاتے تھے یعنی ایسا نہیں کہ قوم جن کو اس سلسلہ میں ہم پر سبقت حاصل ہو۔ پس وہ پیش رو ہوں اور ہم ان کے پیرو ہوں بلکہ ہم اس پاٹ کے ادا کرنے میں ابلیس کے برابر کے حصہ دار ہیں کسی وقت وُہ ہم سے امداد لیا کرتا تھا اور کسی وقت ہم اس کی مدد لے کر کام نکال لیتے تھے۔ گویا ابلیس کے مقتدی ہونے میں وُہ اپنی توہین سمجھیں گے پس حکم ہوگا کہ سب جہنم میں جاؤ۔ وہ تمہارا ہمیشہ کا ٹھکانا ہے۔

نُوَلِّیْ :- اس کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ جب لوگوں کے اعمال بد ہو جاتے ہیں تو خدا ان پر ظالم حاکم کو مسلط کر دیتا ہے چنانچہ مجمع البیان میں کافی سے مروی ہے مالک بن دینار کہتا ہے میں نے بعض کتب حکمت میں پڑھا ہے خدا فرماتا ہے میں اللہ بادشاہوں کا بادشاہ ہوں اور بادشاہوں کے دل میرے قبضہ میں ہیں۔ اپنے اطاعت گذاروں پر ان کو رحمت بنا کر مسلط کرتا ہوں اور نافرمانوں پر ان کو عذاب بنا کر مسلط کرتا ہوں پس بادشاہوں کو گالیاں نہ دو بلکہ اپنے مہربان ترین پروردگار کی بارگاہ میں توبہ کرو۔

رکوع نمبر ۳

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ :- خداوند کریم نے جنوں اور انسانوں پر اپنی حجت تمام کرنے کیلئے رسول بھیجے بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہی رسول جو انسانوں کی طرف آتے تھے جنوں پر بھی اتمام حجت کرتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ جنوں کے لئے علیحدہ نبی و رسول بھیجے گئے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ کیا قوم جنات کی طرف بھی خدا نے کوئی رسول بھیجا تھا تو آپ نے فرمایا ہاں ایک نبی بھیجا تھا جس کا نام یوسف تھا اُس نے ان کو دعوتِ توحید دی تو انہوں نے اس کو شہید کر ڈالا تھا حضرت سلیمان پیغمبر جنوں اور انسانوں دونوں کے مبلغ تھے اور حضرت رسالتمآبؐ کے متعلق تو سب کا عقیدہ ہے کہ حضورؐ جنوں

مِمَّا عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝١٣٢ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ

اپنے عمل کے اور نہیں تیرا رب غافل اس سے جو عمل کرتے ہیں اور رب تیرا غنی صاحب رحمت ہے اگر چاہے تو

يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝١٣٣

تمہیں ختم کردے اور پیچھے لائے تمہارے بعد جو چاہے جس طرح تمہیں پیدا کیا دوسروں کی ذریت سے

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝١٣٤ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ

تحقیق جو تم وعدہ کئے گئے ہو آنے والا ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے کہہ دیجئے اے قوم عمل کرو اپنے مقام پر

اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝١٣٥

میں بھی عمل کرتا ہوں پس عنقریب جانو گے کس کے لئے ہے انجام آخرت کا تحقیق نہ چھٹکارا پائیں گے ظالم

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا

اور کیا انہوں نے اللہ کے لئے اس سے جو اس نے پیدا کیا کھیتی اور چوپاؤں سے حصہ تو کہا یہ اللہ کے لئے ہے اپنے گمان کے مطابق اور یہ

اور انسانوں سب کے نبی ہیں۔

وَذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ :۔ یعنی خداوند کریم ظلم کے ساتھ کسی بستی والوں کو عذاب میں گرفتار نہیں کرتا جبتک کہ ان کو غفلت سے جگانے والا کوئی اپنی طرف سے نبی یا حجت نہ بھیجے کیونکہ اتمام حجت کے بغیر عذاب ظلم ہے اور اللہ ظلم سے پاک و منزہ ہے اور وہ عادل ہے

اِنْ يَّشَاْ :۔ یعنی جسطرح تمہیں پیدا کیا اور زمین پر تم کو آباد کیا۔ حالانکہ تم سے پہلے کچھ اور قومیں آباد تھیں اب تم ان کے قائم مقام اور وارث بن گئے ہو اسی طرح اگر خدا چاہے تو ان دونوں قوموں کو ختم کر دے اور ایک ایسی قوم کو زمین کا وارث بنا دے جو ان دونوں سے الگ ہو

عَلٰي مَكَانَتِكُمْ :۔ یعنی اپنی اپنی منزل یا اپنے اپنے مقدور کے مطابق۔ یا اپنے اپنے طریقہ پر یا اپنی حالت پر کام کئے جاؤ اور میں اپنے طریق سے کام کرتا ہوں آخر تم کو معلوم ہوگا کہ اچھائی کس میں تھی؟ گویا یہ تہدیدی سرزنش ہے جو امر کے لباس میں کی گئی ہے۔

عربوں کی بدعادات

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ :۔ تفسیر صافی میں ہے کہ عربوں کا دستور تھا کہ اپنی کھیتی باڑی میں سے ایک حصہ اللہ کیلئے مقرر کرتے جو مساکین پر خرچ کرتے تھے اور اس سے مہمان نوازی بھی کرتے تھے اور ایک حصہ بتوں کیلئے مقرر کرتے جو بت خانہ کے ملازمین کو دیا کرتے تھے پھر دیکھتے تھے کہ جو چیز اللہ کیلئے مقرر ہے اگر وہ زیادہ اچھی ہے تو اس کا بتوں کیلئے مقرر کردہ چیز سے تبادلہ کر لیتے تھے اور اگر بتوں والی چیز زیادہ اچھی ہوتی تو اپنے مقام پر رہنے دیتے تھے اور کہتے تھے اللہ کو کیا ضرورت ہے وہ تو غنی ہے

لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ

ہمارے شریکوں کے لئے پس جوان کے شریکوں کے لئے ہوتا وہ تو اللہ تک نہ پہنچ سکتا تھا اور جو اللہ کے لئے ہوتا تو وہ ان کے شریکوں کو بھی

سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۱۳۷﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ

ملتا تھا بہت بُرا حکم کرتے ہیں وہ اور اسی طرح مزین کیا بہت سے مشرکوں کے لئے اپنی اولاد کا قتل کرنا ان کے شریکوں نے

لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ۖ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿۱۳۸﴾

تاکہ ان کو ہلاک کریں اور تاکہ مشکوک کریں ان پر ان کا دین اور اگر چاہتا اللہ تو ایسا نہ کر سکتے پس چھوڑ دو ان کو ساتھ ان کے افتراؤں کے

وَقَالُوا هٰذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَن نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ

اور کہا انہوں نے کہ یہ چوپائے اور کھیتی منع ہے نہ کھائے اسکو مگر جسے ہم چاہیں اپنے گمان میں اور کئی چوپائے

حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۚ سَيَجْزِيهِم

ان پر سواری حرام ہے اور کئی چوپائے نہیں نام لیتے اللہ کا ان پر افتراء کرتے ہوئے اس پر عنقریب ان کو بدلہ دیگا

اور مجمع البیان میں آئمہ سے مروی ہے کہ اللہ کا مقرر کردہ حصہ اگر بتوں کے حصہ میں مل جاتا تو الگ نہ کرتے تھے لیکن اگر بتوں کے حصہ میں سے کچھ اللہ کے حصہ میں مل جاتا تو اُسے واپس الگ کر لیتے اور کہتے تھے کہ اللہ غنی ہے اسی طرح جب اللہ کے لئے مقرر کردہ کھیتی سے پانی بہہ جاتا اور بتوں کی کھیتی میں آتا تو اس کو بند نہ کرتے تھے لیکن اگر بتوں کی کھیتی کے پانی میں شگاف ہوتا اور اللہ کی کھیتی کی طرف آتا تو اُسے فوراً بند کر لیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ تو غنی ہے اس کو کیا ضرورت ہے۔ خداوند کریم ان کے اس دستور کی حکایت اور مذمت فرما رہا ہے۔

(۲) وَكَذٰلِكَ۔ عادت سابقہ کی طرح بعض عربوں میں دوسری بدعادت یہ تھی کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ فقر و فاقہ کے پیش نظر یا عار و شرم کے خطرہ سے اور بت خانہ کے محافظین نے اس اقدام کی طرف انہیں آمادہ کیا تھا۔ اصل وجہ یہ ہوئی کہ حیرہ کے بادشاہ نعمان بن منذر نے ایک قوم عرب پر چڑھائی کی تو فتح کے بعد وہ ان کی لڑکیوں کو اسیر کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔ جن میں ایک عرب سردار قیس بن عاصم کی لڑکی بھی تھی۔ پھر فریقین کی آپس میں صلح ہوئی تو ہر لڑکی نے واپس آنا قبول کیا لیکن قیس کی لڑکی نے واپس آنے سے انکار کر دیا پس قیس نے قسم اٹھائی کہ ہر پیدا ہونے والی لڑکی کو آئندہ دفن کروں گا پس رفتہ رفتہ یہ بدعادت عربوں میں سرایت کر گئی اور شرفاء عرب نے اپنا دستور مذہب بنا لیا

(۳) ان کا دستور تھا کہ بعض چوپاؤں اور کھیتوں کے متعلق کہتے تھے کہ ان کا کھانا حرام ہے مگر جن لوگوں کو ہم اجازت دیں اور بعض چوپاؤں کے متعلق کہتے تھے ان پر سواری حرام ہے مگر جن کو ہم اجازت دیں اور بعض حیوانوں پر بوقت ذبح بتوں کا نام لیتے تھے اور ان سب باتوں کے

بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿١٣٩﴾ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا

ان کے افتراؤں کا اور کہا اُنہوں نے کہ جو ان چوپاؤں کے شکم میں ہے خالص ہے ہمارے مردوں کیلئے

وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا ۖ وَإِن يَكُن مَّيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ ۚ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ

اور حرام ہے ہماری عورتوں پر اور اگر وُہ مُردہ ہو تو سب اس میں شریک ہوتے ہیں۔ عنقریب بدلہ دے گا

إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿١٤٠﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا

ان کو ان کی باتوں کا تحقیق وُہ دانا و بینا ہے تحقیق نقصان اُٹھایا جنہوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا بیوقوفی سے بغیر علم کے اور حرام کیا اپنے

مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ ۚ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٤١﴾ ع ۳

اُوپر وہ جو ان کو رزق دیا اللہ نے افترا کرتے ہوئے اللہ پر تحقیق گمراہ ہوئے اور نہ تھے ہدایت پانے والے

باوجود دعویٰ کرتے تھے کہ ہم کو اللہ نے حکم دیا ہے پس وہ اللہ پر افتراء پردازی بھی کرتے اسی جلد کی ابتداء میں سائبہ وسیلہ اور حام کی تفسیر میں اس مقصد کی تفصیل گذر چکی ہے۔ صـ۱۷۴ و صـ۱۷۵

(۴) وَقَالُوا :۔ بحیرہ اور سائبہ کے پیٹ میں جو بچہ ہوتا تھا وہ کہتے تھے کہ اگر بچہ زندہ پیدا ہوگا تو مردوں پر حلال ہوگا اور عورتوں پر حرام ہوگا لیکن اگر اُن کے پیٹ سے بچہ مُردہ پیدا ہو تو اس میں عورت و مرد دونوں شریک ہوں گے اور ہر ایک پر اس کا کھانا حلال ہوگا اور اسی شق میں ان کی نافرمانی چار طرح کی تھی (۱) اللہ کا نام لئے بغیر ذبح کرنا (۲) اسے خُدا کا حُکم کہہ کر حلال جاننا (۳) زندہ پیدا ہونے والے بچے میں مرد و عورت کا تفرقہ (۴) مردہ بچے میں دونوں کی مساوات۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ :۔ عربوں کی ان جاہلی بدعادات کا مرجع و مآل دو باتیں بنتی ہیں۔ لڑکیوں کو قتل کرنا۔ خدا کے حلال کو حرام اور اس کے حرام کو حلال سمجھنا پس اس آیت مجیدہ میں پرزور الفاظ میں ان کی سرزنش فرمائی۔ پہلے فرمایا کہ وہ خسارہ میں ہیں جو اولاد کو قتل کرتے ہیں اور اللہ کے حلال رزق کو حرام کہتے ہیں پھر فرمایا یہ ان کے کرتوت اللہ پر افتراء ہیں پھر آخر میں فرمایا کہ ایسے لوگ راہِ راست سے دُور اور گمراہی میں مبتلا ہیں۔

عبرت و نصیحت

قرآن مجید میں اس قسم کے قصص و حکایات صرف کانوں تک محدود رکھنے کے لئے نہیں بلکہ اس قسم کے واقعات درحقیقت قیامت تک کے لئے درس آموز ہیں اور قرآنی تصریحات سے صاف ظاہر ہے کہ جاہلی عرب خدا کے وجود کے منکر نہیں تھے بلکہ بتوں کی پرستش کو ذات احدیت تک رسائی کا اور اس کی بارگاہ تک قرب حاصل کرنے کا وسیلہ قرار دیتے تھے۔ باایں ہمہ ان کو مشرک کہا گیا ہے کیونکہ وہ اپنے اعمال سے

بتوں کو استقلالی حیثیت دے کر فرائض خداوندی کو نظر انداز کرتے تھے اور اپنی اچھی سے اچھی چیز بتوں کی نذر کر کے بُری اور ردّی چیز خدا کے لئے مقرر کر دیتے تھے اور بہانہ یہ کرتے تھے کہ خدا کو کیا ضرورت ہے۔ وہ تو غنی مطلق ہے میری قوم اگر بُرا نہ مانے تو ذرا ہم بھی چشم بصیرت سے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ ان جیسی عادات ہم میں تو کہیں نہیں پائی جاتیں ہم نے خدا اور وسیلہ کے درمیان تو اس قسم کی تقسیم نہیں کی ہم خدا کے لئے کتنی قربانی کرتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ وسیلہ کیلئے جس قدر قربانی کی جاتی ہے وہ درحقیقت خدا کی خوشنودی کے لئے ہی ہے تو پھر دیکھنا یہ ہو گا کہ عرب جو قربانیاں وسیلہ کی نذر کرتے تھے۔ کیا وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ ہم اللہ کی خوشنودی کی خاطر ہی ایسا کرتے ہیں۔ پھر فرق کیا رہا؟ کروڑہا روپیہ ہر سال عزاداری کے نام پر صرف ہوتا ہے لیکن اگر نظر غائر اور فکر صائب سے حالات وحقائق کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اتنی زرِکثیر میں سے صرف ہزاروں روپے کا خرچ خوشنودی خدا کیلئے ہوتا ہے اور اس کا اکثر حصہ نام ونمود یا تعیش دماغی یا بے ہودہ رسوم اور فقط ہاؤ ہو کی خاطر ہی برباد ہو جاتا ہے اور اکثر دیکھا جاتا ہے کہ عزاداری کی اسٹیج شرعی احکام اور قرآنی فرامین سے بالکل بیگانہ ہوتی ہے بحضرت سید الشہداء علیہ السلام کا مقصد شہادت قطعاً نظر انداز کر دیا جاتا ہے خود اسٹیج پر تشریف لانے والے حضرات حسینی کردار سے انتہائی بیگانہ اور کوسوں دُور ہوتے ہیں جن جن خلاف شرع باتوں کے خلاف حسین علیہ السلام نے قربانی دی تھی اس سے کئی گنا زیادہ خرابیاں ان حضرات میں ہویدا ہوتی ہیں جو ذکرِ حسینی کیلئے پیش پیش نظر آتے ہیں رنگ وشباہت میں اسلام سے پہلو تہی۔ لباس غیر اسلامی اخلاق میں بے راہ روی اور عادات میں بے پناہ بے دینی کا ظہور نہ نماز نہ روزہ اور نہ حلال وحرام میں فرق غرضیکہ صرف زبان سے اعلان ہوتا ہے اور پرزور لفظوں میں ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ حسینؑ نے اسلام کو زندہ کیا اس سے مراد یہی اسلام ہے جو ان لوگوں کے عادات واطوار اور کردار وگفتار سے عیاں ہے۔ دریں صورت اگر کوئی جویائے حق مجلس میں آجائے تو وہ کیا درس لے کر جائے گا۔ اور کونسی حقیقت سے متاثر ہو کر پلٹے گا وہ صرف اس جملہ پر اکتفا کرے گا کہ حسینؑ کا رونا ہی نجات کے لئے کافی ہے وہ تو پوچھے گا کہ حسینؑ نے کس مقصد کو پروان چڑھایا اور کون سے اسلام میں از سرِ نو رُوحِ حیات پھونکی اور حسینؑ کے مقصد اور اس کے پیش کردہ اسلام میں سے تم نے کیا کچھ لیا۔ اگر اپنا کردار یزیدی ہو تو صرف زبان سے حسینؑ کی حقانیت کا نعرہ بلند کرنا چنداں مفید نہیں ہو سکتا اور جب اسٹیج حسینی پر تشریف لانے والے دینِ حسینؑ سے بیگانہ ہوں، تو عوام کا کونسا رونا رویا جائے۔ عوام کو وہی پسند ہو گا جو اسلام کا پیغام سنجالے بغیر سیدھی جنت کا ٹکٹ دیدے۔ وہ یہ نہ بتائے کہ حسینؑ کا دین کیا تھا اور حسینؑ کا مشن کیا تھا۔ صرف وہ یہ لفظ دہراتا رہے کہ حسینؑ جنت کا سردار ہے وہ یہ نہ کہے کہ علیؑ والوں پر کونسے فرائض عائد ہوتے ہیں اور شیعانِ علیؑ کی علامات کیا ہیں؟ بلکہ صرف اتنا ہی کہدے کہ علیؑ کا نام لینے والے جاگیرِ جنت کے مالک ہو جاتے ہیں بس مجالس کا مآل صرف یہی ہو کر رہ گیا۔ آمدند نشستند وبرخواستند۔ جیسے گئے ویسے واپس آگئے یہی سُنی سنائی بات پھر سُن کر آگئے کہ علیؑ امام حق تھا اور حسینؑ بے گناہ مارے گئے۔ یہ درس نہ کسی نے پڑھا اور نہ سُنا کہ علیؑ نے ہمیں لائحہ عمل اور دستورِ زندگی کیا کچھ بتایا اور حسینؑ کن اصول وفروع کو فروغ دینے کے حامی تھے۔ جن کی وجہ سے اس قدر دلسوز وہوشربا مصائب کا سامنا کرنا پڑا؟

اگر یہ کہا جائے کہ یہ کوتاہی کن کی ہے اور اس کا مجرم کون ہے ؟ تو میں کھلے لفظوں میں بلاجھجک کہنے کو تیار ہوں کہ سب سے بڑا قصور ان لوگوں کا ہے جو اپنے تئیں عالم کہلوا کر کلمۂ حق کے زبان سے جاری کرنے سے گریز کرتے ہیں انہوں نے اسٹیج حسینی کے فرائض کو یکسر پس پُشت ڈال دیا اور عوام کی خوشنودی اور اپنی جیب بھری کی خاطر ان کو مقصد شہادت سے بے بہرہ رکھا جس طرح سابق علمائے یہود منافع دنیاویہ کی خاطر تورات کی آیات کو توڑ مروڑ کر اپنا کام نکالتے تھے جن آیات میں بداعمالیوں کی سزا کا بیان ہوتا یا جو آیات نیک اعمال کی دعوت دیتیں ان کو چھپاتے تھے اور جن آیات میں حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانے والوں کے لئے جنت کی پیش کش تھی ان کو دہرا دہرا کر قوم کو خوش کرتے اور ان کے حلوے مانڈے وصول کر کے پیٹ بھری کرتے تھے۔ ان لوگوں نے بعینہٖ انہی عادات کا مظاہرہ مطمع نظر رکھ دیا ہے کہ جن جن احادیث و آیات میں عمل کی دعوت ہے۔ اسٹیج پر ان کو پس پُشت ڈال دیا جاتا ہے اور جن جن آیات و احادیث میں ولاء علیؑ پر جنت کی پیش کش ہے وہ زور زور سے بیان کی جاتی ہیں۔ نعرے بھی لگ گئے داد تحسین بھی ہو گئی اور جیب بھی بھر ہو گئی اگر یہ کہا جائے کہ عوام اب اعمال کی بات سنتے نہیں تو یہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ عوام کو جس طرح فضائل کے سننے کا عادی بنا دیا گیا ہے ان کو احکام شرعیہ کے سننے کا عادی بھی بنایا جا سکتا ہے ایران و عراق میں ذاکرین و واعظین مجالس میں مسائل شرعیہ بیان کرتے ہیں اور لوگ سُنتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہاں کی عورتیں بھی باریک و دقیق مسائل فقہیہ سے بخوبی واقف ہیں اور یہ ہمارا اسٹیج چونکہ احکام شرعیہ سے بیگانہ ہے۔ یہاں عورتیں تو بجائے خود مردوں کو بھی کسی دینی حکم کا پتہ نہیں اور ایمان کے بڑے بڑے دعوے کرنے والوں کو معمولی سے معمولی مسئلہ فقہیہ سے واقفیت نہیں نماز روزہ کے جزوی مسائل تو درکنار خود نماز نہیں آتی کلمہ پڑھنا نہیں آتا۔ وضو و غسل کے طریقہ کا پتہ نہیں اور صحیح طہارت کی خبر نہیں تو بتائیے۔ ستر یا اسی سال حسینؑ کے ماتم کی صف بچھانے والے کو تادمِ مرگ کلمۂ اسلام بھی درست یاد نہ ہو سکے تو اس نے اس طویل عرصہ میں حسینی پیغام کیا سُنا اور وہ کیا سمجھا کہ حسینؑ نے کونسا اسلام بچایا تھا اور اس اسلام کی حدود کونسی ہیں؟ علیؑ کی غصب خلافت کو روتے ہیں لیکن یہ کسی نے نہ بتایا کہ علیؑ کون کون سے قوانین و فرامین کا نفاذ چاہتے تھے۔ خدا کی قسم صفحۂ قرطاس پر اپنا درد دل زبانِ قلم سے اُگل رہا ہوں۔ بہت کچھ داستانِ غم باقی ہے لیکن موضوع اجازت نہیں دیتا کہ آگے بڑھوں غور کیجئے۔ کروڑ ہا روپیہ کا سالانہ خرچ کس جائز مصرف پر کام آیا۔ ہاں عوام کو اس لائن پر لگایا جا سکتا ہے بشرطیکہ بیان کرنے والے اپنے بیان میں حسینی مشن کی پاسداری کا خیال کریں۔ یہ بیان کرنے والوں سے لوگوں نے سُنا کہ حسینی مقصد کی اشاعت میں جس قدر روپیہ خرچ ہو۔ وہ باعث خوشنودی خدا و رسولؐ ہے تو کروڑ ہا روپیہ ہر سال عزاداری کے بہانے سے خرچ ہو جاتا ہے اگر ساتھ ساتھ یہ بھی بیان ہوتا کہ اس روپیہ کا جائز مصرف یہ ہے اور ناجائز یہ ہے تو اس میں کیا قباحت تھی لیکن چونکہ اپنی آمدنی میں کمی کا اندیشہ ہے لہٰذا خرچ کرنا بتایا اور کس طرح کرنا ہے ؟ نہ بتایا۔ بیان کرنے والوں کے زور بیان کے نتیجہ میں جو لوگ اپنے بدنوں کو چھلنی کر سکتے ہیں تو اگر حسینؑ کی نماز کے صدقہ میں نماز کی اہمیت بیان ہوتی تو وہ کس طرح قبول نہ کرتے جس کے دل میں حسینؑ کا درد ہے اس کے دل میں حسینؑ کی ہر پیاری چیز کا درد ہو گا اگر بتایا جائے کہ حسینؑ کو نماز کس قدر عزیز تھی کہ چلچلاتی ہوئی دھوپ میں بلبلاتے ہوئے بچوں کو دیکھتے چمکتی ہوئی تلواروں کے سائے میں بل کھاتے نیزوں کے سامنے اور طوفان کی طرح برستے ہوئے

تیروں کی بارش میں ہر محبت کو دل سے نکال کر اپنے پروردگار کی محبت میں سربسجود ہو کر نماز اور دین خدا کی لاج رکھ لی۔ بھلا نماز کی یہ اہمیت سُن کر کون حسینیؑ ہے جو نماز خدا سے منہ پھیرے اسی طرح تمام احکام شرعیہ کو اگر اہمیت سے بیان کیا جائے تو عوام میں قبول کا مادہ بھی ہے اور وہ ہر ممکن قربانی دینے کو تیار بھی ہیں جو قوم کروڑہا روپیہ سالانہ عزاداری پر خرچ کر سکتی ہے وُہ فرائض زکوٰۃ و خمس سے کیوں ناآشنا ہو۔ جو قوم زیارات پر شوق سے روپیہ خرچ کر سکتی ہے وہ حج سے بے بہرہ کیوں ہو؟ ہاں میں واشگاف الفاظ میں کہنے کو تیار ہوں کہ جو لوگ اپنے مال سے زکوٰۃ و خمس ادا نہیں کرتے تو ان کے مال میں مساکین و غرباء کے حقوق موجود ہیں۔ اگر ایسا روپیہ عزاداری پر خرچ کیا جائے تو فائدہ مند نہ ہوگا۔ ہر عزادار کو سوچنا چاہیئے کہ آیا میرا مال جس سے عزاداری پر خرچ کر رہا ہوں حلال تو ہے اگر حلال نہیں تو پہلے حلال کرنا ضروری ہے۔ پھر خرچ کرے بعض لوگ یہ بھی کرتے ہیں کہ زکوٰۃ یا خمس علیحدہ کر لیتے ہیں اور آہستہ آہستہ سال بھر کی مجالس میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ ذاکرین و واعظین کی خدمت بھی اسی پیسہ سے کی جاتی ہے اور یہ سراسر ناجائز اور غلط طریقہ ہے اس سے نہ فریضۂ زکوٰۃ و خمس ادا ہوگا اور نہ عزاداری کا ثواب ملے گا۔ پس خدا کی جانب سے فرض کردہ حقوق اپنے مقام پر رہیں اور آئمہ کی طرف سے عائد شدہ حقوق اپنے مقام پر رہیں۔ جس مال سے خدائی حقوق ادا نہ ہوں گے وہ بارگاہِ آئمہ میں بھی قابلِ قبول نہ ہوگا۔ جاہل عرب کے دستور کی مذمت سے ہمیں عبرت و نصیحت حاصل کرنی چاہیئے ورنہ ہم بھی اسی مذمت کے حقدار ہوں گے۔ جس طرح وہ تھے۔ کیونکہ قرآنی آیات قیامت تک کیلئے زندہ ہیں۔ حسینی مشن کی تبلیغ کے دو طریقے ہیں۔ ایک عمومی طریقہ جس کے ذریعہ سے حسینی مشن کی صداقت و حقانیت سے عام انسانوں کو روشناس کرایا جائے۔ اور دوسرا خصوصی طریقہ جس سے حسینی مشن کو آئندہ نسلوں تک پہنچانے کا انتظام کیا جائے۔ پہلی صورت کیلئے انعقادِ مجالس اور اہتمام عزاداری نہایت کامیاب اور مفید ترین طریقہ ہے لیکن دوسری صورت کے لئے جس کا نتیجہ پہلی صورت کی بہ نسبت زیادہ معنی خیز اور مفید تر ہے وہ زیادہ سے زیادہ مدارس دینیہ کا قیام ہی ہو سکتا ہے کیونکہ مدارس دینیہ علوم آل محمدؐ کی نشرگاہیں ہیں۔ ان کے ذرایعہ سے حسینی مشن کے صحیح خدوخال معلوم ہوتے ہیں۔ دشمنانِ دین کے سوالات کے جوابات کا بھی انہی سے پتہ چلتا ہے اور مقصدِ حسینی کی پوری وضاحت کے کفیل بھی یہی ہو سکتے ہیں اگر ہم نظرِ انصاف سے دیکھیں تو دوسری اقوام کے سامنے شرم کے مارے منہ نیچا کرنا پڑتا ہے۔ کہ جہاں دوسری اقوام کے دینی مدارس کی تعداد ہزاروں سے زائد ہے تو وہاں حسینی مشن کے پاسدار مدارسِ جعفریہ کی تعداد پورے مُلک میں انگلیوں پر گننے کے قابل ہے اور پھر وہ بھی کس مپرسی کی حالت میں۔ اگر میری قوم بُرا نہ مانے تو عرض کر دوں۔ جہاں حسینی مشن کی تبلیغ و ترویج کے عمومی پہلو کی خاطر کروڑہا روپیہ سالانہ صرف کیا جاتا ہے۔ وہاں اس مقدار سے نصف ہی یا چوتھائی ہی سہی۔ بلکہ اس سے بھی بہت کم۔ بہرحال کچھ نہ کچھ تو پیغام حُسینی کی خصوصی ترویج و بقا کے لئے بھی خرچ ہو۔ پس جہاں ہمارا عمومی تبلیغی پہلو کامیاب ہے وہاں ہمیں اس پہلو سے بھی پہلو تہی نہیں کرنی چاہیئے۔ ہم نے اپنی قوم کی سخاوت اور دریا دلی کے بل بوتہ پر جامعہ علمیہ باب النجف کی بنیاد ایک ایسے علاقہ میں رکھی تھی۔ جہاں حسینی والوں کی تعداد بہت کم تھی لیکن ہمیں یہ یقین تھا کہ قوم کا ہر فرد اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے اس کو اوجِ رفعت پر پہنچانے میں ہماری آواز پر لبیک کہے گا لیکن تجربہ کے بعد معلوم ہُوا کہ قوم صرف وہاں خرچ کرتی ہے

جہاں نام ونمود ہو ہاؤ ہو ہو اور رسمی و دماغی عیاشی ہو۔ دیکھئے میں خود عزادار ہوں اور عزاداری کو عین ایمان سمجھتا ہوں لیکن میں چاہتا ہوں کہ امام حسینؑ کی عزاداری میں تصنع اور بناوٹ کا رنگ نہ ہو بلکہ حقیقت ہی حقیقت ہو۔ ہماری عزاداری صحیح معنوں میں ہو عزادار صحیح معنوں میں ہوں، بیان کرنے والے صحیح طریقہ پر بیان کریں اور اس پر جو خرچ ہو۔ صحیح طریقہ پر ہو۔ تاکہ ہر دیکھنے اور سننے والے کو ہماری عزاداری اپنی طرف جذب کر سکے۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارا کردار، ہمارا طریقہ، ہماری عادات خود مفہوم عزاداری کے خلاف علم بغاوت بلند کئے ہوں تو اس صورت میں دیکھنے والا بجائے عبرت ونصیحت حاصل کرنے کے تماشائی بن کر آئے گا اور ویسے کا ویسا پلٹے گا اور اس قسم کی غلطیوں کا ازالہ صرف مدارس دینیہ کی کثرت سے ہی ہو سکتا ہے اور علمائے کرام کی حوصلہ افزائی سے ہی اس اہم مقصد میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے اگر مدارس دینیہ پر صرف رقوم واجبہ ہی خرچ کی جائیں۔ تب بھی بہت کچھ کام چل سکتا ہے۔ قرآن مجید نے لڑکیوں کے قتل کرنے کی مذمت کی۔ اس قصہ کو صرف اسی حد تک محدود رکھنا ناانصافی ہے کہ صرف جاہل عربوں کا ہی دستور تھا۔ چونکہ قرآن کی ہر آیت قیامت تک زندہ ہے لہٰذا قیامت تک کے لئے آیت مجیدہ کا محل باقی ہے اس زمانہ میں عار وشرم کی وجہ سے لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا یا قتل کر دیا جاتا تھا۔ تاکہ ہماری لڑکی کو دوسرا کوئی نہ لے اگر یہ عادت ہم میں بھی موجود ہو تو اس سے بچنا ہمارا فرض ہوگا بمضمون احادیث ہے کہ کنواری نوجوان لڑکی کو بلا وجہ شادی سے محروم رکھنا گناہ ہے اور نیک بخت ہے وہ انسان جسکی لڑکی پہلا خون حیض بھی شوہر والا ہو کر دیکھے اور ایک حدیث میں ہے اگر کوئی مومن کسی مومن سے لڑکی کا رشتہ طلب کرے تو اگر وہ طلب کرنے والا حق مہر اور لڑکی کے اخراجات ادا کرنے پر توفیق رکھتا ہے تو لڑکی والے پر اس کی خواہش کو قبول کرنا واجب ہے۔ بشرطیکہ کسی اہم نقصان یا خرابی کا خطرہ نہ ہو۔ احادیث اس باب میں بکثرت موجود ہیں۔ پس جوان لڑکی کو بلا عذر شرعی بغیر شادی کے گھر رکھنا گناہ کبیرہ ہے اور جو لوگ اس بدترین گناہ کے مرتکب ہیں وہ ان عربوں سے بدتر ہیں۔ جو لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے کیونکہ اُن کے ظلم سے لڑکی کا سرے سے خاتمہ ہو جاتا تھا اور ان کے ظلم سے تو جوان لڑکی نہ مرتی ہے اور نہ جیتی ہے۔ بعض جہلا جب اپنی لڑکی کا رشتہ کہیں نہیں کرتے اور عذر کرتے ہیں کہ ہمیں شان موافق داماد نہیں ملتا۔ بعینہٖ انہی جاہل عربوں والا عذر ہے۔ پھر بعض مقامات پر کہتے ہیں ہماری لڑکی کا قرآن سے عقد ہے کوئی کہتا ہے کہ مصلا سے عقد ہے کوئی کہتا ہے علم حضرت عباس سے عقد ہے اس قسم کے خرافات پنجاب کے بعض خاندانوں میں اب تک موجود ہیں اور اسی کا نام ہے زندہ درگور کرنا۔ ان جہلا سے پوچھنے والا کوئی نہیں۔ کہ اپنے لڑکوں کی تو دو دو بلکہ تین تین اور چار چار تک بیویوں سے شادی کرادی جاتی ہے ان میں سے کسی ایک کا تو قرآن یا مصلا یا علم سے عقد کردو لیکن وُہ چونکہ مرد ہیں۔ اس لئے آزاد ہیں اور لڑکیاں چونکہ مسکین ہوتی ہیں اور حیا ان کو مانع ہوتی ہے اپنی خواہش کے اظہار کو اپنی عفت وشرافت کے منافی سمجھتی ہیں۔ اس لئے ماں باپ کے سامنے نام نہیں لے سکتیں۔ پس ان کو اُلٹی چھری سے ذبح کیا جاتا ہے اور وُہ اندرون پردہ موت سی زندگی گذار کر دنیا سے آخر چل بستی ہیں۔ خدا ایسے لوگوں کو ہدایت کرے جو اپنی اولاد پر اس قسم کے مظالم ڈھاتے ہیں اور ان کو ذرہ بھر بھی رحم نہیں آتا۔

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ

وہ وہی ہے جس نے پیدا کئے باغات چھتوں پر اور بغیر چھتوں کے اور کھجور اور کھیتی کو

مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۚ كُلُوا مِن ثَمَرِهِ

الگ الگ ہے ان کا ذائقہ اور زیتون اور انار ملتے جلتے اور جدا جدا کھاؤ ان کے پھل

إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ۖ وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿١٤٢﴾

جب پھلدار ہوں اور ادا کرو اس کا حق کٹائی کے دن اور نہ بے جا خرچ کرو تحقیق وہ نہیں دوست رکھتا بے جا خرچ کرنے والوں کو

وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةً وَفَرْشًا ۚ كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ

اور چوپاؤں سے سواری کے لئے اور فرش کے لئے کھاؤ جو تمہیں رزق دیا اللہ نے اور نہ پیچھے چلو نقش قدم

الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿١٤٣﴾ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ ۖ مِّنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ

شیطان کے تحقیق وہ کھلا تمہارا دشمن ہے آٹھ جوڑے بھیڑ سے دو اور

رکوع نمبر ۴ ۔ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ :۔ یعنی بعض پودے ایسے ہوتے ہیں جن کے لئے زمین سے بلند چھتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے جیسے انگور اور بعض پودوں کیلئے چھتوں کے اہتمام کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ :۔ اس حق سے زکوٰۃ مراد نہیں کیونکہ زکوٰۃ کا حکم مدینہ میں نازل ہوا ۔ اور یہ آیت مکی ہے بلکہ یہاں حق سے مراد عام صدقہ ہے ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کھیتی میں دو حق واجب ہوتے ہیں ایک وہ حق جس کا مواخذہ ہوگا اور دوسرا وہ حق جو محض عطا ہے اور اس کے ترک کا مواخذہ نہ ہوگا ۔ وہ حق جس کا مواخذہ ہوگا اس سے مراد زکوٰۃ ہے جو دسواں یا بیسواں حصہ نکالا جاتا ہے اور وہ حق جس کا مواخذہ نہ ہوگا وہ یہ کہ فصل کی کٹائی کے دن سائلین اور مساکین کو ایک ایک مٹھی دی جائے اور اس مضمون کی احادیث بکثرت وارد ہیں ۔ چنانچہ معصوم نے فرمایا کہ رات کو فصل جمع نہ کرو، نہ کٹائی کرو نہ قربانی کرو اور نہ کھیتی میں بیج ڈالو کیونکہ یہ مواقع ہیں صدقہ کے اور رات کو کوئی سائل مسکین نہ آسکے گا ۔ لہٰذا خیرات نہ نکل سکے گی ۔

وَلَا تُسْرِفُوْا :۔ فرمایا مذکورہ صدقہ دیتے وقت ایک مسکین کو ایک مٹھی سے زیادہ دینا اسراف شمار ہوتا ہے بس ایک کو ایک ہاتھ کی مٹھی کی مقدار دو

وَمِنَ الْاَنْعَامِ :۔ یعنی وہ اللہ جس نے باغات پیدا کئے اور چوپاؤں میں سواری کے جانور پیدا کئے جن کی اون اور بالوں سے کپڑے تیار کئے جاتے ہیں جو بچھانے کے کام آتے ہیں یا ان کے چمڑوں کے بچھونے بنتے ہیں ۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ :۔ آٹھ جوڑے دو بھیڑ کے ایک پالتو اور دوسرا جنگلی ۔ اسی طرح دو بکری کے ایک پالتو اور دوسرا جنگلی دو اونٹ کے

الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ

بکری سے دو کہہ دو نر حرام کئے اس نے یا دو مادہ یا وہ جو اندر ہیں مادہ کے رحم میں ؟

نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗ

علم کی بات بتاؤ اگر تم سچے ہو اور اونٹ سے دو اور گائے سے دو کہو

الذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ كُنْتُمْ

کیا دو نر حرام کئے اس نے یا دو مادہ یا جو اندر ہے مادہ کے رحم میں؟ کیا تم حاضر تھے

شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِھٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ

جب تم کو حکم دیا اللہ نے اس بات کا ؟ تو کون زیادہ ظالم ہے اُس سے جو افتراء باندھے اللہ پر جھوٹ کا تاکہ گمراہ کریں

النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ

لوگوں کو بغیر علم کے تحقیق اللہ نہیں ہدایت کرتا ظالم لوگوں کو کہہ دیجئے نہیں پاتا میں اس میں

ایک عربی اور دوسرا بخاتی اور دو گائے کے ایک پالتو اور دوسرا جنگلی ۔ یعنی ان چار قسموں میں سے ہر ایک دو قسموں پر منقسم ہے پس کل آٹھ قسمیں ہیں اور سب کو جوڑا جوڑا پیدا کیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ بھیڑ کے جوڑے سے بھیڑ کا نر و مادہ اور بکری کے جوڑے سے بکری کا نر و مادہ اسی طرح اونٹ اور گائے کے جوڑے سے ان کے نر و مادہ مراد ہوں ۔

قُلْ الخ :۔ عرب کی جاہلی رسوم کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ ان سے دریافت کرو ۔ کیا خدا نے ان پر نر حرام کئے ہیں یا مادہ یا وہ جو ان کے مادہ کے شکم میں ہوں ؟ یعنی ان میں سے کوئی بھی حرام نہیں ۔

اَمْ كُنْتُمْ :۔ یعنی تم لوگ نبیوں اور رسولوں کو مانتے نہیں اور باوجود اس کے اپنی باطل رسوم کو اور غلط طریقہ کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہو تو بتاؤ تو سہی کہ پھر خدا نے بالمشافہ تم سے گفتگو کی تھی ۔ پھر فرمایا کس قدر ظالم ہے وہ شخص جو اللہ پر بہتان تراشی کرلے اور لوگوں کو اپنی جہالت سے گمراہ کرتا پھرے

لَا يَهْدِي :۔ یعنی وہ لوگ جو اپنی سرکشی اور ضد کی وجہ سے آیاتِ الٰہیہ کو پس پشت ڈالیں اور پھر بداعمالیوں میں منہمک رہیں تو ان سے توفیقِ ہدایت سلب ہو جاتی ہے اور اللہ کی طرف نسبت اس لئے ہے کہ وہ تمام قوائے انسانیہ کا مبداء اول ہے ۔

رکوع نمبر ۵ :۔ حلال و حرام جانور :۔ قُلْ لَّآ اَجِدُ :۔ سورۂ مائدہ کے اوائل میں حرام و حلال کی تفصیلات پر روشنی ڈالی جا چکی ہے کہ خداوند کریم نے حلال و حرام کے لئے ایک کلیہ قاعدہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہر پاکیزہ چیز تم پر حلال ہے ۔ اور ہر خبیث چیز تم پر حرام ہے

أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا

جو مجھ پہ وحی ہوئی کہ کوئی چیز حرام ہو کھانے والے پہ جو کھائے مگر یہ کہ مردہ ہو یا گرایا ہُوا خون ہو

أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ

یا سور کا گوشت ہو کہ وہ پلید ہے یا فسق ہو کہ نام لیا جائے غیر خدا کا اس پر پس جو لاچار ہو کہ نہ باغی ہو

وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤٦﴾ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ

اور نہ سرکش تو تحقیق تیرا رب معاف کرنیوالا مہربان ہے اور ان پر جو یہودی ہیں ہم نے حرام کیا ہر ناخن دار

وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا

اور گائے اور بھیڑ سے ہم نے حرام کیا ان پہ ان کی چربی کو مگر وہ جو اُوپر پُشت کے ہو یا انتڑیوں پہ ہو

أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿١٤٧﴾ فَإِن

یا ہڈی سے ملی ہوئی ہو یہ ہم نے ان کو بدلہ دیا ان کی سرکشی کا اور ہم سچے ہیں پس

كَذَّبُوكَ فَقُل رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٤٨﴾

اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو کہہ دیجئے تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے اور نہیں پھرتا اس کا عذاب مجرم لوگوں سے

اور خبیث وہ جس سے نفس کراہت کرے یا روح و بدنِ انسانی کیلئے نقصان دہ ثابت ہو تو اس قاعدہ کی بناء پر حرام چیزیں کافی ہیں لیکن یہاں صرف چار چیزوں کا ذکر فرمایا اور اسے قرآن میں کئی بار دھرایا، مردہ، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کی مذبوحہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار ان چیزوں کو حلال سمجھتے تھے اور ان کو عام کھایا کرتے تھے اور اس کے مقابلہ میں بحیرۂ سائبہ اور حام جن کا بیان گزر چکا ہے ان کو حرام سمجھتے تھے پس قرآن کریم کا حصر حقیقی نہیں بلکہ حصر اضافی ہے اور چونکہ وہ لوگ بھی مدعی تھے کہ ہم کو اللہ کا حکم ایسا ہوا ہے پس ارشاد فرمایا کہ ان کو کہہ دو مجھے تو جو کچھ وحی ہوئی ہے ان چار چیزوں کے علاوہ کوئی چیز بھی کھانے والے کو حرام نہیں ہے یعنی بحیرہ سائبہ وغیرہ سب حلال ہیں اور یہ چار چیزیں حرام ہیں پھر تم نے اس کا اُلٹ کیسے نکال لیا۔

غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ ۔ اس کی تفسیر سورۂ مائدہ میں گزر چکی ہے۔

وَعَلَى الَّذِينَ ۔ یعنی یہودیوں پہ یہ چیزیں حرام کر دی گئیں سزا کے طور پر ورنہ درحقیقت وہ حلال تھیں۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۚ

عنقریب کہیں گے جو مشرک ہیں اگر چاہتا اللہ تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ اور نہ ہم حرام کرتے کسی چیز کو

كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ

اسی طرح جھٹلایا جو ان سے پہلے گزرے یہاں تک کہ چکھا ہمارا عذاب کہہ دو کیا تمہارے پاس اس کا کوئی علم ہے تو ظاہر کرو

لَنَا ۖ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿١٤٩﴾ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ

ہم پر نہیں تم پیچھے چلتے مگر گمان کے اور تم صرف تخمینی باتیں کرتے ہو کہہ دیجئے کہ اللہ کی حجت تمام ہے پس اگر

فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٥٠﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ

وہ چاہتا تو تم سب کو (جبر سے) راہ راست پر لاتا کہہ دیجئے لاؤ اپنے گواہ جو گواہی دیں کہ تحقیق اللہ نے یہ چیز حرام کی ہے

هَٰذَا ۖ فَإِنْ شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ

پس اگر اقرار کریں تو تم ان کے ساتھ اقرار نہ کرنا اور نہ پیچھے چلو ان کی خواہشوں کے جو جھٹلاتے ہیں ہماری آیتوں کو

لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ﴿١٥١﴾ قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ

اور جو نہیں مانتے قیامت کو اور وہ اپنے رب کے برابر کرتے ہیں (غیر کو) کہہ دیجئے آؤ میں تلاوت کروں تم پر جو تمہارے

سَيَقُولُ :- تمام لوگ جب کوئی برائی کرتے ہیں جس کو وہ خود اچھا سمجھے ہوئے ہوتے ہیں تو دلیل طلب کرنے پر یہی جواب دیتے ہیں کہ اگر ہمارا کام بُرا ہوتا اور خدا کو ناپسند ہوتا تو ہم یا ہمارے بزرگ یہ کام کیوں کرتے پس خدا کوئی عذاب بھیج دیتا۔ یا اس کی جانب سے کوئی تنبیہہ ہو جاتی لیکن چونکہ ایسا نہیں ہوا۔ لہٰذا یہ کام خدا کو محبوب ہے پس خداوندکریم ایسا کہنے والوں کی مذمت فرما رہا ہے کہ مشرک لوگ بھی ایسا ہی کہتے تھے اور یہ دستور بہت قدیم سے چلا آرہا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ صرف ظن پرستی اور تخمینی باتوں کے پیچھے چلتے ہیں ان کے پاس کوئی علمی جواب نہیں۔

فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ :- اللہ کی طرف سے حجت تمام ہو گئی وہ دین پر مجبور کسی کو نہیں کرتا ورنہ سب کے سب ہدایت پر ہوتے تفسیر صافی میں کافی سے منقول ہے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ کی جانب سے بندوں پر دو حجتیں ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ ظاہری حجت نبی و رسولؐ ہیں اور باطنی حجت عقل ہے۔ ایک حدیث میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا فرمان ہے ہم خدا کی

رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ

رب نے تم پر حرام کی ہیں کہ اس کا شریک نہ بناؤ کسی چیز کو اور ماں باپ سے احسان کرو اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو تنگدستی کے خوف سے

نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا

ہم تم کو اور ان کو رزق دیتے ہیں اور نہ قریب جاؤ بدکاری کے خواہ ظاہر ہو یا پوشیدہ اور نہ قتل کرو

النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا

کسی نفس کو جو حرام کیا اللہ نے مگر ساتھ حق کے یہ حکم دیا تم کو اُس نے تاکہ تم سمجھو اور نہ قریب جاؤ

مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ

یتیم کے مال کے مگر اچھی صورت سے یہاں تک کہ پہنچے جوانی کو اور پورا کرو ناپ اور تول کو انصاف

لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ

سے نہیں ہم تکلیف دیتے کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق اور جب بات کرو تو عدل سے کرو اگرچہ ہو قریبی اور اللہ کے عہد کے ساتھ وفا کرو

حجت بالغہ ہیں اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے قیامت کے دن خدا بندے سے پوچھے گا کہ تو فلاں حکم کو جانتا تھا۔ اگر وہ کہے گا ہاں تو فرمائے گا پھر تو نے اپنے علم پر عمل کیوں نہ کیا اور اگر کہے گا نہیں تو فرمائے گا کہ سیکھا کیوں نہیں۔ پس یہ حجت بالغہ ہے پروردگار کی۔

رکوع نمبر ۶

قُلْ تَعَالَوْا ۔ یہاں خداوند کریم نے ان چیزوں کی تفصیل بیان کی ہے جو حرام ہیں اور ان میں سے جو زیادہ سخت و سنگین ہیں۔ ان کے نام گنوائے ہیں (۱) شرک (۲) والدین کی نافرمانی (۳) اولاد کا قتل کرنا (۴) بدکاری ظاہری یا خفیہ۔ (۵) قتل نفس (۶) یتیم کا مال کھانا (۷) ناپ میں کم دینا (۸) تولنے میں خیانت کرنا (۹) بیان میں جھوٹ (۱۰) اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو توڑنا۔ یہ کل دس ہیں۔ ان میں بعض کو نہی کے انداز سے ذکر کیا اور بعض کو امر کے رنگ میں بیان فرمایا۔ کیونکہ ہر عنوان کے اہم پہلو کو ہی مدنظر رکھا گیا ہے جہاں نہی کا پہلو اہم تھا وہاں نہی کی موزونیت تھی اور جہاں اثباتی پہلو اہم تھا وہاں امر موزوں ومناسب تھا پس جن کے متعلق نہی وارد ہے ان کی حرمت صراحت سے بیان ہوئی اور جن کے متعلق امر ہے تو ان کی جانب مخالف کی حرمت کنایہ سے بیان ہوئی اور اَتْلُ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ چونکہ وَصّٰىكُمْ کی تاویل میں ہو سکتا ہے لہذا مثبت ومنفی سب اسی کے تحت میں ہیں اور نحوی ترکیب میں کوئی سقم پیدا نہیں ہوتا۔ مثلاً اس نے وصیت کی کہ شریک نہ بناؤ۔ والدین سے احسان کرو۔ اولاد کو قتل نہ کرو۔ یتیم کا مال نہ کھاؤ۔ کیل و وزن کو پورا کیا کرو۔ سچ بولو اور اللہ کے عہد کی وفا کرو۔

ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ

یہ تم کو اس نے حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو اور تحقیق یہ میرا راستہ سیدھا ہے اس پر چلو

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

اور نہ چلو اور راستوں پہ ورنہ جُدا کر دیں گے تم کو اس کے راستہ سے یہ تم کو اس نے حکم دیا ہے تاکہ تم

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ

بچو پھر ہم نے دی موسٰیؑ کو کتاب واسطے پُورا کرنے اس کے جو اس نے احسان کیا اور تفصیل ہر چیز کی

شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ ع

اور ہدایت اور رحمت تاکہ وہ اپنے رب کی ملاقات پہ ایمان لائیں

وَبِالْوَالِدَيْنِ :- ص۲۶۶ تفسیر صافی میں مروی ہے کہ والدین سے مراد حضرت رسالتمآبؐ اور حضرت امیرالمومنینؑ ہیں۔

اِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ :- تفسیر صافی میں ہے امام محمد باقر علیہ السلام نے برید عجلی کو فرمایا کہ فرمانِ خداوندی اِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا کا مطلب جانتے ہو تو راوی کہتا ہے میں نے کہا کہ نہیں۔ تو فرمایا علیؑ اور باقی اوصیاء علیہم السلام کی ولایت مراد ہے۔ پھر پوچھا فَاتَّبِعُوْهُ میں کس کی اطاعت کا حکم ہے۔ میں نے عرض کی کہ میں نہیں جانتا تو فرمایا علیؑ کی اطاعت کا حکم ہے۔ پھر پوچھا وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ میں کن کن راستوں پہ چلنے سے منع فرمایا ہے تو میں نے عرض کی مولا مجھے معلوم نہیں تو آپ نے فرمایا فلاں فلاں کی ولایت مراد ہے پھر فرمایا عَنْ سَبِيْلِهٖ میں کونسا راستہ مراد ہے تو میں نے عرض کی میں نہیں جانتا تو فرمایا علیؑ علیہ السلام کا راستہ مراد ہے کہ اوروں کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں علیؑ کے راستہ سے الگ کر دیں گے۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا :- چونکہ ثُمَّ بعد کے لئے آتا ہے حالانکہ حضرت موسٰیؑ کو تورات پہلے دی گئی تھی نہ کہ بعد میں اس کی کئی تاویلیں کی گئی ہیں (۱) ثُمَّ قُلْ يَا مُحَمَّدُ اٰتَيْنَا :- یعنی پھر ان کو یہ کہو کہ ہم نے موسٰیؑ کو بھی کتاب دی تھی (۲) پھر تم پر میں یہ تلاوت کرتا ہوں کہ ہم نے موسٰیؑ کو کتاب دی (۳) پچھلے قصہ سے متعلق ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ کی ذریت کا ذکر تھا کہ پھر ہم نے موسٰیؑ کو کتاب دی۔

تَمَامًا :- اس کے معنی میں کئی وجوہ بیان کئے گئے ہیں (۱) پھر ہم نے موسٰیؑ کو کتاب دی تاکہ نیکیاں کرنے والوں پر نعمت کو تمام اور مکمل کر دوں (۲) موسٰیؑ پہ جو ہم نے احسانِ نبوت کیا تھا اب کتاب دے کر اس کو تمام اور مکمل کر دیا۔ وغیرہ

رکوع نمبر ۷

مُبٰرَكٌ :- ص۲۶۸ برکت سے ہے اور برکت کا معنی ہے اچھی صفت کا پائیدار ہونا اور اس کا اصل ہے ثبوت یعنی جم جانا اور اسی بناء پہ تَبٰرَكَ اللّٰهُ کا معنی ہوتا ہے کیونکہ اس میں صفاتِ خیر پائیداری اور

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

اور یہ کتاب ہم نے اس کو نازل کیا پس اس کی اتباع کرو اور ڈرو تاکہ تم رحم کئے جاؤ

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ

مبادا کہو کہ صرف اتری کتاب اوپر دو گروہوں کے ہم سے پہلے اور تحقیق تھے ہم ان کے

دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى

پڑھنے سے بے خبر یا یہ کہو کہ اگر ہم پر نازل کی جاتی کتاب تو ہوتے ہم زیادہ ہدایت یافتہ

مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ

ان سے تو تحقیق آئی تمہارے پاس نشانی اپنے رب سے اور ہدایت اور رحمت تو کون زیادہ ظالم ہے اس سے

كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۗ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا

جو جھٹلائے اللہ کی نشانیوں کو اور منہ پھیرے ان سے عنقریب ہم بدلہ دیں گے ان کو جو منہ پھیرتے ہیں ہماری نشانیوں

سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

سے برا عذاب بوجہ اس کے کہ منہ پھیرتے ہیں

دیومیت سے ہیں۔

اَنْ تَقُوْلُوْٓا یعنی کَرَاهَةَ اَنْ تَقُوْلُوْٓا مفعول لہ ہے کراہت کا لفظ محذوف ہے یعنی ہم نے تم پر کتاب مبارک نازل کی تاکہ بعد میں تم یہ نہ کہہ سکو کہ یہود و نصاریٰ پر کتابیں نازل ہوئیں۔ جن کو ہم نہ پڑھ سکتے تھے۔ اگر ہم پر ہماری زبان میں کوئی کتاب اترتی تو ہم ان کی برنسبت زیادہ قبول کرتے۔

تنبیہ صاحب مجمع البیان فرماتے ہیں یہاں سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ خدا کا قرآن نازل کرنا اس کا لطف ہے۔ ورنہ اگر قرآن نازل نہ فرماتا تب بھی انسانوں پر حجت تمام ہو چکی تھی۔ اور وہ ہے عقل۔ لیکن چونکہ اس لطف خداوندی کے بعد عذر کی گنجائش تھی کہ اگر کتاب بھیجتا تو ہم ایمان لاتے۔ لہٰذا اس نے اپنے لطف و کرم سے کتاب بھی بھیجی۔ تاکہ یہ عذر بھی باقی نہ رہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ

نہیں انتظار کرتے مگر اس کی کہ آئیں ان پر فرشتے یا آئے تیرا رب یا آئے کوئی نشانی تیرے رب کی

رَبِّكَ ۗ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ

جس دن آئے گی کوئی نشانی تیرے رب کی تو نہ فائدہ دے گا کسی نفس کو اس کا ایمان جو نہ ایمان لاچکا ہو

مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۗ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنَّ

پہلے یا نہ کما چکا ہو اپنے ایمان میں اچھائی کہہ دو انتظار کرو ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں تحقیق جنہوں

الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۚ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ

نے ٹکڑے کیا اپنے دین کو اور ہوگئے فرقے آپ کو ان سے کوئی مطلب نہیں بس ان کا معاملہ اللہ کے

اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

سپرد ہے پھر وہ ان کو خبر دے گا اس کی جو وہ کرتے تھے

هَلْ يَنْظُرُوْنَ :۔ فرشتوں کی آمد کی انتظار سے مراد ملائکہ موت ہیں یا ملائکہ عذاب ہیں یا منکر ونکیر مراد ہیں۔

يَوْمَ يَاْتِيْ :۔ تفسیر آئمہ میں ہے کہ آیات سے مراد آئمہ ہیں اور آیت منتظرہ سے مراد حضرت قائم آلِ محمدؐ ہے۔ مروی ہے کہ قائم آلِ محمدؐ کی تلوار سے پہلے پہلے جو لوگ ایمان نہ لاچکے ہوں گے تو تلوار کے ڈر سے ان کا ایمان لانا مفید نہ ہوگا۔ ابو بصیر سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اے ابو بصیر طوبیٰ ہے ہمارے ان شیعوں کے لئے جو اس کے زمانِ غیبت میں اس کا انتظار کریں گے اور بوقتِ ظہور اس کے فرماں بردار ہونگے۔ پس وہ اللہ کے اولیاء ہیں جن پر نہ خوف ہوگا نہ حزن۔

بروایت مجمع البیان حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ چھ چیزوں کے ظہور سے پہلے پہلے ایمان لے آؤ (۱) دابۃ الارض (۲) دجال (۳) دخان (۴) موت (۵) سورج کا مغرب سے طلوع (۶) قیامت۔

فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ :۔ ان لوگوں کی مذمت ہے جنہوں نے اپنی بدعات وخواہشات کو دین میں داخل کرکے دین کا حلیہ بگاڑ دیا اور دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے خود بھی فرقے فرقے ہوگئے اور بعضوں نے فَارَقُوْا پڑھا ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ جن لوگوں نے دین سے علیحدگی اختیار کی اور گروہ گروہ ہوگئے اس کے بعد حضورؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کو ان سے کوئی واسطہ نہیں ان لوگوں نے آپ کا کچھ نہیں بگاڑا۔ بلکہ انہوں نے اپنا ہی نقصان کیا ہے اور خدا خود ہی ان سے نپٹ لے گا۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰى

جو نیکی کرے تو اس کے لئے اس کا دس گنا ہے اور جو کرے برائی تو نہ بدلہ دیا جائے گا

نیکی کا بدلہ دس گنا

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ :- تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب شیطان کو خدا نے قوت عطا کی تو حضرت آدمؑ نے عرض کی کہ اے پروردگار تو نے اس کو میری اولاد پر مسلط کر دیا ہے اور ان کی رگ و پے میں اس کو داخل کر دیا ہے تو اس کے مقابلہ میں میری اولاد کیا کرے گی؟ تو ارشاد ہوا کہ تیری اولاد کی برائی ایک کی ایک ہی لکھی جائے گی اور نیکی ایک کی دس شمار ہو گی۔ حضرت آدمؑ نے مزید خواہش کی تو ارشاد ہوا کہ سانس کے حلقوم کو پہنچنے تک ان کیلئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ پھر حضرت آدمؑ نے مزید خواہش کی تو ارشاد ہوا کہ بخشوں گا اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ حضرت آدمؑ نے عرض کی کہ بس کافی ہے۔ علامہ فیض ارشاد فرماتے ہیں کہ نیکی کے دس گنا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نفسِ انسانی کا تعلق عالم علوی سے ہے اور نیکی کا تعلق بھی عالم علوی سے ہے۔ پس نفس انسانی نیکی کرے تو دس گنا بڑھ جاتی ہے۔ لیکن چونکہ برائی عالم سفلی سے تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا وہ ایک ہی رہتی ہے۔ جیسے انسان اگر ایک پتھر ایک اندازِ قوت سے اوپر کی طرف پھینکے تو فرضاً وہ ایک گز اوپر جاتا ہے لیکن اگر اس پتھر کو اسی مقدارِ قوت سے نیچے کی طرف پھینکے تو دس گز یا اس سے بھی زیادہ حرکت کرے گا کیونکہ پہلی حرکت خلافِ طبع تھی اور دوسری موافقِ طبع ہے۔

(۱) امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے اگر کوئی شخص سنت روزہ رکھے اور پھر اپنے کسی برادر ایمانی کو ملنے کے لئے جائے پس وہ اگر اس کو کھانے کی دعوت دے تو اس روزہ دار کو افطار کرنا چاہیئے۔ تاکہ مومن خوش ہو اور اس عمل سے اس کو اس دن کے روزے کا ثواب ملے گا کیونکہ خدا فرماتا ہے جو نیکی کرے گا اس کو دس گنا اجر ملے گا۔ (۲) زرارہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ خدا جو فرماتا ہے جو نیکی کرے گا اس کو اس کا دس گنا ثواب ملے گا۔ کیا یہ ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو ولاءِ آلِ محمدؐ نہیں رکھتے تو آپ نے فرمایا یہ صرف مومنوں کے لئے ہے۔ زرارہ کہتا ہے میں نے پوچھا کہ حضورؑ اگر ایک شخص روزہ دار ہو، نمازی ہو، حرام سے پرہیز کرتا ہو اور صفتِ تقویٰ سے متصف ہو۔ لیکن نہ ولائے اہل بیت رکھتا ہو اور نہ ان سے دشمنی رکھتا ہو اس کا کیا حشر ہو گا؟ تو آپ نے فرمایا ان کو خدا اپنی رحمت سے جنت میں داخل کرے گا۔

(۳) امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ امام زین العابدینؑ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے اس شخص کے لئے ویل ہے جس کی اکائیاں اس کی دہائیوں پر غالب آجائیں۔ تو کسی نے پوچھا حضورؑ یہ کیسے۔ تو آپ نے فرمایا ارشادِ خداوندی ہے کہ نیکی ایک کے بدلہ میں دس ہو گی اور برائی ایک کی ایک ہی رہے گی۔ پس جو نیکی کرے گا تو اس نے دس کما لیں اور جو برائی کرے گا۔ اس کی صرف ایک لکھی جائے گی۔ پس خدا پناہ دے ایسے شخص سے جو دن میں دس برائیاں کرے اور ایک نیکی بھی اس سے نہ ہو سکے تو اس صورت میں اس کی برائیاں نیکیوں پر غالب آجائیں گی۔

اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦١﴾ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ

مگر اتنا ہی اور نہ ان پر ظلم ہوگا کہہ دیجئے تحقیق مجھے اپنے رب نے ہدایت کی صراط

مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿١٦٢﴾ قُلْ

مستقیم کی کہ وہ دین صحیح ملت ہے ابراہیمؑ کی جو حنیف تھے اور نہ تھے مشرکوں میں سے کہہ دیجئے

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿١٦٣﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ

تحقیق میری نماز اور قربانی اور زندگی اور موت اللہ کے لئے ہے جو جہانوں کا رب ہے اس کا کوئی شریک نہیں

وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿١٦٤﴾ قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ

اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا اسلام لانے والا ہوں کہہ دیجئے کیا غیر خدا کو بناؤں رب حالانکہ وہ

(۴) حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جمعہ کے دن لوگ تین قسم پر ہوتے ہیں۔ (۱) وہ جو جمعہ میں امام سے پہلے پہنچے اور خاموشی اور سکون رہے پس ان کا جمعہ میں آنا اس جمعہ سے اگلے جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ ہے اور تین دنوں کا ثواب زائد بھی ہے۔ (۲) وہ جو جمعہ میں حاضر ہوتے ہیں اور گپ شپ میں وقت گذارتے ہیں پس ایسے لوگوں کا حق صرف گپ شپ آتا ہے (۳) وہ لوگ جو بوقتِ خطبہ پہنچے اور نماز میں مشغول ہو گئے پس یہ دعا مانگیں تو خدا اگر چاہے تو منظور کرے اگر چاہے تو رد کر دے۔

(۵) معصوم سے دریافت کیا گیا کہ سال بھر کے روزے رکھنے کا کیا طریقہ ہے تو فرمایا کہ ہر ماہ میں تین روزے پہلے عشرہ کی خمیس۔ دوسرے عشرہ کی بدھ اور تیسرے عشرہ کی خمیس۔ خدا فرماتا ہے نیکی ایک ہو تو اس کا بدلہ دس ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص ہر ماہ میں تین روزے رکھے تو وہ صائم الدھر ہوگا (برہان)

(۶) ایک روایت میں ہے کہ آیت مجیدہ میں حسنۃ سے مراد ولاءِ آلِ محمدؐ اور سیّئہ سے مراد عداوتِ آلِ محمدؐ ہے۔

مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا:۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے حنیفاً مُسلماً کا معنی ہے وہ خالص مخلص جس میں بتوں کی عبادت کا ذرہ بھر شائبہ نہ ہو۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا مونچھوں کا کاٹنا، ناخن ترشوانا اور ختنہ سب حنیفیت میں سے ہیں نیز آپ نے فرمایا کہ اس امت میں سوائے ہمارے اور ہمارے شیعوں کے دینِ ابراہیمؑ پر کوئی ثابت قدم نہیں ہے اور جناب رسالتمآب سے مروی ہے کہ خدا نے حضرت خلیلؑ کو حنیفیت کے ساتھ بھیجا اور ان کو ان چیزوں کا حکم دیا (مونچھیں کٹوانا۔ ناخن لینا،

رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ

ہر شئے کا رب ہے اور نہیں کماتا کوئی نفس مگر اپنے لئے اور نہیں اٹھاتا کوئی بوجھ اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا

ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿١٦٥﴾ وَهُوَ الَّذِي

پھر تمہارے رب کی طرف تمہاری بازگشت ہے تو تمہیں خبر دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے اور اسی نے کیا

جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ

تم کو نائب زمین میں اور بلند کیا بعض کو اوپر بعض کے درجوں میں تاکہ تم کو آزمائے

فِي مَا آتَاكُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٦٦﴾

اس میں جو تم کو دیا تحقیق تیرا رب جلد سزا دینے والا ہے اور تحقیق وہ بخشنے والا مہربان ہے

بغلوں کے بال دُور کرنا ۔ ناف کے نیچے کے بال مونڈنا اور ختنہ کرنا ۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ :۔ تفسیر صافی میں عیون الرضا سے منقول ہے امام رضا علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جب حضرت قائم آل محمد علیہ السلام ظہور فرمائیں گے تو قاتلین حسین علیہ السلام کی اولاد کو قتل کریں گے کیا یہ حدیث درست ہے ؟ تو امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ہاں بے شک درست ہے تو پوچھا گیا خدا تو فرماتا ہے کہ ایک کا بھار دوسرا نفس نہیں اٹھائے گا پھر اس کا کیا مطلب ہوگا تو آپ نے فرمایا خدا کی سب باتیں صحیح ہیں ۔ لیکن امام حسین علیہ السلام کے قاتلین کی اولاد چونکہ اپنے باپ دادا کے فعل پر راضی ہیں اور ان پر نازاں ہیں اور جو بھی کسی کے فعل پر راضی ہو وہ اس جیسا ہوا کرتا ہے اگر کوئی شخص مشرق میں قتل کرے اور مغرب کا آدمی اس کے قتل پر راضی ہو تو اللہ کے نزدیک وہ بھی قاتل کا شریک قرار دیا جائے گا ۔ پس حضرت قائم آل محمدؐ جب ظہور فرمائیں گے ۔ تو قاتلین حسین علیہ السلام کی اولاد سے ان کے باپ دادا کے فعل کا بدلہ لیں گے کیونکہ یہ لوگ ان کے فعل پر راضی ہیں ۔

آج ۱۱ ربیع الآخر ۱۳۸۳ھ مطابق یکم ستمبر ۱۹۶۳ء بروز اتوار بوقت پونے چھ(۶) بجے شام پانچویں جلد کی تفسیر سے فارغ ہوا اور خدائے متعال سے دست بدعا ہوں کہ مجھے اس کارِ خیر میں اتمام کی توفیق مرحمت فرمائے اور تمام حائل شدہ رکاوٹوں کو دُور کرے اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ علوم قرآنیہ کی شوق عطا فرمائے تاکہ اس کتاب سے استفادہ کریں ۔ (اور آج ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۲ اگست ۱۹۷۹ء بروز بدھ بوقت ۵ بجے شام پانچویں جلد کا دوسرا ایڈیشن کتابت ہوگیا ۔ کاتب محمد شفیق سرگودھا)

وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ط

چھٹی جلد سورۂ اعراف سے شروع ہوگی وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ